ماہنامہ
حنا
اگست 2013
عید نمبر
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس، monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! اگست 2013ء کا شمارہ بطور عید نمبر پیش خدمت ہے۔

جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو آپ انشاءاللہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی برکتوں سے فیض یاب ہو رہے ہوں گے، رمضان کے مبارک مہینے کے اختتام پر عیدالفطر مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے روزوں کا اجر عطا فرماتا ہے، اس دن تمام مسلمان خوشیاں مناتے ہیں، یہ اجتماعی مذہبی تہوار ہے، مسلمان اس دن کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر کے کرتے ہیں۔

عید اجتماعی خوشی کا نام ہے اور یہ خوشی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب ہر دل تک پہنچے، آپ کے اردگرد کئی لوگ ایسے ہوں گے جو حالات کی وجہ سے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے یہ خوشیاں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، آپ انہیں بھی اپنی خوشیوں میں شریک کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقی خوشی عطا فرمائے گا، ہماری دعا ہے کہ یہ عید ہم سب کے لئے امن و عافیت اور خوشیوں کا پیغام لے کر آئے، آمین۔

عید نمبر 2:۔ عید نمبر کے لئے ہمیں بہت سی تحریریں موصول ہوئیں جن میں سے کچھ تحریریں محدود صفحات کی وجہ سے عید نمبر میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں، انشاءاللہ یہ تحریریں اب ستمبر کے شمارے میں شائع ہوں گی، اس لئے ستمبر 2013ء کا شمارہ عید نمبر 2 ہوگا۔

اس شمارے میں:۔ نعت خواں اُم حبیبہ سے ملاقات، عید سروے، اُم مریم اور فوزیہ غزل کے سلسلے وار ناول، سمیرا حمید، صبا جاوید اور اُم مریم کے مکمل ناول، سندس جبیں کا ناولٹ، مصباح نوشین، نسرین خالد اور قرۃ العین رائے کے افسانوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

زمیں تیری فلک تیرا، تو مالک ہے بہاروں کا
تری قدرت سے سارا سلسلہ ہے کھلتے پھولوں کا

جو تو چاہے تو شاخوں کو ملیں پتے نئی رت میں
جو تو چاہے تو اجڑا باغ مہکے پھر گلابوں کا

جو تو چاہے تو مٹی بھی بنے سونا زمانے میں
جو تو چاہے تو جاگ اٹھے مقدر تیرہ بختوں کا

جو تو چاہے تو قطرے کو کرے اک گوہر تاباں
جو تو چاہے عطا ہو مرتبہ ذروں کا تاروں کا

جو تو چاہے تو چشمہ ریگ زاروں سے نکل آئے
جو تو چاہے تو جاری سلسلہ ہو آبشاروں کا

جو تو چاہے تو بھر جائے مری امید کا دامن
جو تو چاہے تو ہو آباد میرا شہر خوابوں کا

امجد اسلام امجد

نعت رسول مقبول ﷺ

یہ کون طائر سدرہ سے ہم کلام آیا
جہان خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

خط جبیں ترا ام الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکر الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

کہاں وہ پیکر نوری، کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوۂ معنی، کہاں ردائے غزل
بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے

امجد اسلام امجد

سید اختر ناز

عیدین میں اذان اور اقامت

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز کئی بار بغیر اذان کے اور بغیر اقامت کے پڑھی۔ (صحیح مسلم)

عیدالفطر میں صدقہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز فطر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے ساتھ گیا تو ان سب بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ نماز، خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے اور اس کے بعد خطبہ پڑھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے یعنی خطبہ پڑھ کر گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں، جب انہوں نے لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کر کے بٹھانا شروع کیا پھر ان کی صفیں چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت پڑھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے فارغ ہوئے اور پھر فرمایا کہ تم نے ان سب کا اقرار کیا کہ اس میں سے ایک عورت نے کہا کہ۔

"ہاں اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!" راوی نے کہا کہ معلوم نہیں وہ کون تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"صدقہ کرو۔" پھر انہوں نے صدقہ دینا شروع کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور کہا کہ۔

"لاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔" اور وہ سب چھلے اور انگوٹھیاں اتار اتار کر سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح مسلم)

نماز عید میں کیا پڑھیں

عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر اور فطر میں کیا پڑھتے تھے؟" انہوں نے کہا کہ۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں ق و القرآن المجید اور اقتربت ساعۃ وانشق القمر پڑھتے تھے۔" (صحیح مسلم)

عورتوں کی نماز عید

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا کہ ہم عیدالفطر میں اور عیدالاضحیٰ میں اپنی کنواری، جوان لڑکیوں کو اور حیض والیاں کو اور پردہ والیوں کو لے جائیں، پس حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور اس کار نیک اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھا دے۔" (صحیح مسلم)

عید کے دن تفریح

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر آئے اور میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کی لڑائی کے گیت گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچھونے پر لیٹ گئے اور اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور مجھے جھڑکا کہ۔

"شیطان کی تان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ۔

"ان کو چھوڑ دو۔" (یعنی گانے دو) پھر جب وہ غافل ہو گئے تو میں نے ان دونوں کے چٹکی لی کہ وہ نکل گئیں اور وہ عید کا دن تھا اور سوڈان ڈھالوں اور نیزوں سے کھیلتے تھے، سو مجھے یاد نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی تھی یا انہوں نے خود فرمایا کہ۔

"کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟"

میں نے کہا کہ۔

"ہاں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ۔

"اے اولاد ارفدہ! تم اپنے کھیل میں مشغول رہو۔"

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"بس؟"

میں نے عرض کیا کہ۔

"ہاں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"جاؤ۔" (صحیح مسلم)

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو ہمیشہ کے روزوں کا ثواب ہوگا۔" (پورے سال کے روزوں کا ثواب ہوگا) (صحیح مسلم)

عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت

ابن ازہر کے غلام ابوعبید سے روایت ہے کہ میں عید میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا اور آپ آئے اور نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے اور لوگوں پر خطبہ پڑھا اور کہا کہ۔

"یہ دونوں دن ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان (دونوں دنوں) میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور آج کا یہ دن رمضان کے بعد تمہارے افطار کا ہے اور دوسرا دن ایسا ہے کہ تم اس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو۔" (مسلم)

عید فطر کے دن

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن جب تک کچھ کھجوریں نہ کھا لیتے نماز کے لئے نہ جاتے۔"
انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی حدیث بیان کی اس میں یہ ہے کہ آپ طاق کھجوریں کھاتے۔ (بخاری شریف)

عید کی نماز کے لئے سویرے جانا

عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ملک شام میں امام کے دیر سے نکلنے پر اعتراض کیا اور) کہا اس وقت تو ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے یعنی جس وقت نفل پڑھنا درست ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ لمبا بنایا۔" پھر فرمایا۔
"جا ان فرشتوں کے گروہ کو سلام کر سن وہ تجھ کو کیا جواب دیتے ہیں؟ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا؟" آدم علیہ السلام نے کہا۔
"السلام علیکم!" انہوں نے جواب السلام علیکم ورحمتہ اللہ کا لفظ انہوں نے بڑھایا۔
جو لوگ قیامت کے دن (بہشت) میں داخل ہوں گے وہ سب آدم علیہ السلام کی صورت (حسن اور قامت) پر ہوں گے، آدم علیہ السلام کے بعد پھر اب تک قد چھوٹے ہوتے رہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"پہلا گروہ آدمیوں کا جو بہشت میں جائے گا، وہ لوگ چودھویں رات کے چاند کی طرح (حسن اور چمک میں) ہوں گے، پھر جوان کے بعد جائیں گے وہ بہت چمکتے ستارے کی طرح جو آسمان میں ہے یہ لوگ (بہشت میں) نہ پیشاب پاخانہ کریں گے، نہ تھوکیں گے، نہ ناک سے رینٹ نکالیں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کے پسینے سے مشک کی خوشبو پھوٹے گی، ان کی انگیٹھیوں میں عود (جلتا) رہے گا یعنی خوشبودار عود، ان کی بیویاں بڑی آنکھ والی حوریں ہوں گی سب ایک ہی شخص یعنی اپنے باپ آدم کی قد و قامت پر ساٹھ ہاتھ اونچے ہوں گے۔ (بخاری شریف)

یہودی کے سوال

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہود کے عالم) کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے۔
"میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین باتیں پوچھتا ہوں پیغمبر کے سوا کوئی اور ان کو نہیں جان سکتا۔"
"قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟"
"اور بہشتی لوگ بہشت میں جا کر پہلے کیا کھائیں گے؟"
"اور بچہ اپنے باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ اسی طرح اپنے ننھیال کے۔"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"ابھی ابھی جب تو نے (پوچھا) جبرئیل نے یہ باتیں مجھ کو بتلا دیں۔"

عبداللہ نے کہا۔
"یہ فرشتہ یہودیوں کا دشمن ہے ان کے زعم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب لے جائے گی۔"
"پہلا کھانا بہشتیوں کا مچھلی کے کلیجے پر جو ٹکڑا لٹکا رہتا ہے وہ ہوگا (نہایت لذیذ ہوتا ہے)"
"بچہ کے مشابہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے صحبت کرتا ہے اگر مرد کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے (غالب آ جاتا ہے) تو بچہ باپ کے مشابہ ہو جاتا ہے اگر عورت کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کے مشابہ ہو جاتا ہے۔"
عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر عرض کی۔
"میں گواہی دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" پھر انہوں نے عرض کی۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہودی لوگ انتہا کے جھوٹے فریبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ان سے میرا حال پوچھیے، پوچھنے سے پہلے اگر ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو وہ مجھ کو جھوٹا لپاٹیا کہیں گے۔" (کبھی میری تعریف نہیں کریں گے)
یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کوٹھڑی میں چلے گئے (چھپ گئے)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا۔
"عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم میں کیسا آدمی ہے؟"
انہوں نے کہا۔
"عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم ہیں اور عالم کے بیٹے اور سب سے افضل اور سب سے افضل کے بیٹے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"دیکھو اگر عبداللہ مسلمان ہو جائیں (تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے)"
انہوں نے کہا۔
"(اللہ نہ کرے) اللہ ان کو مسلمان ہونے سے بچائے رکھے۔
یہ سن کر عبداللہ کوٹھڑی سے نکلے اور کہنے لگے۔
"اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد ارسول اللہ" اس وقت یہودی شرمندہ ہو کر کیا کہنے لگے۔
"عبداللہ تو ہم سب میں برا آدمی ہے، سب سے برے شخص کا بیٹا ہے۔" لگے اس کو سخت سست کہنے۔ (بخاری شریف)

لباس کا بیان

اللہ تعالیٰ کا (سورۃ اعراف میں) فرمانا۔
"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دے کس نے وہ زیب و زینت کی چیزیں حرام کیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالیں۔" (یعنی عمدہ عمدہ لباس)
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کھاؤ پیو، پہنو، خیرات کرو لیکن اسراف نہ کرو (حد سے نہ بڑھ جاؤ) نہ تکبر (غرور) کرو۔"
اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
"جو تیرا جی چاہے (بشرطیکہ حلال ہو کھا اور جو تیرا جی ہے (مباح کپڑوں میں سے) پہن گو کتنا ہی بیش قیمت ہو) مگر جب تک دو باتوں سے بچا رہے اسراف اور تکبر سے۔" (بخاری شریف)

ٹخنوں سے نیچے کپڑا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"جو تہبند (شلوار، پتلون وغیرہ) ٹخنے سے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جائے گا۔" (یعنی اپنے پہننے والے کو)

تکبر کا بیان

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"ایسا ہوا (بنی اسرائیل میں) ایک شخص (قارون یا بعیرن فارس کا رہنے والا) ایک جوڑا پہن کر بالوں میں کنگھی کیے اتراتا جا رہا تھا، یکایک اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا، وہ قیامت تک دھنستا میں دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری شریف)

ریشمی قبا

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ریشمی قبا تحفہ میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پہنا اور نماز پڑھی پھر نماز سے فارغ ہو کر اس کو زور سے اتارا جیسے اس کو برا جانتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ پرہیزگاروں کے لائق نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

زعفران لگانے کی ممانعت

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مردوں کو) زعفران لگانے سے اور زعفران کے رنگ سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم)

بال رنگنے کے متعلق

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس سال مکہ فتح ہوا آئے اور ان کا سر اور ان کی داڑھی ثغامہ کی طرح سفید تھی (ثغامہ ایک سفید گھاس کا نام ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔
"اس سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہ رنگ سے بچو۔" (صحیح مسلم)

خضاب کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔
"یہود اور انصاری خضاب نہیں کرتے تو تم ان کا خلاف کرو۔" (اور خضاب کیا کرو) (صحیح مسلم)

کالے رنگ کا کمبل پہننا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صبح کو نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کالے بالوں کا ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جس پر پالان کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ (صحیح مسلم)

ضروری بستر بنا کر رکھنے کے متعلق

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔
"ایک بستر آدمی کے لئے چاہیے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کا ہوگا۔"

☆☆☆

ابن انشاء

اک چاند پرانا صدیوں کا جس چاند کے پیٹ میں تارا ہے
اک چاند زمیں کے لوگوں نے افلاک پہ آج ابھارا ہے
اس چاند کا چہرہ اجلا ہے، اس چاند کا رتبہ عالی ہے
اس چاند میں بھی گن لاکھوں ہیں، اس چاند کی چھب نرالی ہے
اس چاند کے لو بھی دیوانے، اس چاند کے آلھے گاتے ہیں
اس چاند چراغ کے پروانے، اس چاند کی عید مناتے ہیں
تم چاند نگر کے انشا جی، کس چاند کے عاشق ہوتے ہو؟
کس چاند پہ جی کو کھوتے ہو، کس چاند کو شب کو روتے ہو؟

☆☆☆

جب من کے گگن کے آنگن میں، اندھیارا ہی اندھیارا تھا
ہم پیت نگر کے لوگوں نے اک روپ کا چاند ابھارا تھا
نا کنکر ہے، نا پتھر ہے، نا لوہا ہے، نا پیتل ہے
نا چاند وہ پگھلی چاندی ہے، نا چاند وہ سونا شیتل ہے

اک گوری تھی البیلی سی ، مدماتی چھیل چھبیلی سی
تھی جس کی چال نشیلی سی ، تھی جس کی بات رسیلی سی
وہ پیت لگا کر توڑ گئی ، ہاں کہنے کو منہ موڑ گئی
تن من کے تار جھنجھوڑ گئی ، سو یادیں جی میں چھوڑ گئی
اس من کی اندھیری راتوں میں ان یادوں کا اجیالا ہے
یہ چاند کہ اودا کالا ہے ، ہر شام نکلنے والا ہے

☆☆☆

یہ چاند لگائے سینے سے ، یہ چاند سمیٹے دامن میں
ہم جوت جگاتے پھرتے ہیں پربت، ساگر، بستی بن میں
ہر شعر پہ شور سا اٹھتا ہے ، ہر گیت پہ دیپ سا جلتا ہے
جب رات کو من کی محفل میں اس چاند کا چرچا چلتا ہے
وہ چاند کہ ڈوبیں گہنائیں ، وہ چاند کہ آخر جل جائیں
جس چاند سے ہم کو نسبت ہے ، اس چاند کے آگے کب آئیں
پر لوگو مورکھو دیوانو ، یہ بات بھی ہم سے کیوں پوچھو
جس چاند کی جس کو وحشت ہو ، جس چاند کا جس کو سودا ہو
بس بات ہے پیت نبھانے میں ، اک چاند پہ جان سے جاتے ہیں
جب ایک نہیں جب دو بھی نہیں ، جب لاکھ ہوں چاند زمانے میں

☆☆☆

ام حبیبہ سے ملاقات

کاشف گوریجہ

"رمضان کا مبارک مہینہ آتے ہی ٹیلی وژن سکرین پر نہایت ہی مشفق پاکیزہ اور دل کو چھو جانے والی آواز آقائے دوجہاں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں حمد سرائی کرتی ہوئی ساعتوں کو معطر کرتی ہے۔

"جی ہاں یہ معطر آواز پاکستان کی پہلی فی میل نعت خواں اُم حبیبہ کی ہے۔ ام حبیبہ نے اپنی آواز کا فیض ایسا جگایا کہ ہر چینل پر ان کو بلایا گیا۔

"رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں ہماری آج کی شخصیت اُم حبیبہ سے ملاقات قارئین کے لیے حاضر ہے۔

☆ آپ نے نبی مکرم تاجدارِ رسالت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں بہت سی نعتیں پیش کیں آپ کی وجہ شہرت نعت گُل گُل سا کے ساتھ ایک خوشگوار واقع قارئین کی نظر کرنا چاہیں گی؟؟؟

● جی ہاں یہ نعت فارسی کا کلام ہے۔ اور یہ نعت میری زندگی کا حصہ بھی ہے کیوں کہ یہ نعت میری شادی کی وجہ بھی ہے۔

واقع کچھ یوں ہے کہ جب میری شادی نہیں ہوئی

تھی اور وہ صاحب جو آج میرے شوہر ہیں شکاگو میں رہتے تھے ان کی بہن نے اُن کو اس نعت کا کیسٹ بھیجا کہ یہ نعت سنیے اور بتایئے کہ یہ آواز کیسی ہے، اور یہ بالکل سچا واقع ہے کہ انہوں نے دو نفل نماز پڑھی اور اللہ پاک سے دعا کی کہ مجھے یہ آواز چاہیے۔ پھر اُن کے گھر والوں نے مجھے تلاش کیا میرا رشتہ بھیجا اور کچھ ہی عرصے میں ہماری شادی ہوگئی اور یوں اللہ پاک نے اُن کی دعا قبول کر لی۔

☆ مزاج کے کیسے ہیں آپ کے شوہر کبھی گھریلو ناچاقی کی نوبت آئی ؟؟؟

● نہیں کبھی نہیں ایسا ہوا مجھے تو پتا بھی نہیں ہے کہ گریلو ناچاقی ہوتی کیا ہے۔ مجھے نہیں پتا کہ اُن کی اُنچی آواز کیسی ہے کبھی ڈانٹ ڈپٹ غصہ نہیں آیا۔

☆ اکثر گھر میں محفل میلاد ہوتی ہوگی کیا کبھی کیانی صاحب (شوہر) نے فرمائش کی کہ کوئی نعت سنا دیں ؟؟؟

● جی ہاں اُن کی پسند کی کافی نعتیں ہیں جن کی وہ فرمائش کرتے ہیں کہ سنا دو۔

☆ کیا کیانی صاحب نے آپ پر پابندی لگائی میڈیا پر نعت نہیں پڑھنی ؟؟؟

● ہرگز نہیں کوئی پابندی نہیں ہے، مجھے اُن کی طرف سے اجازت ہے۔ بلکہ ہر سال ربیع الاول میں مجھے وہ خصوصاً پاکستان بھیجتے ہیں۔

☆ آپ کی فیملی شکاگو (امریکہ) میں آباد ہے آپ کی فیملی کے کتنے افراد ہیں ؟؟؟

● میری فیملی اب تو ماشاء اللہ بڑھ گئی ہے، میری بیٹی ہے اُم ندا، ماشاء اللہ بہت اچھی نعت پڑھتی ہے وہ بھی، اس کے علاوہ میرے داماد ہیں فرحان خان، جو کہ ڈاکٹر ہیں۔ اور اُن کے دو بیٹے ہیں سبحان اور جبران میرے دو نواسے ہیں، میرا بیٹا نبیل کیانی میری بہو ہیں میرے شوہر ہیں ماشاء اللہ اللہ اُن کو صحت و تندرستی دے، بہت اچھی فیملی ہے اللہ کے کرم سے۔

☆ آپ کی بیٹی ماشاء اللہ بہت اچھی نعت خواں ہیں اُن کے بارے میں کچھ کہیں گی ؟؟؟

● ندا (بیٹی) کی آواز ماشاء اللہ واقع بہت اچھی ہے اور وہ نعت گوئی میں مجھ سے کافی بہتر ہے۔

☆ آپ نے کتنی بار حج کی سعادت حاصل کی ؟؟؟

● میری خواہش تھی ایک حج کرنے کی کیوں کہ آپ ﷺ نے ایک ہی حج کیا تھا اسی لیے میں نے بھی ایک ہی حج کیا ہے، اور چار بار عمرے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔

عید کا دن خوشبوؤں اور خوشیوں سے عبارت ہے عید سے جڑی وابستہ یہ رسم خوبصورت ہوتی ہے قارئین حنا کے لئے ہم نے مصنفین سے عید سروے ترتیب دیا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے ان سوالات کے کیا جوابات دیئے ہیں۔

عید سروے کے سوالات یہ ہیں۔

1۔ آپ عید الفطر کس طرح مناتی ہیں، عید کی مناسبت سے کوئی ایسی رسم و روایت جس کے بنا آپ کو عید نامکمل لگتی ہو؟

2۔ عید کا کوئی خاص پکوان جس کی آپ کے گھر والے اور مہمان فرمائش کر کے بنواتے ہیں اس کی ترکیب لکھیں؟

3۔ چاند دیکھ کر کوئی دعا یاد آتی ہے یا کوئی چاند سا چہرہ؟

4۔ عید سے قبل یا عید کے دن رونما ہونے والا کوئی خوشگوار واقع یا فون یا میسج جس نے عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہو؟

5۔ اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ عید کا دن اپنی پسندیدہ مصنفہ یا شخصیت کے ساتھ گزارنا چاہیں تو آپ کس کے ساتھ گزاریں گی؟

6۔ اپنے سپنوں کے چاند کے لئے کوئی شعر یا خوبصورت جملہ؟

عمارہ امداد .... راولپنڈی

1۔ میں عید الفطر بہت اہتمام سے مناتی ہوں، عام دنوں میں بہت سادہ رہتی ہوں لیکن عید پر ضرور تیار ہوتی ہوں اپنے اور بچوں کے نئے کپڑے لیتی ہوں۔

شادی سے پہلے تو یہ حال تھا کہ جب تک میں اپنی دوست "حنا" سے نہ مل لیتی مجھے عید نامکمل لگتی تھی اور اب یہ ہے کہ جب تک اچھی طرح تیار نہ ہو جاؤں اور سویٹ ڈش

لازمی بناتی ہوں اس کے بغیر بھی عید ادھوری لگتی ہے اور اب آپ کو ایک مزے کی بات بتاؤں، بچپن سے لے کر اب تک میں جب تک عید الفطر پر آئسکریم نہ کھاؤں میری عید نامکمل رہتی ہے، اس لئے ہر عید پر آئسکریم ضرور کھاتی ہوں۔

۲۔ کوئی مخصوص ڈش تو نہیں ہے لیکن میرے میکے میں بھی اور سسرال میں بھی کوئی میٹھی چیز ضرور بنتی ہے جیسے کھیر، سویاں، گجریلا وغیرہ، میرے ہزبینڈ کو ٹرائفل بہت پسند ہے وہ عید پر ضرور بنواتے ہیں، اس کی ترکیب لکھی رہی ہوں۔

فروٹ ٹرائفل

اشیاء

دودھ	ایک لیٹر
ونیلا کسٹرڈ	چار کھانے کے چمچ
چینی	حسب ضرورت
کریم	ایک پیکٹ
فروٹ کیک	ایک پیکٹ
جیلی (کسی بھی فلیور کی)	ایک پیکٹ
کیلے	حسب ضرورت
سیب	حسب ضرورت

ترکیب

دودھ میں ونیلا کسٹرڈ اور چینی ڈال کر کسٹرڈ تیار کر لیں پھر جب یہ ٹھنڈا ہو جائے تو ایک ڈونگہ یا باؤل لے لیں (اگر چوکور شکل کا ہو تو زیادہ صحیح رہے گا) پھر باؤل میں سب سے پہلے کریم لگائیں کہ اس کی سطح پر اچھی طرح پھیل جائے پھر فروٹ کیک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کر کے پھیلا دیں، پھر دو سیب اور کیلے کاٹ کر ڈال دیں، پھر اوپر جیلی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ڈال دیں اب آدھا ونیلا کسٹرڈ ان کے اوپر ڈال دیں اچھی طرح پھیلا دیں پھر اوپر کریم، کیک، فروٹ اور جیلی ڈال دیں، (تھوڑی سی جیلی، فروٹ کیک اور کریم بچا لیں) پھر باقی بچا ہوا کسٹرڈ ڈال دیں اور اب سب سے اوپر جیلی اور کریم سے اپنی پسند سے سجاوٹ کر لیں اور فروٹ کیک کو بالکل چورا کر کے اوپر ڈال دیں، لیجئے فروٹ ٹرائفل تیار ہو گیا اب اسے خوب ٹھنڈا کر کے کھانا ہے۔

۳۔ چاند دیکھ کر ہمیشہ اپنے گھر والوں، ہزبینڈ اور بچوں کے لئے دعا مانگتی ہوں، اپنے ملک کی سلامتی کے لئے دعا مانگتی ہوں اور اس دفعہ یہ دعا ضرور مانگنی ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ لکھ سکوں کیونکہ یہ میری بہت بری عادت ہے کہ سوچتی بہت ہوں، بے شمار کہانیوں کے پلاٹ ذہن میں گردش کرتے رہتے ہیں لیکن لکھنے کے معاملے میں بحرالکاہل ہوں آپ سب نے بھی میرے لئے دعا کرنی ہے ضرور، میرے لئے تو چاند سے چہرے میرے دونوں بیٹے ہی ہیں اس لئے مجھے تو چاند دیکھ کر وہی یاد آتے ہیں۔

۴۔ ایسا کوئی خاص واقعہ تو نہیں ہے، عید کے دن اپنی سب دوستوں سے بات کر لیتی ہوں، ساری بہنوں سے جو شادی ہو کے مختلف شہروں میں رہتی ہیں، امی، ابو سے بات کر لیتی ہوں اور ان سب پیاروں کی آواز سن کر، ان سے بات کر کے عید کی خوشیاں دوبالا ہو جاتی ہیں۔

۵۔ اس سوال نے مشکل میں ڈال دیا ہے کیونکہ میری تو بے شمار پسندیدہ مصنفات ہیں جن کے ساتھ میں عید کا دن گزارنا چاہوں گی کہ مجھے تو ہر لکھنے والے سے بے حد محبت ہے لیکن یہاں تو کسی ایک کا نام ہی لینا ہے تو اگر مجھے موقع ملے تو میں عید کا دن "عمیرہ احمد" اور "سباس گل" کے ساتھ گزاروں۔

۶۔ میرے لئے تو میرے سپنوں کے چاند میرے ہزبینڈ ہی ہیں جو کب سے سپنوں سے نکل کر مجسم حقیقت بنے میرے ساتھ ہیں، میں نے کہیں ایک جملہ پڑھا تھا جو کہ ان پر بالکل فٹ ہے۔

"کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں جو چاہے کتنے دور ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔"

اب اجازت دیں اس دعا کے ساتھ کہ یہ عید تمام مسلمانوں کے لئے خوشیوں کا پیغام لے کر آئے، (آمین)۔

سیمی کرن.............فیصل آباد

۱۔ کوئی خاص رسم و رواج تو نہیں عید کی بچوں کی شاپنگ، گر دوسری نندوں کو عیدیاں دے کر آنا بہن کو بھجوانا اور بس گھر کی تفصیلی صفائیاں انہی میں عید کی آمد سر پر آ کھڑی ہوتی ہے اور میں ہر دفعہ دعا کرتی ہوں کہ تیس روزے ہو جائیں کہ ایک تو اک روزہ اور مل جائے دوسرا میری تیاری نامکمل ہوتی ہے۔

۲۔ عید پر بریانی، ٹرائفل اور دہی بڑوں کی فرمائش ہوتی ہے اور شیر خورما میں اپنے میکے کی یاد میں بناتی ہوں اب اتنی ساری چیزوں میں کس کی ترکیب لکھوں سمجھ نہیں آ رہا۔

۳۔ چاند بچپن کے فراغت کے زمانوں میں کبھی ڈھونڈنے پر نہیں ملا اور اب تو کبھی فرصت ملی ہی نہیں کہ چاند ڈھونڈا جائے۔

۴۔ عید پر بہن بھائیوں، مہربانوں عزیزوں کی فون کالز اور میسجز کا انتظار ہوتا ہے اور وہ عید کی خوشیوں میں اضافہ کرتے ہیں، خوشگوار تو نہیں مگر پچھلی عید میاں کی آنکھ میں ہونے والے شدید زخم کی نظر ہو گئی اور جب وہ کافی دن بعد سنبھلے تو ازالہ یوں کیا کہ مجھے اور بچوں کو مری لے گئے، وہ عیدیں یاد آتی ہیں جب ماں باپ کا سایہ ساتھ تھا۔

۵۔ مجھے تو بہت سے مصنفین پسند ہیں اک طویل قطار ہے اور بہت بڑے نامور لوگ ہیں جیسے بانو قدسیہ، مستنصر حسین تارڑ، علامہ ضیاء حسین ضیاء، ممتاز مفتی اور بہت سے معتبر نام، آپ اتنے معتبر لوگ کہاں مجھے مہمان کریں گے۔

۶۔ میرے خوابوں میں بھی کوئی سپنوں کا چاند نہیں تھا، میرے خواب بڑے انوکھے اور ندرت لئے ہوئے تھے اور ان زمانوں میں اکثر ایک شعر پڑھا کرتی تھی۔

میری پسند تو مجھ کو کرے گا کیا
مجھے تو بس اک خدا اور چاہیے

پڑھتے پڑھتے شادی ہو گئی اور میاں سے ہی دل لگا لیا۔

سباس گل.............رحیم یار خان

سب سے پہلے تو حنا کے تمام قارئین کو ایڈیٹرز اور رائٹرز کو عید الفطر بہت بہت مبارک ہو، ہماری دعا ہے کہ آپ کے لئے یہ عید حقیقی خوشیاں لے کر آئے آمین۔

۱۔ رہا سوال یہ کہ ہم عید کیسے مناتے ہیں؟ تو جناب عید ہم سب گھر والوں کے ہمراہ پورے دل سے مناتے ہیں، رسم اور روایت یہ ہے کہ جب بھائی، ابو نماز عید پڑھ کر گھر آتے ہیں تو کھجور اور شیر خورمہ سے ہم سب مل کر ناشتہ کرتے ہیں، دیگر لوازمات جیسے

مٹھائی، پیزا، سموسے، دہی بھلے، کیک، پھل، چائے وغیرہ بھی ہوتے ہیں مگر شیر خورمہ عیدالفطر کے دن کی خاص روایتی ڈش ہے جو ہمیشہ ہمارے گھر بنائی اور بڑے شوق سے کھائی جاتی ہے، بھئی جسے جسے کھانا ہے ہمارے ہاتھ کا بنا شیر خورمہ وہ عید کے دن ہمارے گھر تشریف لے آئے اور ہاں خالی ہاتھ مت آیئے گا، بھئی اخلاقاً آپ ہمیں عیدی بھی تو دیں گے ناں کسی خوبصورت تحفے کی صورت میں تو بس وہ تحفہ ضرور ہمراہ لائیے گا۔

۲۔ عید کا خاص پکوان؟ ارے بھئی ہم کچھ بھی پکا لیں وہ خاص ہو ہی جاتا ہے، بس بھئی غرور نہیں کیا اللہ نے ذائقہ ہی اتنا رکھا ہے ہمارے ہتھلی ہاتھوں میں کے کھانے والے انگلیاں چاٹتے رہ جاتے ہیں، ہماری نہیں بھئی، اپنی...... یوں تو ہم عید کے دن چکن قورمہ، پلاؤ وغیرہ بناتے ہیں لیکن کباب کی فرمائش اکثر ہوتی ہے بس جی...... کسی کو جلنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں، جل کر کباب ہونے کی بجائے کھل کر گلاب ہو جایئے اور سپاس گل کے ہاتھوں سے بنے شامی کباب، ایرانی کباب، چکن کباب، کھایئے اور واہ واہ کرتے جایئے اور چٹخارے لیجئے کبابوں کے ساتھ املی، پودینے کی چٹنی کے آہاہ مزا آ جائے گا۔

اور ہاں اتنے سارے کباب کھا کر آپ ایسے ہی تو نہیں جانے والے، جیب ہلکی کیجئے تا کہ ہماری جیب گرم ہو سکے، ترکیب لکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی آپ سب کا پیٹ تو ہم نے ویسے ہی بھر دیا ہے، کیوں درست کہا نا ہم نے؟

۳۔
چاند کو دیکھ کر کتنی دعائیں یاد آتی ہیں
جو نازل ہوئیں ہم پر عطائیں یاد آتی ہیں
کوئی چہرہ جو ہو چاند سا بھلانا ہی نہیں ممکن
اسے اپنی دعاؤں سے مٹانا ہی نہیں ممکن
وہ چہرہ چاند جیسا ہے اور اک معصوم دعا کی صورت ہے
میرے ابو، میری امی، کی صورت ہے
میرے بھائیوں، میری بہنوں کی معصوم صورت ہے
ندا، عامر، کرن، سندس کے چہرے چاند جیسے ہیں
یہی میری دعائیں ہیں، یہ جو رب کی عطائیں ہیں
میرے مسکن، میرے آنگن کے یہ سب
چاند چہرے ہیں
جو ہر پل، ہر گھڑی مجھ کو
دعا میں یاد رہتے ہیں

۴۔ جناب عید کا دن تو ہوتا ہی خوشگوار ہے اگر سمجھا جائے تو ورنہ سوگوار بنانے میں دیر کتنی لگتی ہے، خوشگوار واقعہ بہت پرانا یاد آ رہا ہے ہمارے چھوٹے بھائی صاحب عید کے دن سب کے لئے گفٹس لائے سب نے اپنے گفٹس کھول کر دیکھے سب کی پسند کی اشیاء تھیں لہٰذا سبھی گفٹس لے کر خوش ہو رہے تھے بھائی کو شکریہ کہہ رہے تھے اور جب ہمارے گفٹ کی باری آئی تو انہوں نے ایک خوبصورت سا ڈبہ ہمیں دے دیا اور کہا کے کھول کر دیکھیں، سب کہنے لگے تم ہمیں بھی اپنا گفٹ دکھاؤ۔

تو صاحب ہم نے اس خوبصورت گفٹ پیک یعنی ڈبے کا ربن کھولا، ڈبہ کھولا تو ہمارا گفٹ ہمیں دیکھتے ہی بولا۔

''میاؤں''

جیسے کہہ رہا ہو کہ میں ہوں اور یہ جا وہ جا، بلی کا خوبصورت بچہ کود کر ڈبے سے باہر نکلا تو سب کی پہلے تو چیخیں نکلیں پھر ہنسی، ہم نے بھائی سے پوچھا، یہ کیسا گفٹ تھا بھائی، بھائی نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا، آپ کو بلیاں پسند ہیں ناں تو آپ کی پسند کا گفٹ ہی تو دیا ہے۔

۵۔ ہم پسندیدہ مصنفہ اور دوست اُم مریم، پرخلوص آپی شمیم ناز صدیقی اور ون اینڈ اونلی پیاری پرخلوص اور شفیق آپی، فریدہ جاوید فری کے ساتھ اپنا دن گزارنا پسند کریں گے اور اگر سویٹ آپی شگفتہ شفیق بھی ہمیں جوائن کر لیں تو محفل کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

۶۔ اپنے سپنوں کے چاند کے لئے خوبصورت جملہ۔

''در فٹے منہ تیرا''

آ...... آہم...... ہمارا مطلب ہے کہ سپنوں کا چاند نجانے کس دیس میں کہاں ہے، ہے بھی کے نہیں ہے، تو بھلا سپنوں میں کیسے نظر آئے گا؟ رات کو سپنوں میں چاند نظر نہیں آتا اور دن میں تو تارے ہی نظر آنے لگتے ہیں ایسی کسی کوشش میں۔

اور رہی بات شعر کی تو بھئی شیر تو اب نہ سرکس کا اچھا لگتا ہے اور نہ ہی جنگل کا، شیر کا شکاری مل جائے تو۔

چلیں خیر ہے، شیر کی دھاڑ اور اکھاڑ پچھاڑ سہہ لیں گے جب تک ہے دم، تو ہمارے پیارے قارئین ہمیں اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیئے گا آپ سب کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں اور جاتے جاتے ہم آپ کو شعر بھی سنا ہی دیتے ہیں داد ہمارے گھر تک ہماری سماعتوں تک پہنچنی چاہیے۔

ہنستے گاتے عید مبارک کہتے ہیں
افق پہ دیکھو چاند ستارے رہتے ہیں
ہر چہرے پر چاند خوشی کا اترے گا
مجھ کو میری دعا کے تارے کہتے ہیں

مبشرہ ناز...... کراچی

سب سے پہلے تو السلام علیکم اور تمام قارئین کو میری طرف سے رمضان المبارک بہت بہت مبارک ہو، فوزیہ آپی اور حنا اسٹاف کی محبتوں کی میں بہت ممنون ہوں کہ اتنی غیر حاضری کے باوجود عید سروے کے لئے آپ نے مجھ ناچیز کو یاد رکھا۔

۱۔ عید کی صبح نماز عید ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے تو دوستوں اور عزیز و اقارب کو میسج کرتی ہوں، ناشتے کے بعد عید ملنے آنے والے عزیز و اقارب اور دوستوں کے ساتھ عید کی مبارکباد دیں اور ان کے لئے کیے جانے والے اہتمام کی تیاری ہوتی رہتی ہے، دوپہر میں فراغت کے بعد میں رمضان المبارک میں آنے والے تمام ڈائجسٹوں کو مطالعہ کرتی ہوں جو رمضان المبارک کی وجہ سے الماری میں رکھ دیئے جاتے ہیں، پھر شام میں باہر جا کر آئس کریم کھانے کا پروگرام بن جاتا ہے یا پھر رات کا ڈنر تو بھائی سے بطور خاص فرمائش کر کے ہم اپنی پسندیدہ ریسٹورنٹ میں کھاتے ہیں اس طرح عید کا دن ہنستے مسکراتے، فرمائش کرتے گزر جاتا ہے۔

۲۔ عید الفطر میں یوں تو دستر خوان کی سجاوٹ کے لئے بہت سی چیزیں بنتی ہیں لیکن اگر ہمارے ہاں ناشتے اور کھانے میں کچری کا قیمہ دستر خوان کی زینت نہ بنے تو ہمارے ہاں کسی کو عید کا دن ہی نہیں لگتا، قیمہ کی یہ

ڈش ہم دہلی والوں کی خاص الخاص ہے جس کے بغیر ہمیں دستر خوان ادھورا لگتا ہے اور کچری کا قیمہ ہم دہلی برادری کے ہر گھر کے ہر دستر خوان پر عید والے دن ضرور نظر آئے گا، ترکیب حاضر خدمت ہے۔

کچری قیمہ

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
کٹی ہوئی سرخ مرچ	دو چائے کے چمچ
لہسن ادرک کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پپیتا، پسا ہوا	ایک پاؤ
گرم مصالحہ پسا ہوا	دو چائے کے چمچ
کوئلہ	ایک درمیانے سائز کا

ترکیب

قیمہ میں تمام اشیاء ملا کر تین سے چار گھنٹے رکھ دیں اس کے بعد ایک کوئلہ سلگا لیں اور قیمہ کے درمیان میں ایک چھوٹا سا گڑھا بنا دیں اسمیں ایک ڈش کا چمچہ گھی ڈال کر سلگا ہوا کوئلہ پتیلی میں رکھ کر فوراً ڈھک دیں (یہ احتیاط رہے کہ بھاپ بالکل نہ نکلے) پندرہ منٹ بعد ڈھکن کھول کر کوئلہ نکال دیں اور دھیمی آنچ پر قیمہ پکنے رکھ دیں، ایک گھنٹے بعد وہ تیار ہو جائے گا، باؤل میں نکال کر ہرے مصالحے کے ساتھ سرو کریں اسے آپ سلائس پراٹھے، عید کی خاص کچوریوں کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں۔

۳۔ چاند دیکھ کر صرف ایک ہی دعا یاد آتی ہے۔

''اے اللہ اس چاند کی برکت اور روشنی سے عالم اسلام کو منور فرما دے۔''

۴۔ جی ہاں ایسی بے شمار عیدیں ہیں جن کی یاد چہروں پہ مسکراہٹ بکھیر دیتی ہے، ایسی ہی عید آج سے چار سال قبل ہماری نانو کے گھر پہ اتری تھی جس کی یاد آج بھی لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دیتی ہے، روایت کے مطابق ہم سب نانوں کے گھر چاند رات کا سلام کرنے اور چاند کی مبارک باد دینے گئے تو وہاں پہلے سے ہی تمام خالائیں موجود تھیں، خالاؤں اور ڈھیر ساری کزنز کے ساتھ چاند رات پر ہی عید کا گمان ہو رہا تھا جبھی نانو کے موبائل پہ ہمارے اکلوتے ماموں کی کال آ گئی، ایک تو اچانک ماموں کے چاند رات پہ کال کرنے کی خوشی اور اس پر ماموں نے یہ خوشخبری سنا دی میں سامان لے کر باہر کھڑا ہوں اوپر سے کسی کو سامان اٹھوانے کے لئے باہر بھیجو، اس خبر پر جہاں نانی، امی اور خالائیں خوشی سے نہال ہوئیں ہم کزنز کی خوشی سے چیخیں نکل گئیں کیوں کہ ماموں کاروبار کے سلسلے میں پچھلے پانچ سالوں سے شارجہ میں مقیم تھے اور پانچ سال بعد ان کی یہ واپسی ہم سب کے لئے خوشیوں کے خزانے سے کم نہ تھی اور پھر وہ چاند رات اور عید کا دن ہم نے ہنستے مسکراتے اور کام کرتے گزارا یوں لگتا تھا نانو کے گھر خوشیوں رحمتوں اور برکتوں کی بارش برسنے لگی ہے اس عید کی یاد آج بھی خوشی سے سرشار کر دیتی ہے۔

۵۔ عید کا دن جس سیاسی شخصیت کے ساتھ گزارنے کی خواہش ہے وہ ہے ڈاکٹر عبد القدیر خان کی، یہی وہ واحد شخصیت ہیں جن سے انسان ملنے کی خواہش کر سکتا ہے ورنہ آج کل کے حکمرانوں سے تو اللہ پاک محفوظ رکھے اور اپنی موسٹ فیورٹ رائٹر عمیرہ احمد کے ساتھ گزاروں گی اگر موقع ملا تو۔

۶۔ اس سوال کا جواب تو قبل از وقت دینا تو بہت مشکل ہے اس لئے معذرت۔

عابی ناز..........................گوجرانوالہ

مائی سویٹ، گڈ اینڈ ڈیئر سٹاف آف حنا اسپیشلی فوزیہ آپی، السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

جناب آپ کے سوالات کے جوابات کچھ یوں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ہماری عید تو بے حد مصروف انداز میں گزر جاتی ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا عید شروع کہاں سے ہوئی اور ختم کہاں ہو گئی، عید کے روز نہایت سستی اور نقاہت کے باوجود صبح سویرے جاگنا پڑتا ہے، سستی اور نقاہت چاند رات کو پوری پوری رات جاگنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

صبح ہمارے جاگنے سے پہلے ہی ہمارے بابا جانی خوب مزیدار اور پکوڑے بنا چکے ہوتے ہیں عید کے دن کا آغاز ہم انہی پکوڑوں سے کرتے ہیں، جیسے جیسے لذیذ پکوڑے حلق سے اندر اترتے ہیں ہماری بند آنکھیں کھلتی چلی جاتی ہیں پھر جو کام شروع ہوتے ہیں تو ہماری تو (پھرکیاں) ہی گھوم جاتی ہیں، پہلے سارے گھر والوں کے استری شدہ کپڑے پھر سے ایک بار ترتیب دیئے جاتے ہیں بہن کے ساتھ مل کر گھر بھر کی صفائی نمٹائی جاتی ہے، کھانے کے لئے اور محلے میں بانٹنے کے لئے کوئی بھی سویٹ ڈش بنائی جاتی ہے (چونکہ میری امی جان نہیں ہیں چنانچہ یہ سب کام ہمارے ہی ذمے ہیں) اس دوران سب گھر والے اپنے نئے ملبوسات زیب تن کر چکے ہوتے ہیں اور نماز عید کی ادائیگی کے لئے باری باری عید گاہ روانہ بھی ہو جاتے ہیں، ایسے میں بھاگم بھاگ ہم بھی اپنے کپڑے الٹے سیدھے پہن کر (اور کئی بار تو خالی عبایا ہی اوڑھ کر انہیں کپڑوں سمیت) بڑی آپی ناظرہ کی ''جلدی کرو، جلدی کرو، دیر ہو گئی تو نماز رہ جائے گی میں تو جا رہی ہوں'' کی رٹ سنتے ہوئے عید گاہ بھاگ جاتے ہیں، عید گاہ سے واپسی پر قبرستان میں امی جان اور بھائی کی آخری آرام گاہوں پر حاضری لازمی ہے، اس کے بغیر ہماری عید نہیں ہوتی، وہاں سے نہایت افسردہ اور بوجھل دل کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہیں، بھابھیاں، بھائی، بہنیں اور ابو بھی ایک دوسرے کے گلے مل کر عید کی مبارکباد دیتے ہیں تو ماحول کی افسردگی کچھ کم ہوتی ہے۔

اس کے بعد پھر جو مہمانوں کا تانتا بندھتا ہے تو ایک بار پھر ہماری دوڑ شروع ہو جاتی ہے، اس دوران فون کی شامت مسلسل آئی رہتی ہے، کبھی آپی عذرہ کی کال تو کبھی دوسری آپی فاخرہ کی کال، کبھی کسی دوست کا فون تو کبھی کسی کزن کا، اس کے علاوہ چیٹ اور میسجنگ بھی جاری رہتی ہے (اگر میرا موڈ ٹھیک ہو تو)

دوپہر کی کوکنگ اور مہمانوں کی خاطر داری سے ذرا فرصت ملے تو ٹی وی دیکھ لیتے ہیں یا پھر کسی کے ہاں جانے کا پروگرام سیٹ کرتے ہیں، مگر اس سے پہلے کہ ہم کسی کے گھر جانے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں مہمان پھر سے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیتے ہیں اور یہ اتفاق ہی ہے شاید کہ ہم ہر عید پر کسی جگہ جانے کا پروگرام ضرور بناتے

ہیں مگر آج تک ایک بار بھی عید کے روز کہیں جا نہیں سکے، بھئی ہمارے اپنے گھر میں ہی ماشا اللہ اتنے مہمان ہوتے ہیں، کہ ہمیں کہیں جانے کی فرصت ہی نہیں ملتی، دونوں آپیوں کی آمد ہوتی ہے تو ہم پھر سے کچن میں گھس جاتے ہیں، کوکنگ کے دوران بھانجے، بھتیجے، چھوٹے بھائی اور کزنز مل کے ہمیں خوب خوب ستاتے ہیں اور رات بارہ ایک بجے تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، ارے ہاں ایک اہم ترین بات تو میں نے بتائی ہی نہیں کہ ہم اپنے بھائیوں سے عیدی کس وقت بٹورتے ہیں؟ بھئی سچ بتائیں تو ہمارے بھائی نہایت ہی شریف ہیں وہ ہمارے مانگے بغیر ہی ہماری عیدی ہماری ہتھیلی پر رکھ دیتے ہیں اور ہم تو ان سے بھی زیادہ شریف ہیں کہ ہم نے عیدی کے معاملے میں کبھی ان سے بحث نہیں کی وہ اپنی خوشی سے جتنی بھی دے دیں ہمیں منظور ہے۔

۲۔ عید کے روز بریانی اور سویٹ ڈش میں کیک بنانے کی زیادہ تر فرمائش کی جاتی ہے، اب بریانی کی ترکیب کیا لکھوں کہ وہ تو سبھی کو بنانی آتی ہے، باقی رہی بات کیک کی تو یہ راز بھی آپ کو بتا دوں کہ عید کے دن میں کیک گھر میں نہیں بناتی بلکہ بازار سے منگوا لیتی ہوں، ہاں لذیذہ کھیر کے پیکٹ منگوا کر دودھ میں مکس کرکے وہ ضرور گھر میں بناتی ہوں، کیونکہ ٹائم ہی اتنا سا ملتا ہے، (بھئی آخر میں نے اپنے لئے بھی تو کچھ وقت بچانا ہوتا ہے) گھر والے اگر ہمیں مصروف رکھتے ہیں تو ہم بھی بڑے چالاک ہیں کسی نہ کسی طرح اپنے سجنے سنورنے کے لئے وقت نکال ہی لیتے ہیں، آخر ہم نے بھی پورا رمضان روزے رکھے ہیں ہم بھی عید کی خوشیوں کے پورے پورے حقدار ہیں یار۔

۳۔ واہ کیا بات ہے بھئی یہ سوال تو خوب ہی کیا ہے آپ نے میں عید کے چاند کو ضرور دیکھتی ہوں چاہے وہ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ اور چاند کو دیکھ کر کوئی دعا یا کوئی چاند چہرہ تو یاد نہیں آتا ہاں البتہ ایک غزل ضرور دوہراتی ہوں، جو کچھ یوں ہے۔

اک چاند تنہا کھڑا رہا
تیرے آسماں سے ذرا پرے
تیرے ساتھ ساتھ سفر میں تھا
تیری منزلوں سے ذرا پرے
کبھی دل کی بات کبھی نہ تھی
جو کبھی تو وہ بھی دبی دبی
میرے لفظ پورے تو تھے
مگر تیری ساعتوں سے ذرا پرے
تو چلا جائے گا اب دوست مگر
دیکھ مڑ کے تو اک نظر
میری کشتیاں ہیں جلی ہوئی
تیرے ساحلوں سے ذرا پرے

۴۔ ایسا کوئی خوشگوار واقع فی الحال تو یاد نہیں آ رہا ہاں البتہ ایک بار عید کے دن چھوٹی آپی فاخرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو جب ہم سب یہاں اکٹھے تھے اور اس کی (فاخرہ کی) کمی شدت سے محسوس کر رہے تھے تو اس وقت بنا بتائے اچانک آ کر اس نے ہمیں جو سرپرائز دیا اس نے عید کی خوشیوں کو دوچند کر دیا تھا۔

۵۔ ہماری پسندیدہ اور فیورٹ ترین شخصیت تو ہمارے ابو جان ہیں ان کے بغیر عید تو کیا ہمارا کوئی دن بھی نہیں گزرتا، لیکن اگر بات کسی مصنفہ یا سیلبرٹی کی ہو تو میں عمیرہ احمد کو

بے حد پسند کرتی ہوں اور اپنی عید ان کے ساتھ گزارنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی، عمیرہ احمد میری فیورٹ ترین مصنفہ ہیں، ان کے بعد ماہا ملک فرحت اشتیاق اور راحت جبیں بھی پسند ہیں۔

۶۔ ویسے تو میرے سپنوں میں ایسا کوئی چاند آیا ہی نہیں لیکن پھر بھی آپ نے پوچھا ہے تو عرض کیے دیتی ہوں۔

ہم کو نگاہ پیار سے دیکھو گے کب صنم
اس انتظار میں کہیں مر ہی نہ جائیں ہم
پلکیں بچھائیں ہم وہاں جہاں رکھو قدم
تیرے انتظار میں کہیں مر ہی نہ جائیں ہم

ہاں یاد آیا میرے سپنے میں ایک چہرہ ایسا دیکھا ہے میں نے جسے آج تک حقیقت میں اپنے روبرو نہیں پایا، اس کا انتظار ہے مجھے، ایک گانا اس کے چہرے کے نام۔

اے اجنبی تو بھی کبھی آواز دے کہیں سے

سوالات کے جوابات اگر آپ کو پسند نہ آئے تو معذرت خواہ ہوں۔

عشاء بھٹی .... ڈیرہ غازی خان

۱۔ عید بالکل اسی طرح مناتی ہوں جیسے کہ سب لوگ مناتے ہیں، ہاں البتہ ہمارے ننھیال والوں کی ایک روایت ہے جس کے بنا عید مجھے ادھوری ادھوری سی لگتی ہے، وہ یہ ہے کہ عید کے پہلے روز تمام رشتے دار ایک جگہ یعنی نانا ابا کے ہاں جمع ہوتے ہیں اور خوب محفل جمتی ہے، دنیا بھر کے ہر موضوع اور چٹکلوں پر اختتام پذیر ہوتی ہے، ویسے میں چاند رات کو ہی گھر والوں کو کنگال کرکے خوب شاپنگ کرتی ہوں خاص طور پر مہندی اور چوڑیاں خریدتی ہوں اگر یہ نا ہوں تو ان کے بغیر عید نامکمل سی لگتی ہے۔

۲۔ ویسے تو عید کے ایک دن پہلے ہی کچن سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیتی ہوں جو کوئی بھی خاطر میں نہیں لاتے بلکہ جھٹ فرمائش کر دیتے ہیں، (بھئی عید والے دن بن سنور کر انجوائے کرنا چاہیے نا کہ کچن میں گھس جائیں) اس لئے سب کی فرمائش موڈ آف کر دیتی ہے۔

ناچاہتے ہوئے بھی بڑبڑاتے ہوئے کچن میں جاتی ہوں اور جت جاتی ہوں پھر کام کرتے ہوئے موڈ بحال ہو جاتا ہے، (ظاہر ہے تعریفیں جو وصولنی ہوتی ہیں) چونکہ پورا رمضان خاصا چٹ پٹا گزرتا ہے اس لئے شیر خورمے کے علاوہ بھی سب میٹھے کی فرمائش کرتے ہیں میرے ہاتھ کی رس ملائی خاص طور پر بنواتے ہیں جس کی ترکیب حاضر خدمت ہے۔

رس ملائی

اشیاء

ملک پاؤڈر	ایک پیالی
انڈہ	ایک عدد
بیکنگ پاؤڈر	چائے کا ایک چمچ
گھی	کھانے کا ایک چمچ
دودھ	ایک لیٹر
سبز الائچی پسی ہوئی	چائے کا ایک چمچ
چینی	تین چوتھائی پیالی
ثابت سبز الائچی	چار عدد
کیوڑہ	چائے کا ایک چمچ

بادام اور پستہ حسب ضرورت کاٹ لیں اوپر ڈالنے کے لئے

ترکیب

سب سے پہلے ملک پاؤڈر میں انڈہ، بیکنگ پاؤڈر، گھی اور سبز الائچی پسی ہوئی آدھا چمچ

ملا کر گوندھ لیں، بیضوی شکل کی رس ملائی بنا
کر ایک طرف رکھ دیں، اب دودھ ابال کر
اس میں چینی ملائیں اتنا پکائیں کہ چینی اچھی
طرح گھل جائے، پھر اس میں ثابت سبز
الائچی بھی ڈال دیں جب دودھ کی مقدار
پکنے کے بعد آدھی رہ جائے تو تیار شدہ رس
ملائیاں دودھ میں ڈال کر مزید آٹھ منٹ
تک دودھ پکائیں۔

خیال رہے آنچ دھیمی ہونی چاہیے اسی
دوران پتیلی کو ایک دو بار کپڑے کی مدد سے
ہلاتی رہیں تاکہ دودھ پیندے میں لگنے نہ
پائے، جب رس ملائیوں کا سائز دوگنا ہو
جائے تو تب پتیلی کو چولہے سے ہٹا کر اس
میں کیوڑہ، بادام پستہ اور بقیہ پسی ہوئی
الائچی ڈال دیں ٹھنڈا ہونے پر کھانے کے
لئے پیش کریں اور مجھے ڈھیر ساری دعائیں
دیں۔

۳۔ چاند کو دیکھ کر ہمیشہ اپنے وطن کے لئے امن و
امان اور سلامتی کی ہی دعا نکلتی ہے، چاند سا
چہرہ یاد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی
کیونکہ وہ چہرہ میرا اپنا جو ہے۔

۴۔ ویسے تو بہت خوشگوار واقعے ہیں، مگر یہ واقع
آج بھی سب کزنز یاد دلا کر چھیڑتی ہیں،
پچھلی عید پر میں نے جلدی بازی میں الٹے
کپڑے پہن لئے تھے تمام کزنز خوب ہنسی
اور مذاق اڑاتا اور میں نے خفت سے کہا تھا
بندے سے غلطی ہو ہی جاتی ہے پھر سب
نے یہی جملہ کسا تھا۔

"ڈیئر کزن بندے سے غلطی ہو بندے کی
بیٹی سے نہیں" (لو بھلا یہ کیا بات ہوئی) فون
اور میسج کا تو بس انتظار ہی رہتا ہے، تمام
فرینڈ گھر آجاتی ہیں یا پھر میں چلی جاتی ہوں
کیونکہ ہم پہلے ہی سیر سپاٹوں کا پلان طے کر
لیتی ہیں (چھتری چھانٹ جو ٹھہری) اس لئے
فون یا میسج کرنے کی نوبت نہیں آتی۔

۵۔ ویسے تو ان گنت مصنفین اور شخصیت ہیں اگر
موقع دیا جائے تو عمیرہ احمد اور شاہد آفریدی
کے ساتھ گزارنا چاہوں گی عید کا دن، کیونکہ
ان لوگوں سے مجھے بے پناہ محبت ہے۔

۶۔ ہائے میرے سپنوں کا چاند نجانے کہاں ہوگا
شعر۔

صبح عید اتری میرے آنگن میں
بکھر رہی ہو تیری یادوں کی خوشبو جیسے
جس نے بھی کہا عید مبارک مجھ کو
ہر چہرہ مجھے ہر بار لگا کہ تو ہو جیسے

ساجدہ تاج.............. سرگودھا

سب سے پہلے تو اپنے تمام پڑھنے والوں کو
میرا بہت بہت سلام اور رمضان کے
بابرکت مہینے کی مبارکباد قبول ہو، اللہ تبارک
وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اور آپ
سب کو اس بابرکت مہینے کی برکتیں اور رحمتیں
لوٹنے کی توفیق، ہمت حوصلہ اور صحت کا صلہ
عطا فرمائے اب چلتے ہیں اپنے سوالنامے کی
جانب جو فوزیہ شفیق کی بھرپور محبت لگن اور
بہت زیادہ محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱۔ عید کیسے مناتی ہوں تو جناب عید کی صبح کا
آغاز اپنے عزیز از جان مجازی خدا کی
خوبصورت محبت بھری آواز سن کر ہوتا ہے عید
کی نماز ادا کرنے کے بعد سویاں بناتی ہوں
سب کے گھروں میں دینے دلانے اور گھر
کی صفائی کرنے تک موبائل پر عید مبارک
کے میسج بھی وصول کرتی رہتی ہوں، اس کے
بعد اپنی دونوں نٹ کھٹ بیٹیوں اریبہ
شفقت اور ایمان شفقت کو تیار کرتی ہوں یہ
دونوں میری جان اور میری کل کائنات ہیں
اس لئے عید کے دن میری تمام توجہ کا مرکز یہ
دونوں ہوتی ہیں پھر باقی کا تمام دن ملنے
ملانے اور عیدی کے لین دین کے تبادلے
میں گزر جاتا ہے، سوال کے دوسرے حصے
میں فوزیہ آپ نے پوچھا یہ کہ عید کی مناسبت
سے کوئی ایسی رسم یا روایات جس کے بغیر عید
آپ کو نامکمل لگتی ہو، تو جناب میں یہی کہوں
گی کہ روایات ہمارا بہت بڑا اثاثہ ہیں،
اپنے آج میں گزرے کل کو لے کر چلنا مجھے
بے حد پسند ہے اور انہیں لے کر چلنے میں
مجھے بے حد فخر محسوس ہوتا ہے عید کی مناسبت
سے عیدی دینے دلانے کی رسم، مہندی،
چوڑیاں، جدید تراش خراش کے لباس، گھر
کی آرائش وزیبائش اور مزے دار چٹ پٹے
پکوان یہ سب ہماری رسم وروایات ہی ہیں
جن کی تیاری میں رمضان کی ابتدائی عشرے
سے لے کر آخری عشرے تک ہم رات دن
کوشاں رہتے ہیں اور خاص طور پر اس
تیاری کا مزہ رمضان کے آخری عشرے میں
قابل دید ہوتا ہے، ہر چہرہ آسودہ اور مطمئن
نظر آتا ہے، بچوں کے خوشی سے کھنکتے قہقہے
اور معصوم قلقاریاں اس حسین موقع کو مزید
حسین بنا دیتی ہیں، رشتے دار اور دوست
احباب آپس کے گلے شکوے بھلائے ایک
دوسرے سے گلے ملتے ہیں اور یوں دلوں پر
پڑی بدگمانی کی گرد ان حسین لمحات میں دھل
جاتی ہے۔

۲۔ خاص پکوان جو میرے سسرال میں بے حد
پسند کیا جاتا ہے وہ ہے چکن کڑاہی اور چکن
بریانی اور آج میں آپ کو چکن بریانی کی
ترکیب بتاتی ہوں جسے کھانے کے بعد میری
طرح آپ بھی اپنے اپنے شوہروں کے
معدے سے ہو کر دل میں اتر جائیں گے اور
سسرال میں ہر دلعزیز شخصیت بن جائیں
گی۔

چکن بریانی

اشیاء

چکن	ایک کلو
دہی	آدھا کلو
چاول	ایک کلو
پیاز	چار عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
تیل	دو کپ
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ٹماٹر	چار عدد
کٹی سبز مرچ	آٹھ عدد
نمک	حسب ضرورت
املی کا پیسٹ	آدھا کپ
نیشنل بریانی مصالحہ	ایک پیکٹ
زردے کا رنگ	آدھی چمچی

ترکیب

پیاز براؤن کر کے اس میں ٹماٹر ڈال دیں
اور اچھی طرح بھونیں، پھر گوشت دھو کر اس
میں ڈال دیں جب گوشت کا پانی بالکل
خشک ہو جائے تو ادرک لہسن کا پیسٹ ہری
مرچ، املی کا پیسٹ، سرخ مرچ پاؤڈر،
نمک، دہی اور نیشنل بریانی مصالحہ ڈال دیں
جب دہی کا تمام پانی خشک ہو جائے تو اچھی
طرح گوشت کو بھون لیں، دوسرے چولہے
پر چاول ایک کنی ابال لیں پھر کسی بڑی دیگچی
میں پہلے گوشت اور پھر چاول کی تہہ لگائیں
آخر میں لگائی گئی چاولوں کی تہہ پر پودینے
اور سبز دھنیے کے چند پتے اور زردے کا رنگ

ڈال دیں اور دم پر رکھ دیں، مزیدار چکن بریانی تیار ہے۔

۳۔
تارے اترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو
چاند رات کی مہندی کنگن سے کہتی ہے
تم بھی اک پیغام لکھو ناں ساجن کو

آپ نے پوچھا کہ چاند دیکھ کر کوئی دعا یاد آتی ہے یا چاند سا چہرہ تو جناب عید کا چاند ہو یا روزمرہ کا مجھے اس چاند میں اپنے سپنوں کا شہزادہ یعنی انے مجازی خدا کا چاند سا چہرہ نظر آتا ہے (بس عید کے چاند میں کچھ زیادہ ہی واضح نظر آتا ہے) اور ہر سال میں اس چاند کو دیکھ کر یہی دعا کرتی ہوں کہ اے رب العزت میرے چاند کو ہمیشہ کے لئے میرے پاس بھیج دے آمین۔

۴۔ مجھے آج بھی وہ عید یاد ہے جب سسرال میں میری پہلی عید تھی، چونکہ میاں جانی دوبئی ہوتے ہیں اس لئے میں بہت اداس اور مضمحل تھی دراصل میرا ننھیال ہی میرا سسرال ہے، چاندرات کو اداسی کا یہ عالم تھا کہ میں بہت چپ تھی اور میری یہی خاموشی ماموں جی (سسر) نے محسوس کر لی تھی تب ہی انہوں نے امی وغیرہ کا نمبر ڈائل کر لیا، کافی دیر امی اور بہنوں سے بات کر کے میں کافی حد تک فریش ہو گئی تھی، مزید فریش اگلے دن میاں جانی کی آمد نے کر دیا تھا، میں اپنی زندگی میں آنے والی وہ خوبصورت عید کبھی نہیں بھول سکتی آٹھ ماہ کی طویل جدائی کے بعد ہمارا ملن ہوا تھا، وہ میرے لئے ڈھیر ساری شاپنگ کر کے آئے تھے، میں نے اس دن اپنا ڈیزائن کیا ہوا ڈریس پہنا تھا، میچنگ کی جیولری اور چوڑیاں سب کچھ بہت پیارا تھا، پھر میری عزیز ترین ہستی کے قربت نے اس ماحول اور عید کو بے حد خوبصورت اور خوشگوار بنا ڈالا تھا ہر چیز بہت خوبصورت اور پر رونق لگ رہی تھی، میرے اردگرد محبت کی گھنٹیاں سی بج رہی تھیں، قوس قزح کے تمام رنگ مجھے اپنے چہرے پر اترتے محسوس ہوئے تھے، وہ عید میری زندگی کی سب سے یادگار عید تھی، آج بھی اس کی یاد مجھے نئے سرے سے مسرور کر دیتی ہے۔

۵۔ میری شدید خواہش ہے کہ ہم تمام مصنفین اپنی اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر ایک عید حنا کے سٹاف کے ساتھ منائیں، حنا میں لکھنے والی ہم سب رائٹرز بہنیں اپنے لفظوں اور تحریروں جملوں کی بدولت ایک دوسرے سے واقف ضرور ہیں مگر مصروفیت اور فاصلے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کر سکتیں، ہم نہیں جانتے کہ خوبصورت اور من کو چھو لینے والی تحریروں کو لکھنے والے دل اور شخصیت کتنی خوبصورت ہیں، فوزیہ شفیق کی آواز کی مٹھاس کو سن کر محسوس کر کے بڑی شدت سے خواہش ابھرتی ہے کہ اتنی خوبصورت اور محبت بھری آواز کی مالک وہ خود کیسی ہوں گی، بس یہ تمام سوچیں دل میں خواہش کی صورت انگڑائی لے کر بیدار ہوتی ہیں کہ ایک عید ہم حنا کے ساتھ گزاریں جہاں ہم سب رائٹرز ایک فیملی ممبر کی طرح عیدی کی صورت ایک دوسرے کو اپنی بھرپور محبتوں سے نوازیں اور شام کو جب ہم اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹیں تو اپنے دامن دل میں بے شمار محبتیں اور چاہتیں سمیٹے ہوئے ہوں (سن لیں فوزیہ جی ایسے مواقع پیدا کرنے کی کوشش ضرور کیجئے آنے والے سال ایک عید حنا کے نام ہونی چاہیے، اس لئے اگلی عید پر آپ کی جانب سے آنے والے دعوت نامے کا بہت شدت سے انتظار رہے گا۔

۶۔ میں اس ذات پاک کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ اس نے مجھے شفقت علی جیسے پیارے انسان کی زندگی میں شامل کیا، جس کی بے شمار محبتوں، چاہتوں، اعتماد اور اعتبار نے میری زندگی کو گل و گلزار کر دیا ہے، میرے وجود میں ہر آتی جاتی سانس ان کی زندگی اور خیریت کی دعا کرتی ہے، اللہ پاک انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے، قارئین کرام میاں بیوی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جس کی بنیاد سچائی، اعتماد اور اعتبار پر اگر آپ رکھیں گے تو دیکھیے گا کہ یہ عمارت کتنی مضبوط اور مستحکم ثابت ہو گی کہ پھر اسے معاشرے میں چلتی بے ایمانی، بے راہ روی، جھوٹ، فریب اور الزام جیسی آندھی اور طوفان بھی گرانے میں کامیاب نہ ہو پائیں گے آزمائش شرط ہے۔

آخر میں اپنے محبوب شوہر کے لئے ایک قطعہ ضرور لکھوں گی۔

ہمیں تو روک رہے ہو تم اس کی پوجا سے
اسے کیوں نہیں کہتے کہ وہ دیوتا نہ لگے
جیسا باہر سے ہے ویسا اندر سے بھی ہو
ایسا انسان نہیں ملتا مجھے انسانوں میں

آخر میں میری جانب سے ادارہ حنا کے تمام ممبران خصوصاً طاہر بھائی اور فوزیہ شفیق کو ایڈوانس میں دلی عید مبارک قبول ہو، اللہ پاک سے دعا ہے کہ میرے ارض پاک کے ہر انسان کو اس عید کی بھرپور خوشیاں نصیب ہوں کہیں کسی کی آنکھ نم نہ ہو تو کہیں کوئی غم نہ ہو آمین۔

کنول ریاض.................منڈی بہاؤالدین

آپ سب کو بہت بہت عید مبارک ہو۔

۱۔ عید روایتی جوش و خروش سے ہی مناتی ہوں، اسی مخصوص گہما گہمی اور مصروفیت کے ساتھ جو تمام مسلمان گھرانوں میں یکساں ہے، عید کی تمام روایات ہی پیاری ہیں بالخصوص نماز عید اور ایک دوسرے کے گھر میٹھا بھجوانا اور مجھے ان دونوں روایات کے بغیر عید، عید نہیں لگتی عید کے ساتھ ان کا ہونا لازم ہے۔

۲۔ میں کچن میں بہت کم جاتی ہوں اور کچھ ایسا خاص بھی نہیں بناتی کہ جس کی فرمائش کی جائے سوائے اس کے کہ میرے بیٹا بیٹی ''نوڈلز'' کی فرمائش کرتے ہیں روزانہ اور بس (ہنسیں مت ہر کوئی سگھڑ نہیں ہوتا، کچھ میری طرح کے بھی ہوتے ہیں)۔

۳۔ چاند دیکھ کر تو ہمیشہ دعا ہی یاد آتی ہے اور چاند کی دعا کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں، پیاروں، دوستوں، رشتہ داروں، اور تمام امت مسلمہ کے لئے دعا کرتی ہوں۔

۴۔ جب FM98 کی پروڈیوسر حریم اعجاز نے فون کر کے کہا تھا کہ عید کے لئے ڈرامہ لکھ کر دو تو وہ دن اور پھر عید کے دن چلتے ڈرامے نے بے حد خوشی دی تھی اور بار بار اپنا ڈرامہ سنا تھا، اس بار لگا کہ عید کی خوشی دگنی ہو گئی ہے۔

۵۔ اس سوال کو پڑھتے باخدا ذہن میں صرف ایک ہی نام آیا تھا اور وہ ہے فوزیہ شفیق مجھے میرے لکھنے کے سفر نے اگر کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر فوزیہ شفیق کی پرخلوص اور بے ریا دوستی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے آگے سب کچھ بے معنی ہے، محبت، وفا، ایثار اور ہمدردی

کیجئے آنے والے سال ایک عید حنا کے نام ہونی چاہیے، اس لئے اگلی عید پر آپ کی جانب سے آنے والے دعوت نامے کا بہت شدت سے انتظار رہے گا۔

۶۔ میں اس ذات پاک کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ اس نے مجھے شفقت علی جیسے پیارے انسان کی زندگی میں شامل کیا، جس کی بے شمار محبتوں، چاہتوں، اعتماد اور اعتبار نے میری زندگی کو گل و گلزار کر دیا ہے، میرے وجود میں ہر آتی جاتی سانس ان کی زندگی اور خیریت کی دعا کرتی ہے، اللہ پاک انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے، قارئین کرام میاں بیوی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جس کی بنیاد سچائی، اعتماد اور اعتبار پر اگر آپ رکھیں گے تو دیکھیے گا کہ یہ عمارت کتنی مضبوط اور مستحکم ثابت ہوگی کہ پھر اسے معاشرے میں چلتی بے ایمانی، بے راہ روی، جھوٹ، فریب اور الزام جیسی آندھی اور طوفان بھی گرانے میں کامیاب نہ ہو پائیں گے آزمائش شرط ہے۔

آخر میں اپنے محبوب شوہر کے لئے ایک قطعہ ضرور لکھوں گی۔

ہمیں تو روک رہے ہو تم اس کی پوجا سے
اسے کیوں نہیں کہتے کہ وہ دیوتا نہ لگے
جیسا باہر سے ہے ویسا اندر سے بھی ہو
ایسا انسان نہیں ملتا مجھے انسانوں میں

آخر میں میری جانب سے ادارہ حنا کے تمام ممبران خصوصاً طاہر بھائی اور فوزیہ شفیق کو ایڈوانس میں دلی عید مبارک قبول ہو، اللہ پاک سے دعا ہے کہ میرے ارض پاک کے ہر انسان کو اس عید کی بھرپور خوشیاں نصیب ہوں کہیں کسی کی آنکھ نم نہ ہو تو کہیں کوئی غم نہ ہو آمین۔

کنول ریاض..................منڈی بہاؤالدین

آپ سب کو بہت بہت عید مبارک ہو۔

۱۔ عید روایتی جوش و خروش سے ہی مناتی ہوں، اسی مخصوص گہما گہمی اور معروفیت کے ساتھ جو تمام مسلمان گھرانوں میں یکساں ہے، عید کی تمام روایات ہی پیاری ہیں بالخصوص نماز عید اور ایک دوسرے کے گھر میٹھا بھجوانا اور مجھے ان دونوں روایات کے بغیر عید، عید نہیں لگتی عید کے ساتھ ان کا ہونا لازم ہے۔

۲۔ میں کچن میں بہت کم جاتی ہوں اور کچھ ایسا خاص بھی نہیں بناتی کہ جس کی فرمائش کی جائے سوائے اس کے کہ میرے بیٹا بیٹی ''نوڈلز'' کی فرمائش کرتے ہیں روزانہ اور بس (انہیں مت ہر کوئی سگھڑ نہیں ہوتا، کچھ میری طرح کے بھی ہوتے ہیں)۔

۳۔ چاند دیکھ کر تو ہمیشہ دعا ہی یاد آتی ہے اور چاند کی دعا کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں، پیاروں، دوستوں، رشتہ داروں، اور تمام امت مسلمہ کے لئے دعا کرتی ہوں۔

۴۔ جب FM98 کی پروڈیوسر حریم اعجاز نے فون کر کے کہا تھا کہ عید کے لئے ڈرامہ لکھ کر دو تو وہ دن اور پھر عید کے دن چلتے ڈرامے نے بے حد خوشی دی تھی اور بار بار اپنا ڈرامہ سنا تھا، اس بار لگا کہ عید کی خوشی دگنی ہو گئی ہے۔

۵۔ اس سوال کو پڑھتے باخدا ذہن میں صرف ایک ہی نام آیا تھا اور وہ ہے فوزیہ شفیق مجھے میرے لکھنے کے سفر نے اگر کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر فوزیہ شفیق کی پرخلوص اور بے ریا دوستی وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے آگے سب کچھ بے معنی ہے، محبت، وفا، ایثار اور ہمدردی کے جذبوں سے گندھی فوزیہ شفیق میرے لئے اک قیمتی سرمایہ ہے جسے میں کسی قیمت پہ کھونا نہیں چاہوں گی اور اگر واقعی اس بار ہماری عید پر ملاقات ہوگی تو وہ میری یادگار ترین عید ہوگی اور اگر ایسا نہ ہوا تو جس دن بھی ہماری باقاعدہ آمنے سامنے ملاقات ہوئی وہ دن بھی میں عید کے دنوں میں شامل کرلوں گی۔

۶۔

تو میری کس دعا کا حاصل ہو
مجھ سے یہ فیصلہ نہیں ہوتا

آپ نے خوبصورت جملے کی بات کی ہے تو وہ میرے پوائنٹ آف ویو سے دیکھ لیں۔

''کہ خدارا لاپرواہی چھوڑ دیں اس طرح ہماری زندگی مزید خوبصورت ہو جائے گی۔''

فوزیہ غزل..................شیخوپورہ

سب سے پہلے تو پیشگی عید مبارک آپ سب کو اور میری بعد خلوص دلی دعا ہے کہ اللہ پاک رمضان و عید کے اس بابرکت و پر سعادت موقع پر ہماری خطائیں، گناہ معاف کر کے ہمیں سچی خوشی و سکون سے نوازے اور تمام امت مسلم کو مسرتوں، کامیابیوں، امن سے سرفراز کرے آمین۔

۱۔ سچ کہوں تو گزشتہ کچھ سالوں سے عید بہت سادگی سے مناتی ہوں وجہ وطن عزیز کے جو حالات ہیں دن بہ دن بگاڑ کر طرف جاتے پشاور، سوات، شمالی علاقہ جات اور کراچی کی تکلیف وہ صورتحال جس نے ہر حساس ذہن کو خوف دہشت اور بے یقینی میں مبتلا کر رکھا ہے سب سے زیادہ غیر محفوظ انسانی جان ہے انسان ہی انسان کو مار رہے ہیں، اندھیرے، انتشار، امید نا امیدی، ایسے میں جب پرانا زخم ٹھنڈا نہ ہو نیا لگتا جائے تو خوشی سے کچھ بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا اور سوال کا دوسرا حصہ رسم و روایت سن کر ہے کہ عید الفطر کی ہر رسم خوشی، ایثار محبت پر مبنی ہے روزوں کی بہار و برکات صفائی و پاکیزگی، تزکیہ نفس کا خصوصی اہتمام، مہندی، چوڑیاں، عید لینا دینا خاص طور پر مستحقین کو فطرانہ کے ذریعے عید کی خوشی میں یاد رکھنا اور مجھے سب سے اچھی روایت یہی لگتی ہے کہ ہم غریب ضرورت مند اور محتاج لوگوں کو اپنے ساتھ شریک عید کرتے ہیں، نیکیاں کماتے ہیں خوشیاں بانٹتے ہیں اور یقیناً جزا پاتے ہیں۔

۲۔ چنا چاٹ، چکن پکوڑے، مزاعفہ، چکن رولز، بیک پارلر، سویاں یہ سب چیزیں خصوصی طور پر عید کے دو تین دن بنتی ہیں اور کم و بیش سبھی کے بنانے کا طریقہ ہر ایک کو معلوم ہے کھڑے مسالے کا گوشت، فرائیڈ فش پہلے روز خصوصی اہتمام سے بنوائی جاتے ہیں، البتہ ایک بہت فرمائشی پکوان جو میکے اور سسرال میں مجھ سے لازمی بنوایا جاتا ہے، اس کی ترکیب حاضر ہے آپ بھی تجربہ کر کے دیکھیے گا عید پہ۔

پوٹیٹو چکن کٹلس

اشیاء

مرغی کا گوشت دھو کر صاف کر لیں	ایک کلو
آلو ابال کر میش کیے ہوئے	آدھا کلو
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چمچ
لال مرچ	ایک چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سبز مرچ کش شدہ	چار عدد

سوچ کے اور دل لگا کر جواب دے سکتی ہیں اور دعا بلاتفریق دوست دشمن سب کے لئے کرتی ہوں ہاں یہ ہے کہ اندرونی حساسیت کے ہاتھوں الفاظ بدلتے یوں ہو گئے ہیں۔

میں نے دعا مانگی
زمین کی سلامتی کی
اس پر رزق کی فراوانی کی
درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی
ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی
لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے
میں نے دعا مانگی
زمین کی رہائی کی

۴۔ خوشگوار واقعہ کے لئے بہت پیچھے جانا پڑے گا اور جن سے طلب، محبت دوستی یا خون کا رشتہ جڑا ہو ہر اس اپنے کا فون میسج میری خوشی سکون اور مسکراہٹ میں اضافہ کرتا ہے ہاں گزشتہ عید پر نائیٹ ٹائم اپنی عزیز ہمدرد و دمساز دوست فوزیہ شفیق سے ہونے والی آدھ گھنٹہ گفتگو مجھے بہت مطمئن پر سکون اور خوش کر گئی تھی مجھے ایسا لگا تھا جیسے میرے سب رشتے چاہتیں، خواب، خوشیاں میرے اردگرد رقص کر رہی ہیں اور میں اپنے رب کی ہر عنایت و نعمت سے سرفراز خوش بہت خوش ہوں، (فوزیہ اسے کاشا نہیں)

۵۔ پسندیدہ شخصیت یار میں اپنے میاں کے سوا کسی کے ساتھ یہ دن نہیں گزار سکتی، ہاں ان کے ساتھ اپنی فیملی اپنے بھتیجوں کے ساتھ عید کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور مصنفہ میں چشم تصور سے ایسی تقریب میں خود کو دیکھ رہی ہوں یہاں میری ساری فیورٹ رائٹرز مدعو ہیں، میری سینئرز ہم عصر اور نئی مصنفات مجھے ہر ایک سے انسیت لگاؤ اور محبت ہے میں

ہرا دھنیا کٹا ہوا	کھانے کے دو چمچ
پیاز باریک پسی ہوئی	ایک عدد
انڈے	دو عدد
لہسن پیسٹ	ایک چمچ
لیمن رس	ایک چمچ
گھی یا کوکنگ آئل	ایک پیالی

ترکیب

ساس پین میں گوشت، بمعہ تمام مصالحہ جات نمک، لہسن، سیاہ مرچ ڈال کے ہلکی آنچ پر گلائیں (پانی نہیں ڈالنا) گوشت گل جائے تو ٹھنڈا کر کے ہڈیوں سے گودا اتار لیں اور میش شدہ آلو کے ساتھ بقیہ مصالحہ جات اچھی طرح مکس کر لیں، ایک پیالے میں انڈے پھینٹ کر ہلکا نمک اور سیاہ مرچ مکس کریں آلو اور گوشت کے مکسڈ آمیزے کے گول یا لمبے کباب بنا کر کسی ڈش میں رکھ لیں، فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور کباب کو پہلے انڈے پھر ڈبل روٹی کے چورے میں ڈپ کر کے تلتی جائیں سنہری ہو جانے پر نکال کر سرونگ ڈش میں رکھیں، کیچپ، سویا ساس، دہی رائتہ کے ساتھ کھائیں چاہیں تو روٹی، نان یا ابلے چاولوں کے ساتھ بھی سرو کر سکتی ہیں۔

۳۔ چاند دیکھ کر مجھے اپنی ماں یاد آتی ہے، اپنے ابو یاد آتے ہیں جنہوں نے پریشانیوں، انتشار اور نامساعد حالات کے باوجود اپنی اولاد اچھی تعلیم و تربیت، برے بھلے کا شعور و آگہی دی، وہ بھائی جو پردیس میں ہے شدت سے یاد آ کر رلا دیتا ہے اور چاند چہرہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے اگر چند سال پہلے یہ سوال پوچھتیں تو یقیناً کوئی رنگین دلکش بھرپور جواب ملتا، ویسے غیر شادی شدہ رائٹرز بہت

سب کو اپنی انتہائی گہری دوست مانتی ہوں اور میں چاہوں گی کہ بشریٰ رحمٰن بانو قدسیہ اور رفعت سراج سے ام مریم، سندس جبیں، مبشرہ ناز، مدیحہ تبسم، کنول ریاض، سمیت ہر مصنفہ کے ساتھ وقت گزاروں کیونکہ یہ سب رائٹرز روشنی بانٹتی ہیں، محبتیں تخلیق کرتی ہیں اور ایک پیاری سی قاری بہن عشاء بھٹی میں اسے ملنا چاہوں گی، مجھے اپنی ہر ساتھی عزیز ہے۔

محبتوں سے ہے دنیا کی روشنی قائم
میں اپنا پیار ہر انسان کے نام کرتی ہوں

۶۔

میرے ہم سفر تیری نذر ہیں میری عمر بھر کی دولتیں
میرے شعر، میری صداقتیں، میری دھڑکنیں، میری چاہتیں
یہ ردائے جاں تجھے سونپ دوں کہ نہ دھوپ تجھ کو کڑی لگے
تجھے دکھ نہ دیں میرے جیتے جی کسی مہر غم کی تمازتیں
تجھے جذب کر لوں روح میں کہ فراق کا نہ رہے خطر
تیری دھڑکنوں میں اتار دوں یہ خواب خواب رفاقتیں
میری صبح تیری صدا سے ہو میری شام تیری ضیاء سے ہو
یہی طرز پرسش دل رکھیں تیری خوشبوؤں کی سفارتیں
کوئی ایسی بزم بہار ہو میں جہاں یقین دلا سکوں
کہ تیرا ہی نام ہے فصل گل کہ تجھی سے ہیں یہ کرامتیں

خوبصورت جملہ۔

''اگر زندگی مجھے موقع و اختیار دے تو میرا انتخاب ہر بار آپ سے وابستہ رشتہ، چاہت اور محبت ہو گی میں ہر بار آپ کو ہی منتخب کروں گی۔''

باقی اگلے ماہ

وہ ستارہ صبح امید کا

فوزیہ غزل

ستائیسویں قسط کا خلاصہ

سوات کی خوبصورت وادیوں میں گھومتے وہاں کی دستکاری و تاریخی آثار، شاپنگ لوگوں کا رہن سہن دیکھتے ماریا کے تمام ساتھی واپس اسلام آباد روانہ ہوتے ہیں جبکہ ماریا اسلام سے متعلق ریسرچ اور شمالی علاقہ جات دیکھنے کی غرض سے ساتھ چلنے سے انکار کر دیتی ہے۔

اپنے گریز اور سعیہ کے احتجاج پہ شہریار پہل کرنے کا فیصلہ اسے دیتا ہے وہاج کی بہنوں کی شادی میں سعیہ کے ساتھ وہاج کا رویہ اسے الجھا دیتا ہے اریبہ کے لئے وہاج کا انداز جارحانہ، انکار، شدت پسند رویہ غیر متوقع تھا، وہ پچھتاوے تاسف، دکھ کے شدید ترین احساس میں گھری اپنی محبت، جذبات اور احساسات کا زیاں دیکھتی رہ جاتی ہے۔

ماریا سٹوڈنٹس ٹوئرز کے ساتھ گلگت روانہ ہوتی ہے تو آبی اور نشیبی علاقہ میں اللہ کا نام لے کر گاڑی گزارنے کا منظر اسے دنگ کر دیتا ہے تو فاطمہ اللہ یہ یقین کے سلسلے میں اسے قائل کرتی ہے۔

شہریار سعیہ کے گزشتہ رویے اور موجودہ صورتحال کا موازنہ کرتا ہے تو اس پہ یکدم سعیہ اور وہاج کا تعلق کھلتا ہے وہ اپنے آپ کو اضطراب و اذیت کی انتہا پہ پاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اٹھائیسویں قسط

میرے اس کے بیچ سفر میں
خواہشوں کا جنگل نہیں تھا
اس کی ننھی کونپل تھی
جو صدیوں میں طے نہیں ہوا
اس ایک سفر کی بات تھی
میرے اس کے بیچ سفر میں
محبت کا ایک لفظ بھی نہیں تھا
اور عشق کی ایک طویل داستان تھی
جو کسی کتاب میں لکھے نہیں گئے
ان لمحوں کی کہانی تھی
میرے اس کے بیچ سفر میں
لوگ کتنے ہزار آئے گھر کہیں نہیں آیا
میرے اس کے بیچ سفر میں
اک دن ابتداء کا تھا اور پھر بہت صدیوں بعد
ایک اور ویسا ہی تھا، وہ دن بھی ابتداء کا تھا۔

کیسا عجیب سفر تھا وہیں پہ آ کے رک گیا تھا یہاں سے شروع ہوا تھا، بنا چلے راستے ختم ہو گئے تھے، وہ مکمل طور پر شکست خوردہ دکھائی دے رہی تھی، قصور اس کا کہیں بھی نہیں تھا مگر حالات مخالف سمت چل پڑے تھے وہاج جو اسے بچپن سے جانتا اور سمجھتا تھا دل اور خون، خواب اور جذبات، محبت اور چاہت، محب اور محبوب کتنے مضبوط رشتے تھے اس کے ساتھ، اریبہ کی کڑوی کسیلی ہنس کر سہہ جانے والا وہاج جو اپنے اس کے بیچ تکلیف نہیں رکھتا تھا، منگیتر کزنز ہونے کے ساتھ وہ کتنے اچھے دوست رہے تھے۔

ہر موضوع پر گھنٹوں بات کیا کرتے تھے وہاج بلاشبہ خوش شکل اور اسمارٹ جوان تھا، لیکن اس کی انا خودداری، عادتیں خیالات پسند تھے اسے پھر وہ دیکھتی گئی کہ وقت حالات نے صرف خیالات نہیں اقدار، رشتے، ترجیحات بہت کچھ بدل دیا تھا اور سب بدلنے کے باوجود اریبہ کے خوش فہم دل نے کچھ نہ کچھ گنجائش رکھی تھی مگر وہاج خالہ کے رویے ان کی آنکھوں میں اپنے لئے کیسی نفرت اور زہر دیکھا تھا کہ صفائی کے سب الفاظ بھول گئے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا اسے پتا تھا اسکی بریت بھی کردار پہ لگے دھبے کو نہیں دھو سکے گی۔

''مجھے ان سے کسی محبت بھرے سلوک کی توقع نہیں تھی لیکن یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ یوں اچانک ایکدم سے کسی ناسور زدہ حصہ کی طرح مجھے خود سے کاٹ کر دور پھینک دیں گے، میں سمجھتی تھی مجھ سے محبت کا رشتہ کوئی نرم گوشہ جگا دے گا، وہاج کے دل میں مگر اس نے محبت تو در کنار اعتبار، وفا اور مان تک اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔'' وہ طیبہ سے محو گفتگو تھی۔

رات کے پچھلے پہر ہسپتال کے لان میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں اور جویریہ ربیعہ اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھیں تسلی دلاسہ اور صبر برداشت جیسے الفاظ جیسے اپنا مفہوم کھو چکے تھے۔

''میرا دل اس کی محبت سے ہٹ کر کچھ سوچنے تیار نہ تھا اور وہ بدگمانی کی دھند میں لپٹا محبت کو پہچاننے سے انکاری تھا، وہ ناقابل برداشت تکلیف دہ لمحہ تھا، جس کی اذیت میں تادم مرگ بھلا نہیں سکتی، میں اس سے مخلص تھی بے حد مخلص اپنے دل نگاہ جذبات استحقاق واختیار سب زاویے اس کے لئے رکھ چھوڑے تھے میں تو ہر طرح سے ان چھوئی تھی پاکیزگی کی حدوں کو چھوتی، پھر میرے ساتھ یہ کیوں۔'' ایک گہری سانس خارج کرتی طیبہ چند لمحوں تک کچھ نہیں بولی تھی پھر بہت رسان سے مدہم لہجے میں کہا تھا۔

''اریبہ میں تمہاری دوست، ہمدرد اور بہن ہوں تمہارا یوں بکھرنا شکستہ ہونا مجھے تکلیف دے رہا ہے، تمہارے آنسو دکھ کی اس کیفیت میں بجا سہی مگر سچ کہوں تو مجھے برے لگ رہے ہیں کیونکہ جس کے دکھ میں تم لہو رو رہی ہو وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتا نہ یوں رونا خود کو شکستہ سمجھنا تمہارے مسائل کا سدباب ہے تمہیں بہادری اور حوصلے سے حالات کا سامنا کرنا ہے، خود کو کمزور کر کے زندگی سے فرار چاہنا درست نہیں، جبکہ زندگی کو ہر روز ایک نئی امنگ نئی ترنگ اور نئے احساس کی ضرورت ہوتی ہے، تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے جو تلخیاں تمہارے حصے میں آئیں سمجھ لو کہ وہ منافقت اور دوغلی زندگی کی لپیٹ تھی جس سے تم نکل آئیں، تم پلیز خود کو سنبھالو کیونکہ یوں ری ایکٹ کرنا تمہارے لئے ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا کروں آخر اگر رو چلا کر اپنا کتھارسس نہ کروں تو یقین مانو درد وغم کی اس بیکراں بے تحاشا اذیت ناک کیفیت سے میرے دل و دماغ پھٹ جائیں گے۔'' وہ انتہائی بے بسی سے بولی۔

''یہ سچ ہے اریبہ کہ زندگی میں سب کچھ اسی طرح سے نہیں ہوتا جس طرح ہم چاہ رہے ہوتے ہیں اور نہ ہمیں خوش بختی کے ہنڈولے سے اندیشوں کے سپرد کرنے کی آرزو ہوتی ہے، مگر حالات کی ستم ظریفی ہمیں درد بخش کر اذیت سہنے کے لئے اکیلا چھوڑتی ہے، تو احساسات وجذبات مردہ ہونے کے ساتھ خود کو بھی ان سیکیور فیل کرتے ہیں، لیکن زندگی میں صرف پیار ہی سب کچھ نہیں ہوتا اپنی شناخت بھی ضروری ہے۔'' طیبہ سمجھاتے ہوئے تشویش سے بولی۔

''محبت وہاج احسن کی محبت ہی تو میری شناخت تھی، آج اس نے یہ شناخت بھی لے لی۔''

''اریبہ اب تم رو چکو اس محبت کو کیونکہ وہ محبت جس کا کوئی حاصل نہیں صرف اضطرابیت دیتی ہے، پھر وہاج کا معاملہ تو سراسر الگ ہے کہ اس نے اندر امید کا کوئی دیا محبت کا کوئی جگنو روشن نہ تھا وہ محبت کو کیا سمجھتا، بلاشبہ تمہیں محبت میں رنگ باتیں کرتے خواب بولتے دکھائی دیتے ہونگے مگر تمہارا رومیو وہ اس فرسودہ محبت سے قطع نظر نئے جہانوں کے سفر پر روانہ ہو چکا تھا اور واپس کا کہیں کوئی امکان نہیں تھا، اگر مجھے محبت کے حوادث ومعاملات سے سابقہ نہیں دیوانگی کی وہ کیفیت میں دیکھی اسے جھٹلا نہیں سکی پھر بھی احتیاطاً تمہیں باور کرایا تھا ان راہوں پہ مت چلو ساری کوششیں اور اس شخص کو اپنا بنانے کی ساری سٹریٹیجی فضول نہ جائے مگر یہ پتھر سے سر پھوڑنے والی بات تھی۔'' اریبہ نے بے حد کرب کے عالم میں آنکھیں موند لی تھیں اور آنسو ایک تواتر سے گالوں پہ بہنے لگے۔

طیبہ نے بلاشبہ ایک دمساز، ناصح کی طرح اسے سمجھایا تھا لیکن وہ اسے کیسے بتاتی کہ محبت کا پہلا نقش تو پہلا ہوتا ہے جو کبھی نہیں مٹتا۔

''اریبہ یہ دنیا ہے یہاں نیکی اچھائی اور خلوص محبت جیسے الفاظ صرف کتابوں میں اچھے لگتے ہیں،

زندگی گزارنے کے لئے کچھ اور بھی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ابھی تمہارے لئے بہت راستے ہیں، صرف محبت کو زندگی کا مسئلہ سمجھ کر تم وہ واستے نہ گنواؤ وہاج حسن حرف آخر نہیں تمہاری سوچ کو صرف اس ایک نام پر نہیں ٹھہرنا، مسائل ذات میں الجھ کر رکنا نہیں آگے جانا ہیں تمہیں، کہ زندگی کے تقاضے و ضروریات محبت سے رہیں زیادہ ہیں، اجنبیت اور بے حسی کی چادر اوڑھ کر جنہوں نے تمہیں خالی ہاتھ کیا انہیں تم نے اپنے ادھورے خوابوں کے ساتھ پوری زندگی جیتے دکھانا ہے خود کو، میرے خیال میں تم شائستہ بیگم کی بات مان لو تمہاری راہیں خود بخود آسان ہو جائیں گی، دفاتر میں دماغ خرچنے اور مشقت جھیلنے سے زیادہ پیسہ اسی پروفیشن میں ہے، اپنی بہنوں کو بیاہنا، ماں کا بہتر علاج اور خود وہاج احسن سے زیادہ پر تعیش زندگی گزارنا احمق لڑکی اس بے حس بندے کی اجنبیت پر لہو رونے سے بہتر ہے، سوچ لو خود سے دوستی کرنے کے اتنے اچھے آپشن زندگی بار بار نہیں دیتی، دیکھو جب ہم اپنی شناخت کے سفر پہ نکلتے ہیں تو خود کو گم کرنا پڑتا ہے یا اپنی پہچان کے لئے اپنا روپ دھارنا ہوتا ہے، دل کی بے اختیاری قابل بھروسہ نہیں اپنی ذات کا ادراک کر لو کامیاب رہو گی۔'' طیبہ کے الفاظ کم و بیش وہی تھے جو بارہا کہہ چکی تھی مگر اریبہ کے دل پر بالکل الگ طور پر تاثر دے رہے تھے۔

☆☆☆

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شمالی علاقہ جات میں ہر وادی اپنی قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے سیاحوں کے لئے کشش پیدا کرتی ہے، ماریا کو کوہ پیمائی اور ٹریکنگ کا شوق تھا وہ فطری نظاروں کی دلدادہ تھی ہر جگہ قدرتی مناظر کی تصویر کشی اس کا محبوب مشغلہ تھا، اسے گلگت کی دلچسپ ثقافت، فطری، نظارے یہاں کے لوگوں کے مخصوص لباس علاقائی ناچ گانے، موسیقی، کھیل، بوز خوشی اور پولو سب دلچسپ لگیں، مگر یہاں بولی جانے والی زبان مشکل تھی متراجم کی وجہ سے انہیں مقامی زبان سمجھنے میں آسانی رہی۔

''پولو کے مقابلے نومبر کے پہلے ہفتہ سے شروع ہوتے ہیں ایک میلے کا سماں ہوتا ہے باہر سے کافی لوگ یہ رونقیں دیکھنے کے لئے آتے ہیں، یہاں کے مقامی لوگ یہ کہتے ہیں یہ کھیل یہاں سے شروع ہوا۔'' مترجم فرید خان بتا رہے تھے۔

ہزار میٹر تک اونچائی رکھنے والی پہاڑی راستے پر چلنا اگرچہ دشوار تھا مگر کوہ پیمائی ٹریکنگ اور ہائیکنگ کی شوقین ماریا اونچی ایڑی والی جوتی کے ساتھ چلتے لڑکھڑا رہی تھی، نیوزی لینڈ کے ہموار علاقوں میں رہنے والی اس لڑکی کے لئے کھردری چٹانوں پر چلنا آسان امر نہ تھا، سو وہ بہت جلد ہمت ہار گئی، ویسے بھی گلگت کی سرحد 301 میل تک افغانستان کے ساتھ ملتی ہے یہ خبر اس کا ڈر بڑھا گئی۔

اسے اپنے اردگرد طالبان اور اسامہ بن لادن کے بھوت ناچتے دکھائی دیتے رہے جبکہ اس کے ہمراہ موجود سٹوڈنٹس ٹپے ماہیئے سنا سنا کر اس کا خوف کم کرنے کی کوشش میں مصروف رہے اگرچہ یہ زبان، معنی، مطالب و مفہوم یکسر نا آشنا تھے، پی ٹی ڈی سی، چنار، پارک ویو، ورشی گھوم اور گلگت سیرینا ہوٹل بھی دیکھے، وادی ہنزہ جس کے فطری و قدرتی نظاروں کو دیکھ کر انسان ایک لمحہ کے سکتے میں آ جاتا ہے، ہنزہ کی خوبصورت فضاؤں میں خوشبودار اور ٹھنڈی ہوا ایسے محسوس ہو رہی تھی، جیسے ہوا میں کوئی گنگنا رہا ہو، یا پولر کے درختوں اور گندم کے خوشبوں کو چھو کر گزرتی ٹھنڈی ہوا جسم و ماحول میں عجب موسیقیت بھر رہی تھی۔

یہ سرسبز و شاداب وادی آٹھ ہزار میٹر کی بلندی پر واقع ہے، مقامی لوگ پیروکار ہیں پرنس کریم آغا خان کے یہاں کی مقامی زبان ہروشسکی ہے لیکن اردو اور انگریزی نمایاں ہے دریائے ہنزہ جس میں پہاڑوں سے بہتا پانی اور گلیشیر کے پگھلنے کا پانی بہہ کر تیز رفتار میں ملتا رواں دواں ہو جاتا ہے، اس پانی سے یہاں کے باغات کو سیب، ناشپاتی، چیری انگور اور آلو بخارا پر مشتمل ہیں سیراب کیا جاتا ہے۔

سعید صاحب نے معلومات بہم پہنچاتے ہوئے ان باغوں کے پھل بھی انہیں دکھانے اور کھلائے جو لذت و خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے، راستے میں لکڑی اور مٹی سے بنے بہت سے دو منزلہ مکان بھی دیکھے اور وہ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں بجلی، حتیٰ کہ پانی کی بنیادی سہولت بھی میسر نہ تھی اس نے ایسی غربت کبھی نہیں دیکھی تھی ماریا کا بچپن شاہانہ انداز میں بسر ہوا تھا، اس کے والدین نے ہر وہ اچھی بہترین چیز مہیا کی تھی جس کا کوئی عام انسان صرف خواب دیکھ سکتا ہے، اسے لوگوں کے یہ ناقص حالات اور معمولی سے بھی کمتر درجہ کی زندگی افسردہ کر گئی۔

''یہ لوگ مکانوں کی پہلی منزل پر رہائش اختیار کرتے ہیں نچلے حصے میں یہ اپنے مویشی باندھتے ہیں جس کے باعث ان کے گھر گرم رہتے ہیں، وادی ہنزہ کے لوگ لمبی عمر پانے کے لئے بھی دنیا بھر میں مشہور ہیں یہ اس وادی کے فطری نظاروں، پھل خوراک اور کھلی آب و ہوا کی وجہ سے ہے؟'' سعید صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے جیپ کو روکا اور باہر نکلے تو مقامی لوگ انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے انہوں نے بسم اللہ کے الفاظ کے ساتھ خوبانیوں، باداموں اور دودھ سے ان کی تواضع کی۔

اس شدید ترین غربت کے باوجود ان لوگوں کی دریا دلی مثالی تھی جس نے ماریا کو بے حد متاثر کیا رسیلے آموں کی ایک پوری پیٹی بھی ان کے ہمراہ کی مقامی لوگوں نے۔

''یہاں کے بہتے ہوئے ندی نالے اپنے طاقتور پانی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں ہنزہ کے پانی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں اس پانی میں لوہے (آئرن) اجزا و بکثرت موجود ہیں اس کے علاوہ سونے کے قیمتی اجزاء اس پانی میں پائے جاتے ہیں، اس وجہ سے پانی طاقتور ہے۔'' عدیل نے بھی یہاں سے متعلق ان معلومات پہ بے ساختہ کہا تھا۔

''ایسا نہ کریں کہ اس طاقتور پانی کو ساتھ لے چلیں خالی پلاسٹک کی بوتلوں اور کین میں بھر کر۔''

''گڈ آئیڈیا پاپا میری دادی اکثر جوڑوں کے درد کی شکایت کرتی ہیں ہو سکتا ہے آئرن اور گولڈ کی اضافی خوبیاں لئے یہ پانی ان کو کچھ افاقہ دے۔'' وشمہ نے کہا اور وصی فوراً اٹھ کر ایک جھرنے سے بہتا شفاف پانی بھرنے لگا، ان کے ہمراہ موجود ماریا ٹورسٹ گائیڈز ڈرائیورز اور سامان اٹھانے والے چھوٹی سب مسکرا رہے تھے، جبکہ فاطمہ اب بوتل سے وہ طاقتور پانی عدیل کو دے رہی تھی پینے کے لئے اور وصی گاڑی کا بونٹ بجاتے ہوئے گا رہا تھا۔

میں نے تمہاری گاگر سے کبھی پانی پیا تھا
پیاسا تھا میں گوری یاد کرو
وہ دن یاد کرو

سعید صاحب بمعہ ترجمہ ماریا کو اس گانے کے بول بتانے لگے۔

''ایک مشہور کوہ پیما ارک شپٹنوں نے ہنزہ کے لوگوں کو بہت سخت اور میٹی قسم کے لوگ کہا ہے یہاں کے لوگوں کی صحت کا راز ان کا طریقہ زندگی خوراک اردگرد کے پہاڑوں اور سرسبز و شاداب کھیتوں کی وجہ سے ہے یہاں کا ہر آدمی چست و توانا نظر آتا ہے۔'' ہنزہ کے خوبصورت رہائشی علاقہ سے گزرتے ہوئے فرید خان انہیں معلومات دیتے رہے۔

ماریا نے یہاں کی عورتوں کو بہت دلچسپی اور شوق سے دیکھا جو چوڑے گھیر دار فراک پہنے اور سر پہ کڑھائی والی خوبصورت ٹوپی رکھے کھیتوں میں کام کرتی اور مویشی چراتی نظر آرہی تھیں تیکھے نقوش سرخ و سفید رنگت ان کی خوبصورتی مثالی تھی۔

ہنزہ کے دارالخلافہ کریم آباد سے انہوں نے راکاپوشی چوٹی کا پرکشش نظارہ کیا راکاپوشی (7877) میٹر سے (15552) فٹ بلند چوٹی ہے۔

''سردیوں میں اس چوٹی پر پڑتی برف چاندنی رات میں چمکتی نظر آتی ہے اور ایک خاموش ہوا دار لطیف و نازک اثر پیدا کرتی ہے ماحول میں۔'' سعید صاحب نے انہیں بتایا تو سب نے بلسندت قلعہ دیکھنے کی بھی خواہش ظاہر کی۔

''ایک کلومیٹر کے فاصلے پر یہ قلعہ ہنزہ کی تاریخ میں چار سو سالہ تاریخی پس منظر چھوڑتا ہے، لکڑی کی مضبوط کھڑکیاں اور دروازے وادی کی طرف کھلنے کی وجہ سے اچھا نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے پہلے ادوار میں یہ قلعہ ہنزہ کے حکمراں کی رہائش گاہوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔'' گائیڈ نے بتایا۔

قلعہ واقعی ایک حیرت انگیز اور دسینو پر طرز تعمیر و تکمیل کا حامل تھا، وہ سب اپنے شوق کے مطابق فوٹو گرافس اور مووی کلپس لینے میں مصروف تھے۔

کھردری چٹانوں میں گھرے فلک بوس کہساروں کی اس سرسبز وادی میں گھومتے پھرتے کئی لمحات آئے جب زندگی و موت کے مابین محض انچ بھر کا فاصلہ محسوس ہوا، لیکن ماریا کے لئے حیرت انگیز تھا کہ اللہ پر پختہ یقین رکھنے والے یہ لوگ سکون سے ہر نازک لمحہ سے گزرے۔

''کیا یہی سکون، یہی پختگی، اسی ایمانی کیفیت کو اسلام کہتے ہیں جو ہر مشکل وقت پر ان لوگوں کو سنبھالے رکھتی ہے اگر یہ اسلام ہے تو اسلامی جنگ و جدل جلونیت اور حیوانیت کا پرچار کرتے لوگ کس اسلام کے پیروکار ہیں؟ اگر مسلمان دہشت گرد ہیں تو یہ سب کون ہیں؟ جو بنا نسل و مذہب بنا حسد و تفریق ہنستے مسکراتے میرے ہمراہ پھر رہے ہیں، اگر یہی دہشت گرد ہیں تو مسلمان کیسے ہیں؟ اسلام مسلمان اس کا اصل اور حقیقی مطلب کیا ہے؟ جو دکھائی دے رہا ہے یا جو اوجھل ہے؟'' وہ الجھتی الجھتی سوچ رہی تھی جبکہ وہ سب ایک صاف ستھری چادر بچھائے ایک ساتھ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے اسے اسلام آباد کی معروف شاہراہ کے بیچ یہی عمل دہرانے والا نوجوان یاد آیا اور اس کی نظریں پوری محویت سے ان سب کو عبادت ادا کرتے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

کچھ بھی تو نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
کچھ حرف دعاؤں کے، کچھ پھول وفاؤں کے

مہکیں گے میری خاطر
کچھ بھی تو نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
محسوس یہ ہوتا ہے دکھ جھیلے تھے جو اب تک
لکھنے کی محبت میں، پڑھنے کی ضرورت میں
بے نام مسافت میں
بے سود ریافت تھی
بے فیض عبادت تھی
جو خواب بھی دیکھے تھے
ان جاگتی آنکھوں نے
سب خام خیالی تھی
پھر بھی تجھے پانے کی دل کے کسی گوشے میں
خواہش تو بچالی تھی
لیکن تجھے پا کر بھی اور خود کو گنوا کر بھی
اس حبس کے موسم کی
کھڑکی سے ہوا آئی
نہ پھول سے خوشبو کی
کوئی بھی صدا آئی
اب نیند ہے آنکھوں میں
نہ دل میں وہ پہلی سی تازہ سخن آرائی
نہ لفظ میرے نکلے، نہ حرف و معانی
کی دانش میرے کام آئی
نادیدہ رفاقت میں جتنی بھی اذیت تھی
سب ہی میرے نام آئی

پتا نہیں زندگی اس کے لئے اس کی توقعات کے اتنے برعکس کیوں نکلی تھی، زندگی اسے ویسے کیوں نہیں ملی تھی جیسا وہ سوچتا تھا جس طرح سے چاہتا تھا، کتنی مشکل بات تھی کہ سعیہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی اسے چاہتی نہیں تھی مگر وہ جھیلتا آیا تھا اس کی اذیت نا کی کو مگر وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے اس سے شہریار سے محبت نہیں کر سکتی یہ جھیلنا آسان ہرگز نہ تھا، وہ جو اس کی ہر دھڑکنوں، خوابوں، خواہشوں میں تھی اس کی خواہش اور خواب کوئی اور تھا، یہ خیال اس کے وجود کو ان دیکھی آگ میں سلگا رہا تھا۔

''محبت بڑا حوصلہ دیتی ہے چاہے اگلے بندے کا دل محبت کی لے پر آپ کے دل کے ہم آہنگ ہو کر دھڑکے یا نہ، محبت کا لمحہ ہاتھ آئے یا نہ مگر جب یہ جذبہ ایک خالص شرعی و قانونی رشتے سے منسلک ہو کر آپ کی زندگی میں شامل ہو تو رشتے کی ڈیمانڈز میں محبت بہت خوبی سے آپ کی دلجوئی کرتی ہے، مگر

اس میں یہ خیال شامل ہو جائے کہ اگلا بندہ آپ کو اس لئے نظر انداز کرتا ہے اس کی توجہ و نگاہوں کا ارتکاز کسی اور پر ہے آپ اسے سننا دیکھنا چھونا محسوس کرنا چاہتے ہوں، زندگی کے سارے لمحوں کی دلکشی اسے مانتے ہیں اور وہ آپ پر کسی اور کو فوقیت دیتا ہو تو......"

"کیا محبت میں اتنا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مطلوب فرد کو کسی اور کے ساتھ دیکھ یا سوچ سکے؟"

"نہیں، روح اندر سے کٹنے لگتی ہے، عجب سی بے بسی کے ساتھ رگوں میں اک کرب جاگتا ہے کوئی آپ کی دسترس میں ہے اور آپ کا نہیں نفسیاتی طور پہ یہ دیکھنا سوچنا جب کوئی آپ پر کسی اور کو فوقیت دیتا ہے تو دل کو اچھا لگتا ہے نہ دماغ کو، لاکھ سمجھائیں خود کو مگر صبر آتا نہیں، اسے ابھی ابھی پتا چلا تھا کہ دل کا سلسلہ بھی پروان چڑھتا ہے جب محبت دل سے دل تک سفر کرتی ہے، جبکہ اس کے اور سعیہ کے درمیان تو شاید روز اول سے سمجھوتہ چل رہا تھا کوئی مجبوری بندھی تھی کسی مصلحت نے انہیں ایک کیا تھا درحقیقت وہ الگ تھے وہ نہایت فیئر اپروچ والا بندہ تھا اور ضروری سمجھتا تھا کہ جو دل میں ہو وہی افعال و اعمال میں بھی ہو، اسے زندگی میں منافقت پسند نہیں تھی اور سعیہ علی اس سے منافقت برت رہی تھی، وہ جو شروع سے اس کا خیال رکھتا آیا تھا اس کی پسند ناپسند کو اہم جانتا تھا اس کی زندگی کے ہر اپوئنٹ پر اہم دن کو سیلی بریٹ کرتا آیا تھا، اسے بے حد و حساب چاہتا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ شادی اور نکاح جیسے شرعی و قانونی جواز کے بعد بھی سعیہ اس کے ساتھ رہ کر سامنے ہو کر درحقیقت اس کے ساتھ نہ تھی، کتنی اذیتناک حقیقت تھی یہ۔"

"آہ، کتنا نادان تھا میں سمجھا تھا محبت کو شہ اور مات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا محبت تو بس محبت ہوتی ہے، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے کہ نہیں، اہم تھی تو یہ بات کہ میں اسے چاہتا ہوں اور اسی کے ساتھ زندگی کروں گا اور یہ محبت اسے اپنے آہنگ سے دھڑکا لے گی، بے پناہ محبت کرتے ہوئے میں نے سوچا ہی نہ تھا اس کے قدم میرے ساتھ کیوں نہیں اٹھتے، اس کا ہاتھ میرے ہاتھوں میں کیوں نہیں آتا، اس کی آنکھیں شہریار کو دیکھنے سے کتراتی کیوں تھیں، وہ فرار کے راستے کیوں تلاشتی تھی، کیونکہ اس کی ترجیح کوئی اور تھا اسے اپنی لائف پرفیکشن کیسی اور کے سنگ نظر آتی تھی، سو وہ شہریار کو ری جیکٹ کرتی تھی۔"

ری جیکٹ ہونا کتنا تکلیف دہ احساس تھا وہ سعیہ کی زندگی سے خارج تھا کسی کے باعث، سعیہ اس لئے اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی کہ اس کی خوشی طلب کوئی اور تھا۔

شہریار جیسے جی دار Sincere بندے کے لئے اس Uncertaion (غیر یقینی) صورتحال کو فیس کرنا دشوار ثابت ہو رہا تھا، سعیہ جسے اس نے ہر شے ہر جذبے سے بڑھ کر چاہا، اس چاہت محبت اور خلوص کو ایک معتبر شرعی و قانونی حوالہ و رشتہ بنا کر اسے احترام دیا وہ اس کی نہیں تھی وہ یکطرفہ محبت میں محبت کی روح پرور اساس لئے دوڑتا رہا اور سعیہ بے فکری و بے نیازی کا خول چڑھائے اس کی روح دریدہ کرتی رہی۔

گہرے اضطراب کے عالم میں وہ سوچ رہا تھا اور یوں یوں سوچتا تھا وجود جیسے رنج و ملال کی گہری دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔

اپنی اندرونی کیفیت کو چھپانے خود کو سنبھالنے کی غرض سے کتنی دیر وہ ٹیرس پر ٹہلتا رہا یہاں تک کہ

نصف شب کا چاند سفیدے کے عقب سے نکلتا بالکل سامنے آ گیا تھا اپنی دودھیا چاندنی بکھیرتا ستاروں کے جھرمٹ میں مسکراتا اپنی بار بار نم ہوتی آنکھیں رگڑتے ہوئے اس نے آسمانوں پہ چمکتے ماہتاب جس کی رسائی اسی طرح ناممکن تھی جیسے سعیہ کی، اپنی بے پایاں محبت زمین کے کسی حقیر بے مایہ ٹکڑے سے بھی کم لگی جس پر چاند کا عکس پڑ رہا تھا۔

اس نے کبھی اسموکنگ نہیں کی تھی لیکن اس وقت اس کے اردگرد سگریٹ کے بے تحاشا ادھ جلے ٹوٹے پڑے تھے او تمام تر ضبط کے باوجود دل جیسے پھٹنے کو تھا، عجیب متضاد قسم کے خیالات اسے لپیٹ میں لئے ہوئے تھے وہاج کو سوچتا تو دوستی حسد، رقابت، شکستگی کا گہرا احساس نڈھال کر دیتا، سعیہ کو دیکھتا تو نارسائی افسردگی کے ساتھ اپنے ساتھ برتی جانے والی منافقت توڑ ڈالتی۔

"کیسی لڑکی ہو تم پیمان کسی سے باندھے، تعلق کسی اور سے آنکھوں میں کسی کے خواب دل میں غیر کو بسا کے کسی اور کی زندگی میں آ گئی ہو، میری محبتوں، چاہتوں خلوص و وفا کو اس قدر ارزاں کیوں سمجھ لیا تم نے کہ میرے گھر میری زندگی میں رہتے ہوئے وہ جذبے وہ محبتیں جس پہ میرا حق تھا تم نے کسی اور کے لئے سنبھال رکھیں۔" اس کا دل چاہا تھا وہ اس خودسر ضدی لڑکی کا چہرہ تھپڑ مار مار کر سرخ کر دے، اضطراری انداز میں ہتھیلیوں کو مسلتے بری طرح انتشار کا شکار ہوتا وہ بیڈروم کی طرف بڑھا۔

☆☆☆

پیاس کی فرحت تم کیا جانو لوگو صحرا میں
تم نے دو دن کاٹے ہوں گے ہم نے عمر گزاری ہے
ہم جیسے منزل کے رسیا کم ہوں گے ظفر
کانٹے بھی تلووں میں چبھتے ہیں اور سفر بھی جاری ہے

عجب کیفیات طاری تھیں دل و دماغ پر مگر اس کے باوجود اس کا چہرہ بے تاثر تھا کوئی تلاشنے کی کوشش بھی کرتا تو شاید کتنی دیر دیکھ کر بھی کچھ نہ پاتا، وہ ایک زاویے ایک رخ پہ بیٹھی ہوتی تو گھنٹوں بیٹھی رہتی، سمجھ نہ آ سکنے والی ایک خالی الذہنی بھلا ہی تھا کہ آفس سے لگاتار اس کی چھٹیاں کچھ آؤٹ ڈور شوٹس کے سلسلے میں ہو گئیں ورنہ اس کیفیت کا وہ کیا جواب دیتی سب کو۔

ماں وہ ماں جس کے لئے وہ سب گنوا آئی تھی اس کی کیا کیفیت و طبیعت تھی اسے جاننے کا وقت نہ تھا وہ بس گھٹنوں پہ سر رکھے ہر چیز سے بے نیاز ہاسپٹل کے لان میں بیٹھی تھی یہ اس کی مخصوص جگہ بن گئی تھی، جویریہ اسے دکھ سے دیکھتی ہوئی موبائل پکڑانے لگی طیبہ کالنگ کے الفاظ سکرین پر جھلملا رہے تھے اس نے چند ثانیے دیکھنے کے بعد یس کا بٹن پش کیا۔

"اریبہ تم یہ کیا کر رہی ہو کیوں پھر سے انہی اندھیروں میں لوٹنے لگتی ہو جن سے کوئی تمہیں نکالنے والا نہیں ہے تم کیا سمجھتی ہو اس طرح ڈپریشن لینے سے وہاج احسن لوٹ آئے گا اور نہ آیا تو تم کیا اس کے لئے جینا چھوڑ دو گی نہیں ریبا اس سارے قصے میں دل آزادی بھی تمہاری ہے نقصان بھی تمہارا، وہاج احسن تمہاری زندگی کا آخری موڑ نہیں صرف غلط ضرور تھا اسے مٹا دو اور خود کو اس سیاہ دائرے سے باہر لاؤ، ایک بے فیض بے وفا شخص کے لئے خود کو مت گنواؤ تمہاری دوست ہمدرد ہونے کے ناطے میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔" اریبہ کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر رخساروں

پر بہہ رہے تھے، وہ ساکت بیٹھی تھی کچھ بھی کہے بغیر اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا، عجب اک بے بسی تھی، جویریہ نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''اریبہ تمہیں خود کو سنبھالنا ہے اپنے لئے، اپنی بہنوں کے لئے اپنی ماں کے لئے، اگر تم نے ان اندھیروں کو نہ جھٹکا اپنے اوپر سے تو ہمیشہ کے لئے روشنی کو ترس جاؤ گی، اپنے سکھ کو تلاش کرو۔'' طیبہ ہمدردی سے بولی۔

''میرا سب ٹوٹ بکھر چکا ہے اب میں خالی ہاتھ ہوں کچھ نہیں بچا میرے پاس۔'' وہ بے حد شکستگی سے بولی۔

''نہیں اریبہ تم اب بھی باحوصلہ ہو، مضبوط ہو کمزور نہیں، کمزور ہو کر تم وہاج احسن کو مزید فاتح ہونے کا موقع فراہم کر رہی ہو، تمہیں خود کو باور کرانا ہے کہ تم مضبوط ہو تمہیں یہ غلط فہمی دور کرنی ہے کہ تم خالی ہاتھ ہو۔''

''اس سے حقیقت بدل تو نہ جائے گی۔'' وہ پست ہمتی سے بولی۔

''حقیقت زندگی، تقدیر سب بدلے گا اگر تم اپنی will power مضبوط رکھو کیونکہ رونا تو دکھ ختم کرتا ہے نہ اس سے کسی غلطی کا مداوا ممکن ہے، تم رو رو کر خود کو بکھیر و مت تمہاری زندگی بکھر گئی تو سمیٹنا مشکل ہو جائے گا۔''

''سنبھالنے کا گر تو مجھے پہلے سے نہیں آتا اگر میں اس فن میں طاق ہوتی تو وہ کیسے میرے دل سے نکلتا، مجھے کیسے اپنے دل سے نکالتا اور مجھے خود سے جدا کر کے جینے والا وہ بندہ جانے کیوں بھولتا نہیں میرا اب بھی دل چاہتا ہے کہ وہ اسی پیار مان خلوص سے مجھ سے ملے گھنٹوں باتیں کرے، میرا سراپا اپنے ہاتھوں میں سہلائے مجھے خواب خواہش سے بھری کہانیوں کے جادو نگر کا پتا دے میں اب بھی وہ خواب دیکھ رہی ہوں جس میں سب ناممکن ممکن ہو جایا کرتا ہے۔'' وہ مدہم انداز میں بولی تو طیبہ کچھ دیر چپ رہتے ہوئے اک گہری سانس لے کر بولی۔

''میری اچھی دوست غور سے سنو اپنی چیز اپنے رشتے تمہارے لئے اب گزر جانے والا موڑ بن چکے ہیں جن پہ تم استحقاق جما سکتی ہو نہ دھونس اور سوچنے پلٹ کر دیکھنے سے بھی فائدہ ندارد جب سارے منظر گرد آلود راستے دھواں ہیں کیا ملے گا؟''

''وہاج احسن تمہیں رد کر چکا ہے تمہارے خواب خواہشیں بے معنی ہو چکی ہیں، اب تمہیں اسے رد کرنا ہے اپنی زندگی خوابوں خواہشوں سے دور پھینکنا ہے، اگر تم کم ہمت پڑتی رہیں تو الجھنیں مسائل بڑھیں گے اور جب یہ طے ہے کہ خود پہ خواہ مخواہ کا بردڈن لینے سے کچھ فرق نہیں پڑنے والا پھر کیوں خود کو زندگی کو ضائع کر رہی ہو اپنے گھر سے، بہنوں ماں سے بے رخی برت رہی ہو جبکہ تم ان کی اندھیری زندگی میں شاید صبح امید کا آخری ستارہ ہو اور یہ ستارہ روشن رہنا اپنے کیونکہ خوشی اور زندگی روشنی و امید سے عبادت ہے سو مائی بیسٹ فرینڈ Take it light and make your life bright ہنسو، کھیلو، جیو سب کھویا بھلا دو پانے کے لئے زندہ رہو، کنٹرول کرو خود پر سنبھالو اپنے آپ کو اور خود کو باور کرا دو کہ وہاج احسن نے تم سے محبت نہیں کی تھی اس نے خود غرضی کا اک گھٹیا رشتہ باندھا تھا اپنے مفلسی بے روزگاری کے دور میں مطلب پرستی کے لئے تمہیں بینک اکاؤنٹ کے طور پر استعمال کیا اور تم

بے وقوف اس مطلب پرستی کو عنایت و محبت سمجھ کر خوار ہوتی رہیں، اگر وہ تمہارا سچا خیر خواہ ہوتا تو مصائب میں تمہارا ساتھ دیتا جیسے کبھی تم نے دیا تھا چھوڑ کر نہ بھاگتا۔'' اریبہ کے آنسو ایک بار پھر روانی سے بہنے لگے تھے۔

''اور یاد رکھو وہاج احسن تمہارا نہیں تھا اگر وہ تمہارے لئے بنا ہوتا تو ضرور ملتا جو چیز تمہارے لئے بنی نہیں اس کے لئے رونے سے کیا حاصل؟ اس کی باتوں، اس کے قول و فعل میں تضاد تھا وہ تم سے کبھی مخلص تھا ہی نہیں، محبت کی آڑ میں چھپے منافقت سے شک سے مطلب سے بھرپور ایک کریہہ جذبے کا سامنا تم کر چکی ہو، لیکن سمجھ لو اس سے تمہاری زندگی ختم نہیں ہوئی، نہ تجربات و مشاہدات سے تھک ہار، مایوس ہو کر بیٹھ جانا درست ہے رکنا اور خود کو شکستہ تصور کرنا موت کی علامت ہے اور زندگی حرکت مسلسل جہد مسلسل ہے، اس حادثے سے سمجھو تمہاری زندگی ختم نہیں ہوئی بلکہ زندگی کا اک ناگوار دور ختم ہوا ہے، اک نیا شاندار اور کامیاب دور کا آغاز ہوا چاہتا ہے، تم گزرے ناخوشگوار لمحات کو بھلا کر اک نئے دور کا آغاز کرو اور وعدہ کرو ماضی کو دفن کر کے مستقبل سے نئی راہیں تراشو گی۔'' اک اچھی اور مخلص دوست ہونے کا حق ادا کرتی طیبہ بولی تو قدرے توقف کے بعد وہ کہہ سکی۔

''میں کوشش کروں گی۔'' لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

''کوشش نہیں پختہ عمل کرنا ہے، وہاج احسن کے غرور کا پانسہ پلٹنے کے لئے تمہیں خود کو سنبھال کر اک مضبوط حکمت عملی ترتیب دینی ہے۔'' طیبہ کے الفاظ واقعی اس کے لئے جادو کا کام کر رہے تھے وہ جو ناکامی محبت اور رشتوں کی پستی و ابتری پہ نالاں متاسف اندھیروں میں تھی خود کو حوصلہ دیتے ہوئے اس نے پہلی بار سوچا تھا۔

''تم کتنے با حیثیت و مغرور سہی وہاج احسن میں اتنی کمزور بھی نہیں کہ میری ذات محبت اور مجھ سے وابستہ رشتے کو رد کر کے تم زندگی کو دل بھر کر جیو، زندگی کی بساط پر فی الوقت میری حیثیت کمزور سہی مگر مجھے ہرا کر تم جیت کے برج پر نہیں بیٹھ سکتے، کبھی کبھی آخری کھلاڑی بھی میچ کا پانسہ پلٹ دیتا ہے اور جب ہمارے درمیان کوئی رشتہ ہی نہیں ہے تو اپنی گریہ زاری سننے اور بے بسی کا تماشہ دیکھنے کے لئے تمہیں موقع کیوں دوں، اب میں نقصان اٹھاؤں یا فائدہ تمہیں آسانی سے جیتنے ہرگز نہیں دوں گی۔'' اپنی آنکھوں پہ اٹکے آنسو کو اس نے انگشت شہادت پہ جھٹکتے ہوئے سوچا۔

''زندگی میں کچھ بننا ہو، کچھ حاصل کرنا ہو تو ہمیشہ اپنے دماغ کی سنو، جیت صرف تمہاری ہو گی، صرف تمہاری۔'' اریبہ اشفاق یہ نکتہ سمجھ چکی تھی۔

خالی ہاتھ
اور کھوکھلی باتوں کا کھیل کھیلنے والے
کبھی آؤ!
اور ایک بار پھر کھیل کے دیکھو
حیرت زدہ رہ جانے کے لئے
اور ہمیشہ ہمیشہ کی شکست کو
اپنا نصیب بنانے کے لئے

کہیں ایسا تو نہیں تمہاری کوشش کی سمت درست نہیں؟ خدائے واحد کی متلاشی ہو مگر تمہارے یقین اعتماد اور بھروسہ میں کمی ہو؟ تم راستہ مستقیم مانگ رہی ہو مگر متزلزل یقین کے ساتھ، دعا کرتی ہو یہ شک رکھ کر کہ پتا نہیں اللہ قبول کرے گا بھی یا نہیں؟ ایسا ہے تمہارے ساتھ اور تم اسے مان لو تو کوشش اور یقین کی کمی دور کرو۔"

"کیسے یقین مضبوط ہو جبکہ بہت کچھ گنوایا، پایا کچھ نہیں، ہنسی سکھ خوشی سکون عیش و عشرت سب چھوڑا ملا کچھ نہیں۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو اگر تم واقعی تلاش حق میں ہو اور اس تلاش میں اہم یہ ہے کہ آپ کس کے ساتھ چلتے ہیں اور آپ کے ساتھ کون چلتا ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی نہیں چلا اپنے راستے کی کٹھنائیاں، اذیتیں میں نے خود سہیں۔"

"مشہور ٹریبز رابرٹ ایچ شلر کی بیٹی کیرل شلر کو تم جانتی ہو گی جو کم عمری میں ایک حادثے میں اپنی ایک ٹانگ گنوا بیٹھی لیکن اس نے حوصلہ نہ ہارا نہ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوئی، اس نے اپنی سرگرمیوں کو پہلے کی طرح جاری رکھا اور ذہانت کے مظاہرے میں شامل شائقین سے اس نے بڑی خوبصورت بات کہی۔"

"یہ ایک حادثہ تھا جس کے نتیجے میں سات ماہ کے علاج کے دوران میرا ایمان اعتقاد مجھے حقیقت کی طرح نظر آیا۔"

"میں نے ان لوگوں کو سوچا جو فٹ پاتھ پر اخبار بچھا کے سوتے ہیں جن کے گھروں میں فاقے پلتے ہیں، وہ لوگ جو حالات بے سرو سامانی میں زلزلہ و سیلاب جیسی قدرتی آفات کا مقابلہ کرتے فاقہ زدہ پیٹ اور پیوند لگے لباس پہن کر بھی شکوہ نہیں کرتے، وہ لوگ جو ساری زندگی دنیا کے رنگوں کو تصور کی آنکھ سے دیکھنے پر مجبور ہیں کہ حقیقی آنکھ کی روشنی اور بینائی سے وہ پیدائشی محروم ہیں۔"

"پھر وہ یاد آئے جو سماعتوں کے لئے لفظ آواز سے سدا اجنبی رہتے ہیں اور جن کی زبان کی چاشنی اور شیریں بیانی کو حکم نہیں کہ کسی کان میں رس گھول سکے، کیونکہ قوت گویائی سے محروم ہیں اور اس کے باوجود سب یہ نہیں کہتے کہ یہ میرے ساتھ ہی کیوں؟ بلکہ اس محرومی کو نعمت قرار دیتے ہیں، جس کے باعث انہیں اللہ کا قرب محبت حاصل ہوئی اور وہ عام لوگوں سے زیادہ فعال، متحرک، کامیاب زندگی گزار پائے کیوں؟"

"وہ اللہ کے فیصلوں پر راضی تھے جو بڑے سے بڑے نقصان پر بھی مطمئن رہے۔" ماریا کچھ بول نہیں پائی وہ یک ٹک اپنے سامنے کھڑی اس کامنی لڑکی کو دیکھے جا رہی تھی جو کہہ رہی تھی۔

"اور یہ "مقام رضا" ہے اللہ کے قرب اور دوستی کی جانب اہم سنگ میل، جو اللہ میں تجھ سے راضی ہوں تو بھی مجھ سے راضی ہو جا کی صدا کے ساتھ ہر نفع نقصان تنگی ترشی خوشحالی، و بدحالی میں قناعت توکل کرتے ہیں اللہ کی رضا کے حصول کے لئے تڑپتے ہیں جن کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور چہرے پر سکون رہتا ہے اور یہی توحید و اسلام کی جڑ ہے، یہی مسلمانوں کے عزم استقلال کا نشان کہ ہر بات کو سپرد رب کر دینا اور مطمئن ہو جانا۔"

☆☆☆

بہت مگن سے انداز میں وہ بکھری چیزیں سمیٹ کر بیڈ شیٹ کو جھاڑ کر دوبارہ سے درست کر کے بچھا رہی تھی، شہریار کی رسٹ واچ، موبائل اور والٹ جو وہ ہمیشہ تکیے کے نیچے رکھتا تھا اسے اٹھا کر بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور کمرے پر اک طائرانہ نگاہ ڈالتی سیدھی ہوئی تو شہریار کو دروازے کے بیچ ایستادہ دیکھ کر بے ساختہ ٹھٹکی، شہریار کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، بھینچے ہوئے جبڑے، ماتھے کی سبز رگیں واضح دکھائی دے رہی تھیں، سعیہ کو سمجھ نہ آیا وہ اس طرح سے اور اس انداز سے کیوں دیکھ رہا تھا۔

"بہت شوق ہے تمہیں دنیا کو اپنی مظلومیت دکھانے کا، یہ ظاہر کرنے کا کہ تم میرے ساتھ خوش نہیں، سچ چورا ہے میں میری جارحیت کا اشتہار لگا کر ہمدردیاں سمیٹنے کا ہوکا ہے۔" اس کا بازو تھام کر خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے وہ سلگتے لہجہ میں بولا تو اس غیر متوقع بات اور انداز پہ سعیہ چکرا کر رہ گئی، اس کے سینے میں غصہ کا سمندر موجزن ہوا۔

"آپ کی طرح اداکاری کرنے اور فرمانبرداری کا ناٹک رچانے کا شوق مجھے کبھی نہیں رہا اور پھر ایسی کوئی شاندار زندگی بھی نہیں گزر رہی میری کہ خوشی سے واہ واہ کرتی پھروں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"اداکاری نہیں کرتیں اور دوغلے پن کے ساتھ زندگی گزار رہی ہو۔"

"میں ظاہر و باطن ایک سا رکھنے والی، صاف زندگی گزارنے والی لڑکی تھی یہ ملمع شدہ زندگی گزارنے پر بھی آپ نے مجبور کیا ہے اور اب مجھ سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ میں آپ کا علم بلند کرتی سب کو مطمئن کرتی پھروں۔"

"بیوی ہو تم میری اور خود سے منسلک اس رشتے کو احترام اور عزت دینا تمہارا فرض ہے، جب تک تم اس رشتے سے اس گھر میں ہو اس رشتے اور تعلق کو دھیان میں رکھنا۔" شہریار کی بات نے سعیہ کے حواس جھنجھوڑ ڈالے تھے، اسے لگا تھا وہ منوں مٹی تلے دبتی جا رہی ہے وہ اس شخص سے متاثر تھی، اس بے حس شخص کی تمام تر اکھڑ طبیعت، مغرور انداز اور پہلو تہی برتنے کے باوجود اپنے دل میں سوفٹ کارنر رکھتی تھی اور اندر شاید دور کہیں اک عجب سلگتی، ہارتی شکستہ کرتی کیفیت ابھرتی تھی اسے سامنے پا کر اور وہ کیفیت کیا تھی سعیہ اسے سوچنے کوئی نام دینے سے ڈرتی تھی، وہ شہریار سے محبت کر رہی تھی مگر محبت کو اپنے اندر راستہ دینے سے مکرتی تھی، شہریار اس کے لئے اس کا حوالہ دے رہا تھا اس رشتے اور تعلق کو لے کر۔

دکھ سا دکھ تھا وہ اس شخص کی محبت کے لئے اپنے دل کے ہاتھوں خوار ہو رہی تھی اور وہ محبت کا سبق جانتا ہی نہ تھا اک گہرا اضطراب اپنے اندر پھیلتا محسوس ہوا بہت سی محبتیں، شفقتیں اور چاہتیں پائی تھیں اس نے بہت سے رشتوں کے حوالے سے نازبرداریاں اٹھوائی تھیں مگر وہ الفت وہ چاہت اور تو جو شوہر ایک بیوی کو دیتا ہے وہ کہیں نہ تھی، "اور شاید اس محبت کو برتنا میرا نصیب کبھی نہ بنے۔"

اپنے سامنے کھڑے بے حس شخص کو دیکھتے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں جنہیں جھپک کر لہجہ مضبوط کرتی بولی۔

"آپ بھی شوہر ہیں میرے اور اس رشتے کو حوالے سے کچھ فرائض آپ کے بھی ہیں کیا ان کا احساس ہے آپ کو۔"

"ہاں تو روپے پیسے، کپڑے، جیولری، آسائشات، کسی چیز کی کمی نہیں تمہیں، سب کچھ ہے تمہارے

پاس۔"

"کیا ایک بیوی کو صرف انہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔" سعیہ کو سمجھ نہ آیا اس کا کیا کر ڈالے۔

"تم جیسی بیوی کو یقیناً یہی کچھ چاہیے۔"

"تم جیسے شوہر بھی یہی کچھ ڈیزرو کرتے ہیں۔" وہ بے طرح طیش کھا کر پلٹی، جس طرح غم و غصے میں گھرتے ہوئے سعیہ نے شہریار کو اسی کا انداز واپس لوٹایا تھا یہ بات اسے بری طرح طیش دلا گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، اس بات سے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنے مقام کو اپنے رشتے کو یاد رکھا کرو۔" خفیف سا جھٹکا دے کر سنگدلی سے اس کا بازو کھینچتے ہوئے وہ غرایا۔

"کبھی اپنے رویے پہ بھی غور کر لیجئے ہو سکتا ہے آپ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔" سعیہ کا لہجہ تلخ تھا۔

"کیا رویہ ہے میرا؟" اس کے بازو میں انگلیاں گاڑے وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔

"فرمانبرداری کا ڈرامہ کھیلا ہے مجھ سے بدلہ لینے کی آڑ میں، خوشی، طمانیت، سکھ سب چھین لیا، مجھے زندہ لاش بنا کے اطلس و کم خواب پہنا دیا وہ گھر وہ ماں باپ جو میرا سب کچھ تھے اور میں کل کائنات تھی ان کی، میرے سگے خون کے رشتے ناطے دور کر دیے شادی کے بعد میں ایک بار بھی وہاں رہنے نہیں گئی، محبت کا راگ الاپتے تھے آپ محبت تو ایک طرف آپ نے تو اس رشتے کے حقوق و فرائض بھی ادا نہیں کیے جو ہمارے درمیان ہے۔" وہ بری طرح پھٹ پڑی تھی۔

اور شہریار نے اپنی خوشنما آنکھوں کو جنبش دیتے ہوئے بڑے سراہتے لہجہ میں کہا تھا۔

"Wery well" سعیہ نے تمتماتے چہرے کے ساتھ اپنا بازو چھڑایا اور اسے گھورا، وہ مضبوط قدم اٹھاتا اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا، اسے شانوں سے تھام کر قریب کیا اتنے قریب کہ سعیہ کو اس کی گرم سانسیں اپنے چہرے پر پڑتی محسوس ہوئیں اور شہریار کے وجود سے اٹھتی قیمتی کولون کی مہک حواسوں پہ چھانے لگی، مگر اس لمحہ اس شخص کے سامنے وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، سو اسی مضبوطی سے بولی۔

"محبت کا راگ بڑے دھڑلے سے الاپا تھا آپ نے مگر اس محبت کا نام صرف ڈھونگ ہے، آپ جیسا دوغلا شخص محبت کا نقاب پہن کر بھی اپنی فطرت نہیں دبا سکتا، محبت تو بہت اعلیٰ ارفع جذبہ ہے جس کو برتنے والے اپنے سے وابستہ چیزوں، انسانوں، رشتوں کو ان کا درست مان، مقام اور عزت دیتے ہیں نہ کہ پلان بنا کر ان کی زندگی تباہ کرتے ہیں۔" بہت جذباتی انداز میں کہتے وہ رندھی آواز میں بولی تو شہریار کو اپنے اندر عجیب سا اضطراب پھیلتا محسوس ہوا تھا۔

"عزت، احترام ان رشتوں سے جنم لیتے ہیں جو آپ سے منسلک ہوں جن رشتوں کو آپ آسیب سمجھ کر مجبوری اور بے بسی کا سودا جان کر طوق سمجھ کر اپنائیں ان سے حقوق و فرائض نہیں بنتے۔ جب آپ کی نظر میں اس رشتے کی کوئی وقعت اور حیثیت ہی نہیں تو...... محبت، حقوق، فرائض بہت بے معنی چیز ہے اور ویسے بھی کیا کریں گی آپ میری محبتوں کو برت کر، آپ کو تو گزشتہ محبتوں نے مالا مال کر رکھا ہے۔" شہریار کے لہجہ و انداز میں کچھ ایسا تھا کہ سعیہ پوری آنکھیں کھولے تحیر سے دیکھتی رہ گئی۔

"اور میں نے محبت کا راگ الاپا نا تک رچایا سب تمہارے سامنے تھا، میرے انداز میں انا ضرور ہے مگر منافقت نہیں منافقت تو تم برت رہی ہو سعیہ بی بی، دوغلی زندگی تو تم گزار رہی ہو، دھوکہ تو تم دے رہی ہو، مجھے میرے گھر میں زندگی میں آ کے بس رہی ہو، مگر دل میں کسی اور کو رکھ کے۔"

شہریار کا لہجہ بہت معتدل اور پر سکون تھا مگر سلگتی نگاہوں کی تپش سعیہ کو اپنا چہرہ جلا ہوا محسوس ہوا، اس کے چہرے نے اتنی تیزی سے تاثرات بدلے تھے کہ وہ چھپا نہ سکی یوں لگا تھا پیشانی کو کسی نے جلتی سلاخ سے داغ دیا ہے، وہ بے حد حساس روادار اور شفاف کردار کی مالک تھی اور اس پل اس لمحہ اس کی عزت نفس، نسوانی وقار کیسے لہولہان ہوا تھا، کیا کہا تھا شہریار خان نے کہ مارے صدمے کے وہ چپ ہی رہ گئی۔

یہ رشتہ چاہیے کسی بھی بنیاد پر طے ہوا تھا مگر تھی تو وہ اس کی بیوی اور فرسٹ کزن جس کے شب و روز خیال و خواب روز اول سے کھلے تھے شہریار پہ پھر وہ اس کے لئے اس قدر ذلت آمیز انداز میں بھی سوچ سکتا ہے یہ سعیہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

وہ تو بہت سنبھل سنبھل کر زندگی گزارنے والی لڑکی تھی، اپنے سے منسلک تمام رشتوں اور چیزوں کے لئے دل سے سوچنے والی، جان مار کر جینے والی، ذرا سی بے احتیاطی یا بے ضابطگی اسے کہیں گوارہ نہ تھی پھر یہ کیسے ہوتا کہ وہ شخص جو اس کا شوہر تھا اور جس سے وہ گزرتے دنوں میں ٹوٹ کر محبت کرنے لگی تھی اس کی الزام تراشی سہہ لیتی، اک گہرا اضطراب، درد اور عظیم دکھ تھا جو اس کے وجود دل اور روح میں پھیل رہا تھا، بے پایاں خفت، شرمندگی، احساس ندامت اور غم و غصہ اسے کسی مہربان شانے کی طلب شدت سے محسوس ہوئی، دل کا درد ضبط توڑ رہا تھا اور آنسو بے اختیار ہو رہے تھے۔

"تم برے ہو شہریار، بہت برے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بری طرح سسک اٹھی۔

جو دل پر تحریر ہے وہ جرم صاف کون کرے؟
وہ رسوائیاں بخشی ہوئی تیری معاف کون کرے
سایہ کر کے تلوار کا سنا دیا حکم اپنا
رائے سے حاکم کی اب اختلاف کون کرے
ٹوٹے پندار کے زخم سی کر لہو کون کرے انگلیاں
دریدہ بدن پر مسیحا لمس کا غلاف کون کرے
قطرہ قطرہ ٹوٹتی رگوں کا دکھ کیسے معلوم ہو
زندگی ہارتی سانسوں کو جاں بخشتے لمحات کا لحاف کون کرے

☆☆☆

میرے پہلو میں بہت زور سے دل دھڑکا تھا
دور سے آتی تھی رونے کی صدا رات گئے
بجھ گیا ستارہ یوں ہی میرے ارمانوں کا
جیسے وادی میں کسی گھر کا دیا رات گئے

شب گزشتہ کا اثر ابھی تک اس پر تھا گزرے سانحہ نے وجود پر ایک سکوت تا حال طاری کر رکھا تھا اور ضبط، صبر، برداشت کا سبق خود کو پڑھانے کے باوجود اس کی ہمتیں ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں اور وقت برباد کرنے کا بھی یارانہ تھا گزرتا ہر لمحہ قیمتی تھا اور اگر وہ اپنے دل کے گرد دائرے کھینچتی، پچھتاوے کی لکیریں لگاتی رہتی تو وقت اس کی ماں کو کچھ اور تیزی سے موت کی طرف کھینچتا، اندھیروں کو ٹالنے، ناممکن میں ممکن کی راہ نکالنے وہ ایک بار پھر کسی ممکنہ نقطے پر پہنچتی خان انڈسٹریز پہنچی، اس کا ارادہ بیگم شائستہ یا شہریار سے مل کر کچھ بونس الاؤنس لینے کا تھا تا کہ فی الوقت اپنی ماں کا علاج شروع کروا سکے۔

مگر ان دونوں سے ملاقات نہ ہو سکی وہ لوگ کسی ایونٹ کے سلسلہ میں چند دنوں کے لئے دوبئی پہنچے ہوئے تھے، اریبہ نے پریشانی کے عالم میں طیبہ سے رابطہ کرنا چاہا تو وہ بھی نہ ہو سکا، طیبہ کا موبائل آف تھا اور اس نے شدید ترین بے بسی کے حصار میں گھرتے ہوئے لب کچلتے بھیگی آنکھوں سے اپنے اردگرد دیکھا، اسے ایک بار پھر زندگی، زمانے اور رشتے ناطوں سے نفرت محسوس ہوئی، اس نے ایک بار پھر اپنے پیدا کرنے والے رب کو شکوہ کناں انداز سے دیکھا، دولت بے تحاشا دولت نہ ہونے کا غم اپنی مفلسی کا احساس پھر سے اس کو کچوکے لگانے لگا۔

”Please talk to me۔“ کسی انجان نمبر سے یہ ایس ایم ایس بار بار اس کے موبائل فون کی اسکرین پہ ابھر رہا تھا، وہ حیرت سے دیکھتی اور آف کر دیتی پھر یکا یک دل کے اندر اک خیال آیا۔

”وہاج احسن ہی رابطہ نہ کر رہا ہو کہیں نمبر بدل کر، ہو سکتا ہے وہ اپنے کیے پر پچھتا رہا ہو معافی کا طلبگار ہو۔“ وہ بلاوجہ ہی خوش فہم ہو کر اس نمبر پر رابطہ کرنے لگی، مگر آگے سے بولنے والے شخص کا لب و لہجہ قدرے اجنبی اور سنجیدہ تھا، کسی قدر اپنائیت کا آہنگ لئے سعود غوری اس کی والدہ کی خیریت دریافت کر رہا تھا، اسے یقین دلا رہا تھا کہ وہ اخلاقی، مالی ہر قسم کی اعانت کو تیار ہے اور اریبہ ان حالات میں اپنے آپ کو اکیلی نہ سمجھے۔

کیا بولتی وہ تو ایکدم سے ساکت رہ گئی تھی، سعود غوری سے اس لہجے اس انداز کی امید نہیں تھی، وہ بھی ایسے وقت میں کہ جب ہر طرف سے قسمت اور وقت تو لفٹ کا بورڈ دکھا چکے تھے۔

اور اسی آفر کے ساتھ کہ اریبہ اس کے لئے ایڈ شوٹ کرے گی تو اسے ضرورت سے زیادہ تعاون اور اعانت میسر ہو گی، ایک خاص پیشکش، ایک خاص بات، ایک خاص انداز، ایک خاص توجہ کے ساتھ اس کی آنکھیں جل اٹھی تھیں۔

”دیکھو اریبہ تمہاری ضرورت اس وقت صرف پیسہ ہے اور میری ضرورت تم، چند قلیل لمحات دے کر تم کثیر دولت پا سکتی ہو Lets enloay babi this is life so much beautyfull, as like you come on۔“

”یہ بہت بڑا فیصلہ ہے اتنی جلدی میں نہیں ہو سکتا۔“ وہ بہت دیر بعد بولی۔

”تم سوچ سکتی ہو، بہ غور سوچ کر فیصلہ کر لو میں کل دوبارہ کال کرونگا اور تم یقیناً جلد فیصلہ پر پہنچ چکی ہو گی۔“

رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور وہ ساکت بیٹھی اپنی زندگی کو لے کر سوچ رہی تھی کیا کرے، ان حالات میں کہ جب ادھار سودا سلف لے لے کر قرض سر پر چڑھا تھا، ماں کا علاج مانگ تانگ کر کرنے کی نوبت

آ چکی تھی، بر وقت ادائیگی نہ ہونے پر بجلی اور پانی کے میٹر کٹ چکے تھے، بہت دنوں سے فاقہ نہ سہی مگر سوکھی روٹی چٹنی یا چائے کے ساتھ بنا سالن کے کھا کر گزارہ کرنا پڑ رہا تھا کہ اس کی تنخواہ ماں کی دواؤں پہ لگتے مہینہ کے آدھ میں ختم ہو جاتی تھی، اس کی بہنیں پڑھ رہی تھیں اسے اچھے گھرانوں میں ان کے رشتے کرنے تھے، شادیاں پر اٹھنے والے اخراجات جہیز کی مد میں دیے جانے والے سامان کے لئے اک وافر رقم کی ضرورت تھی اور وہ یقیناً ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھے رہنے سے حاصل نہ ہو پاتی۔

اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا، ہمدرد، دمساز، ہمراز، کوئی ساتھی اور دوست اب کڑے وقت میں اسے میسر نہ تھا، کسی جانب سے مالی مدد، یا اخلاقی ساتھ کی ساعت میسر نہ تھی، پیسہ اس کی اولین ضرورت و ترجیح تھی اس وقت اگر بھلا وقت میسر ہوتا تو سعود غوری کی اس پیشکش کا جواب وہ پہلے سے زیادہ سخت اور سنگین دیتی مگر اس وقت......

خالی آنکھیں، خالی ذہن خالی دل اور خالی ہاتھ، خالی دامن لئے بیٹھی وہ کسی مزاحمت، احتجاج کے قابل تھی نہ انکار کے، کسی قدر ذلت آمیز تھا یہ تصور کہ ایک سفید پوش زندگی گزارتی حجاب پہننے والی باحیا با کردار لڑکی پبلک بوتھوں، سڑکوں، چوراہوں، پبلسٹی بورڈوں کے اوپر ٹنگی نظر آئے، ماڈلنگ کا اسٹینٹ لینا موت کے مترادف تھا۔

”مگر جو زندگی میں جی رہیں ہوں وہ بھی زندگی تو نہیں، جب ہر طرف سے زندگی مہرباں، مایوس، شکست خوردہ ہو کر ملے اس وقت جینا بھی موت سے بدتر ہے، مرنا مقدر ہے جب یہ طے ہے کہ مرنا مقدر ہے تو پھر کیوں نہ اپنی مرضی کی موت منتخب کر لوں، بجائے اس موت کے جو زبردستی مسلط کر دی گئی ہو۔“

وہ منجمد سی بے حس و حرکت بیٹھی سوچ رہی تھی اور سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے، بہت سے نقش از سر نو تازہ ہونے لگے۔

”اگر تم زندگی کے مصائب میں یوں پھنسے رہے تو مجھے گنوا دو گے وہاج۔“ کانپتی کمزور آواز مضطرب الفاظ میں وہ بولی تھی۔

”تم زندگی ہو میری اریبہ، کوئی اپنی زندگی کیسے گنوا سکتا ہے، میں حالات کو اپنے بس میں کر لوں گا خوشیوں تلاشوں گا تمہارے لئے دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تمہارا نام لوں گا، تمہیں صدائیں دونگا تمہارے لئے سب کچھ کروں گا، ہر وہ اقدام جو تمہیں مجھ سے قریب کر دے۔“ یقین دلاتا، محبت بھرا لہجہ یاد آ کے اس کے دل کے زخموں کو ادھیڑ گیا۔

”تم وہاج میرے مجرم ہو، تم نے میرے اعتبار کو توڑا، میری عزت نفس کو پامال کیا، میری خواہشوں، میرے خوابوں کو اجاڑا میری ہنستی بستی زندگی کو محبت کا دھوکہ دے کر تباہ کر دیا، ایک پراپر پلان کے تحت جب تک ضرورت تھی مجھے استعمال کیا ضرورت کے قابل نہ رہی تو استعمال شدہ ٹشو پیپر کے مانند ڈسٹ بن میں پھینک دیا، بے قدری اور بے توقیری کا احساس دلا کر تم نے جس بے دردی سے مجھے توڑا ہے، میں تمہارا یہ جرم اک دن تمہارے چہرے پر سجا دوں گی اور پھر دیکھوں گی میری سوختہ و برباد زندگی کے ملبے پر تم اپنی خوشیوں کی بنیاد کیسے رکھتے ہو۔“ دوپٹے سے رگڑ کر چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ اپنا موبائل اٹھا کر مطلوبہ نمبر ملانے لگی۔

''غوری صاحب آپ رقم پہنچا دیں، مجھے آپ کی آفر قبول ہے۔'' آگے سے جانے کیا کہا گیا تھا، وہ لحظہ بھر خاموش ہوئی پھر سنجیدہ اور فیصلہ کن لہجہ میں بولی۔

''اٹس اوکے میں پہنچتی ہوں، آپ ہوٹل میں ہی میرا ویٹ کریں۔'' موبائل پھینک کر وہ اٹھی اور چیلنج کرنے چلی گئی قسمت، زندگی، دل ذہن شاید سب کچھ۔

☆☆☆

''خود سپردگی اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک اللہ سے محبت نہ ہو جس قدر محبت کا جذبہ شدید ہو گا خود سپردگی کا عمل اسی قدر خالص اور کامل ہو گا۔'' فاطمہ کی آواز بھی اس کی سماعتوں، ذہن و دل کے دریچوں پر دستک دے رہی تھی اور وہ اضطرابیت سے سوچ رہی تھی۔

''کیا میری محبت خام تھی کیا میری تلاش میں جذبہ شدید کارفرما نہ تھا اور کیا واقعی میں ناشکری ہوں جو مجروم عطا ٹھہری، کیا راضی بہ رضا کی کشتی مصائب کے بھنور میں پھنسی تو میرے نفس نا مطمئن کی وجہ سے؟ اور اس کا حاصل حصول، تدارک وسبب کیا، کیسے ہو گا؟''

یہ وہ سوچ تھی جہلتستان کی حسین وادیوں میں بھی اسے گھیرے تھی ایک بار پھر اس کے ذہن میں آئی اور توحید سے متعلق سوالات سر اٹھا رہے تھے، اسے ایسے مہربان، ہمدرد کی تلاش تھی ایسا رہبر چاہیے تھا جو اس کے اضطراب کو دور کر سکے ابہام و سوالات، شک وشبہات، الجھنوں کو درست طور جانچ کر اس کی بہتر اور کلی طور پر تسلی و تشفی کر سکے اور وہ کون ہو سکتا تھا۔

''فکر مت کرو یہاں سے واپسی پر میں تمہیں ایسے لوگوں سے ملواؤں گی جو تمہاری بہترین طور پر رہنمائی و تسلی کر سکتے ہیں، فی الحال یہ کچھ کتب ہیں انہیں پڑھو دیکھو، سوچو، پرکھو ہو سکتا ہے کہ تم کچھ پا سکو۔'' فاطمہ نے اسے مفکرین اسلام کی لکھی کتابیں دیں، جن میں مولانا مودودی کی کتاب ''دینیات'' نارویجن زبان میں تھی، سید قطب کی ''العالم فی الطریق'' کا انگریزی ترجمہ، قرآن کے عربی متن کے ساتھ علامہ عبداللہ یوسف علی مرحوم کا انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن بھی تھی، اب سے پہلے تک اسلام کو سمجھنے کے لئے اس نے جو کتابیں پڑھی تھیں وہ سب کی سب غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تھیں، جو انہوں نے اپنے مطابق لکھی تھیں۔

اب یہ اسلامی مفکرین کی کتابیں اسلام اور محمدؐ کا کون سا رخ سامنے لاتی ہیں اسے اپنی عقل سلیم کا استعمال کرتے ہوئے دیکھنا تھا۔

اور اس کے لئے ضروری تھا وہ ذہنی وروحانی طور پر پرسکون ہوتی، اگرچہ وہ مطالعہ کی رسیا تھی پھر بین الکلیائی مذاہب اس کا پسندیدہ موضوع مگر اپنے شوق کو دباتے ہوئے اس نے یہ کتابیں بہت احتیاط سے اپنے سفری بیگ میں رکھیں اور اس کا ارادہ یہاں سے واپسی پہ انہیں پڑھنے کا تھا کیونکہ بلتستان میں ان کا شیڈول خاصا ٹف تھا، جس میں مطالعہ کے لئے ٹائم نکالنا مشکل تھا۔

خوبصورت علاقے کے خوش اخلاق لوگ اور ہمراہ سفر کرنے والے سٹوڈنٹس کا بہترین انداز تکلم لڑکیوں کی سلیقہ شعاری، خوب سیرتی سے ماریا بہت متاثر تھی، اسے یہ سب لوگ اچھے لگے متوازن رویے رکھنے والے حب الوطنی اور حب انسانی کے جذبہ سے سرشار شائستہ مذاق مہذب گفتگو کرنے والے خوبصورت لوگ یہاں اس جگہ اپنے ملک وقوم اپنے ہم مذہبوں سے دور اسلام کی سب سے بڑی خوبی

اس پر واضح ہو رہی تھی کہ اسلام تنگ نظری اور تعصب کا شدید مخاطب ہے وجہ صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہی نہیں مرمت ومحبت برتتا بلکہ کل بنی نوع انسان خواہ وہ کسی نوع انسان خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں، ہمدردی اور مساوات کا حکم دیتا ہے وہ تفریق کا نہیں بلکہ اتحاد انسانی کا قائل ہے۔

اور یہ سب سمجھ چکنے کے باوجود خاموش تھی ابھی اسے بہت کچھ جانچنا تھا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے وہ حجاب کو مسلم عورت پر ظلم کی علامت سمجھتی تھی، اسے اب بھی برقعہ میں ملبوس ایک مسلم عورت، عیسائی نن یا بدھ سٹ راہبہ کی خارجی ہیت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا، اس کے ہمراہ سیاحت کرنے والی لڑکیاں بھی ہوٹل کے کمرے سے باہر نکلتے ہی سروں کو ڈھانپ لیتی تھیں جبکہ وہ اب سے پہلے تک مغربی طرز کا لباس منی سکرٹ، پینٹ، ہاف پینٹ اور چھوٹی بلاؤز کے آستین استعمال کرتی تھی اور یہاں اکثر لوگوں نے اس کے لباس وفیشن کو گھور کر ناگوار نگاہوں سے دیکھا تھا۔

استفسار پر سعید صاحب نے سمجھایا تھا کہ اسلامی ثقافت میں خواتین کا جسم نظر نہیں آنا چاہیے، یہ غیر معمولی رویہ اور انوکھا تجربہ تھا بہر حال جیسا دیس ویسا بھیس کے مصداق ماریا، انجیلا، جیفر، کیتھرین سب نے شلوار قمیض اور دوپٹے خریدے تھے جنہیں انہوں نے پہنا تو ایک بار تو خوب قہقہے لگے تھے کہاں چست پینٹ اور منی سکرٹ کہاں یہ لمبی پوشاک اور تنبو نما دوپٹے، کچھ بھی تھا یہ نرالی طرز کا لباس اس کے نزدیک انتہا پسندی اور مظلومیت کا مظہر تھا اور اس نے اپنی ساتھی لڑکیوں سے دریافت بھی کیا۔

''برقعہ کے اندر مسلم عورت آسانی سے سانس کیسے لیتی ہے اور اسے کیوں پہنتی ہیں؟''

''پہنتی اس لئے ہیں کہ عورتوں سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ غیر مردوں سے اپنا جسم پوشیدہ رکھیں کیونکہ کمزور طبیعت کے مردوں کو عورتوں کی دلکشی اور حسن کے تحریف کو روکنے میں پریشانی ہوتی ہے۔''

''اس لئے کہ یہ معاش اقدار، حیا، شرم، خاندانی وقار کا تقاضا ہے مناسب اور حیادار لباس ہی انسانی اخلاق ومعیار وضع کرتا ہے، ورنہ انسانی خواہشات اور وظائف جسمانی کی کھلے بندوں تکمیل تو جانور بھی کر لیتے ہیں، انسان کو اگر اشرف المخلوقات کا درجہ ملا ہے تو اسی بدولت کہ انسانی تہذیب نے شرم کا احساس اس کے اندر ابھارا۔''

''کسی کے لباس وحلیہ سے انسانی اخلاق کا پست واعلیٰ کیسے جج ہو سکتا ہے؟'' ماریا نے تیکھے انداز میں پوچھا تو مسکراتے ہوئے ایک حجاب زدہ لڑکی نے کہا۔

''آسان الفاظ میں اس کی وضاحت یوں ہے کہ ناکافی یا عریاں لباس کا مطلب ہے، اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو مجھے لے جا سکتے ہیں۔'' حجاب صاف طور سے یہ بتاتا ہے کہ ''میں آپ کے لئے ممنوع ہوں۔'' یہ وہ وضاحت تھی جو ماریا جوزف کو فوراً کلک کر گئی، پردہ جو مغرب میں مسلم عورت کے لئے ظالم ومظلوم، غالب ومغلوب کا تصور ابھارتا ہے جبکہ ایک عورت اللہ کے فرمان کی اتباع میں اپنے آپ کو چھپائے رکھتی ہے تا کہ اس کو احترام حفاظت اور معاشرے میں عظمت وعزت حاصل ہو، تعصب کی عینک لگا کر کوئی ایک مسلم عورت کے مقام کا مشاہدہ کرنے کے لائق نہیں ہو سکتا۔

(جاری ہے)

کہو مجھ سے محبت ہے

ام مریم

مکمل ناول

"شادی کے انداز" کتنا عرصہ بعد میاں بیوی، بہن بھائی جیسے بن جاتے ہیں؟"

ٹاک شو کے ہوسٹ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے معروف انیکر سے سوال کیا تھا، جواباً حاضرین و ناظرین میں دبے دبے انداز کی ہنسی بکھر گئی، زبیہ نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر آواز کا والیوم بڑھایا تھا ساتھ ہی کنکھیوں سے حیدر کی جانب دیکھا جو ہرگز متوجہ نظر نہیں آتا تھا، ہاتھ میں موجود سیل فون کے کی بورڈ پہ اس کی انگلیاں تیزی سے ٹیکسٹ ٹائپ کرنے میں مصروف تھیں، زبیہ نے محض اس کی توجہ حاصل کرنے کو آواز کچھ اور تیز کی۔

"سال دو سال بعد لازمی، دیکھو ناں یار جیسے ہی اک دو بچے ہوئے بس میاں بیوی دونوں ہی بے زار، اکتائے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں، بیوی بچوں کی اور گھر کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اور مرد کاروبار کے بکھیڑے میں الجھ جاتے ہیں، ایسے میں اگر کبھی مرد رومینٹک ہونے کی کوشش بھی کرے تو بیوی اس کوشش کو بڑی صفائی سے ناکام بنا دیتی ہے، "منے کو بخار ہے، بڑے والے کے اسکول سے مسلسل کمپلین آ رہی ہے، آپ سے تو اتنا بھی نہیں ہوتا کبھی جا کر پتا ہی کر آئیں" یعنی دنیا بھر کا خشک اور جتلاتا ہوا شکایتی لہجہ، اب ہونا ہے رومینٹک موڈ کا ناس کہ نہیں؟"

معروف انیکر اپنے مخصوص پر مزاح انداز میں فرما رہے تھے، زبیہ سخت جز بز ہوئی تھی یہ دیکھ کر کہ حیدر کی توجہ ہنوز سیل فون پہ تھی، کچھ کہے بغیر اس نے فون پہ جھپٹا مارا تھا، حیدر بری طرح بد مزا ہوا۔

"اُفوہ! کیا مسئلہ ہے بھئی، ادھر دو میرا

فون۔" وہ لمحوں میں ہی کیسے جھنجلا کر رہ گیا تھا، چہرے پہ کتنی کوفت تھی، زینیہ کا دل اداسی سی سمیٹ کر رلانے لگا۔

"ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مگن ہوتے ہیں، کچھ تو وقت مجھے بھی دے دیا کریں۔" وہ ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی، انداز کسی قدر روہانسا تھا، حیدر نے بے دریغ گھورا۔

"ساتھ تو بیٹھا ہوں تمہارے، اب کیا جھولا جھلانے لگوں؟"

"کسی پہ توجہ دینا جھولا جھلانا ہوتا ہے؟ پہلے آپ مجھے جھولا جھلایا کرتے تھے؟" اس نے تلخی سے کہتے اسے گھورا اور اس کا سیل فون اس کے سامنے پٹخ دیا تھا۔

"اگر لڑکیوں کو ہی میسج کرنے ہیں تو یہاں بیٹھنے کی بھی ضرورت نہیں، جاؤ چلے جاؤ مجھے بھی تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" اس نے رقت آمیز آواز میں چیختے ہوئے کہا اور باقاعدہ رخ پھیر لیا، حیدر نے متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھتے تھکا ہوا سانس بھرا تھا، اسے زینیہ سے ہمیشہ یہی شکایت رہی تھی کہ وہ غصے میں ادب و آداب بھول کر تو تکار پہ اتر آیا کرتی تھی۔

"یار کیا ہو گیا ہے تمہیں زینیہ! دو بچوں کی ماں ہو کر بھی تم میں ابھی تلک بچپنا موجود ہے اور......"

"ہاں ہاں اسی بات کو تو تم مجھے سزا دیتے ہو، دو بچوں کی ماں جو ہوں میں، اب تمہارے لئے مجھ میں بھلا کیا اٹریکشن بچی ہوگی، اب تو یہی کرو گے تم۔" حیدر کی بات کاٹ کر وہ اس پر چڑھ دوڑیں، انداز بے حد بھڑکا ہوا شعلہ ساماں تھا، حیدر کی عاجزی اس کے دھیان میں کہاں آ سکتی تھی، وہ اس درجہ بدگمانی کے مظاہرے پہ اسے بے بسی چھلکاتی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

"اوکے، آئی ایم ساری، تم ہرٹ ہوئیں، بتاؤ کیا چاہتی ہو تم؟" حیدر کا لہجہ و انداز مصالحانہ

"ایکسکیوزمی مسٹر حیدر حسن شاہ، میں آپ سے کیوں کچھ چاہنے لگی، یاد رکھا کریں کہ میرا شمار کبھی بھی آپ کے آگے پیچھے پھرنے والی ان فضول اور تھرڈ کلاس لڑکیوں میں نہیں ہوا جو پکے ہوئے پھل کی طرح سے جھولی میں گرنے کو تیار رہتی ہیں، میری طرف سے آپ بھاڑ میں جاؤ۔" وہ برہمی سے چیخی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی، اس کے لہجے کی تضحیک اور ذلت حیدر کے خون کو بعد میں بھی کتنی دیر تک کھولاتی رہی تھی مگر اس نے خود کو بھڑکنے نہیں دیا تھا، اسے اندازہ تھا زینیہ پہ ہی گھر اور بچوں کی تمام ذمہ داریاں ہیں، وہ تھک بھی تو بہت جاتی تھی، اس نے سوچا تھا وہ زینیہ سے نرمی سے رسان سے بات کرے گا، اس کے مسائل سنے گا، انہیں حل کرنے کی کوشش کرے گا، اس کی شکایتیں دور کرے گا، مگر کچھ سوچیں، کچھ باتیں محض تسلی اور ڈھارس کی حد سے آگے نہیں بڑھ پاتی ہیں، یہ بھی ایسی ہی سوچ تھی، یہ بھی ایسی ہی بات تھی، جو آنے والے دنوں میں اس کی مصروفیات کی نذر ہو کر رہ گئی اور حیدر کو احساس تک نہ ہو سکا۔

☆☆☆

"آج جلدی گھر آ جائیں گے؟" زینیہ نے اذان کا یونیفارم بدلتے ہوئے لحظہ بھر کو سر اٹھا کر حیدر کو دیکھا جو آئینے کے آگے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا، اس سوال پہ بھنوؤں کو سوالیہ انداز میں جنبش دی مگر اس پہ نگاہ ڈالے بغیر، اس کام کی شاید اب اس کے پاس فرصت نہیں ہوتی تھی کہ اسے دیکھے، سراہنا تو بہت دور کی بات ٹھہری تھی، گئے تھے وہ وقت جب اس کے انداز کی وارفتگی اور والہانہ پن زینیہ کے چھکے چھڑائے

رکھا کرتا تھا، تب وہ کتنی عاجز ہوا کرتی تھی، حیدر کے ہر وقت کے رومینٹک موڈ سے، مگر اب وقت تبدیل ہو گیا تھا، حیدر کو اس سے کہیں زیادہ دوسروں کی پرواہ تھی، اپنی اپنے کریئر کی اور ان بے شمار لاتعداد فینز کی جن کی وجہ سے ہی بقول اس کے وہ آج شہرت و عزت کی بلندیوں پر پرواز کرتا تھا، زینیہ کا اور بچوں کا کیا تھا، وہ تو گھر پہ اسی کے لئے ہوتے تھے، بھلا جتنی مرضی مشکل سے کیوں نہ کڑی حاصل کی ہو، اک بار بیوی بن جائے، پھر اسے کہاں جانا ہے، بچوں کی ماں بن گئی تو اور بھی بے فکری ہوئی۔

زینیہ کو پورا یقین تھا یہی سنہرے خیالات ہوں گے حیدر کے، جن کا بھلے کبھی اس نے اس کے سامنے ذکر تک بھی نہ کیا تھا۔

"آپ کو نہیں پتا میں کیوں کہہ رہی ہوں؟" وہ اذان کو یونیفارم پہنا چکی تھی، اب اس کے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے ناچاہتے ہوئے بھی گلسی لہجہ ہلکا سا ہی مگر طنز سمیٹ لایا تھا، یعنی حد تھی اس بندے کی بے حسی اور لاتعلقی و بے نیازی کی بھی، اسے یہ تک بھول گیا تھا، آج کا دن ان کی شادی کا دن تھا، وہ دن جس کے کتنے جتنوں کے بعد اس نے دعاؤں سے من کی مراد پائی تھی، جو خود اس کے بقول اس کی زندگی کا ناقابل فراموش اور خوش قسمت ترین دن تھا، اب وہ اسے ہی بھول بیٹھا تھا، محض پانچ سالوں میں، اس کا دل دکھ سے بوجھل ہونے لگا تو آنکھیں بھرا آئیں۔

"افوہ زینیہ ہر بات میں بحث نہ کیا کرو، سیدھی طرح سے بتا دو؟ میں آ جاؤں گا۔" برش ٹیبل پہ پھینکتے ہوئے وہ ہلکے سے جھنجلایا اور گاڑی کی چابیوں کے ساتھ ساتھ اپنا سیل فون بھی اٹھا کر کوٹ کی جیب میں منتقل کرنے لگا، توجہ اب بھی اس کی جانب نہیں تھی، زینیہ کو ہتک کے شدید احساس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس نے ہونٹ بھینچے اور اذان کے جوتے پٹخ کر تن فن کرتی کمرے سے نکل گئی، اذان پیچھے چنچنارہ گیا تھا۔

"مما شوز تو پہنا دیں۔" مگر اس نے سنا کہاں، حیدر اک لمحے کو ٹھٹکا ضرور تھا مگر اس کی توجہ بٹ گئی، اس کے سیل پہ ملک کے سب سے بڑے پروڈیوسر کی کال آ رہی تھی، جو آج کل اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتا تھا تو یہ اس کی لک اور پبلک ڈیمانڈ ہی تھی جو اس کے نخروں اور بھاری بھرکم معاوضے کے باوجود ہر ڈائریکٹر پروڈیوسر کی خواہش تھی وہ ان کے لئے کام کرے، اس میں شک تھا بھی نہیں کہ جس پراجیکٹ میں حیدر کو شامل کر لیا جاتا، اس کے کلک کر جانے میں کوئی شک رہتا ہی نہیں تھا، پھر وہ کیوں نہ اکڑتا، پھر وہ کیوں نہ ناز اٹھواتا زینیہ بھی عجیب تھی، اس کی کامیابیوں، شہرت اور بے تحاشا مقبولیت پہ کبھی خوش ہی نہ ہو سکی، بلکہ متفکر و بے کل رہا کرتی، یہ بے کلی ویسے ویسے سوا تر ہوتی جاتی تھی جیسے جیسے حیدر کی مقبولیت میں اضافہ ہوا تھا۔

وہ اس کے معاملے میں حد سے زیادہ حساس تھی، ضرورت سے زیادہ پوزیسو، حیدر کو ہوا بھی چھو جاتی اس کے سامنے تو اس کا بس نہ چلتا اس سے بھی لڑ پڑے۔

رقابت تو محسوس کرتی ہی تھی، ایسے میں حیدر کا شوبز میں ہونا دوسری لڑکیوں سے بات کرنا، کام کرنا اسے کس قدر برا لگ سکتا تھا یہ بس وہی جانتی تھی، ان چند سالوں میں اسے نے جی بھر کے اپنا خون جلایا تھا اسی ایک بات کے پیچھے اور کیا کچھ نہ کر دیکھا تھا حیدر کو اس شعبے سے الگ کرنے کے لئے، منت سماجت سے لے کر دھونس غصہ دھمکی، مگر حیدر پہ مجال ہے جو اثر ہو،

ایک واحد یہی اس کا مطالبہ تھا جو حیدر نے شادی کے شروع دنوں میں مانا تھا نہ آج ابھی تک۔

وہ جتنی اس کی محبت میں دیوانگی اختیار کر رہی تھی، حیدر کی محبت کے رنگ اسی تیزی سے پھیکے پڑتے جا رہے تھے، کبھی کبھار تو باقاعدہ رونے بیٹھ جاتی تھی سر پکڑ کے، کیسا بے حس انسان تھا، اسے کٹھن راہوں کا مسافر بنا کر بے اعتنائی اوڑھ لی تھی، یا شاید اس کی محبت کی شدتوں کو پرکھ کر ہی بے نیاز بن گیا تھا، جبھی تو پرواہ کرنا چھوڑ دی تھی، جیسی بھی بات ہوتی، زینیہ کو ہی اسے منانا پڑتا وہ خفا ہوتی بھی تو کیسے، محبت کی بے بسی ایسا ہونے ہی نہ دیا کرتی، ادھر خفا ہوتی ادھر پھر ویسی۔

یہی وجہ تھی کہ صبح جتنے بھی غصے میں تھی، چند گھنٹوں بعد اسے ٹیکسٹ کرنا نہیں بھولی، جس میں جلدی آنے کی وجہ بیان کی گئی تھی، حیدر شوٹ پہ تھا، فارغ ہونے پہ اس نے اس کا ٹیکسٹ دیکھا تو مسکراہٹ ضبط نہیں کر سکا۔

''یار اگر تم مجھے صبح ہی بتا دیتیں تو میں گھر سے جاتا ہی نہیں، آخر اتنا خاص الخاص دن ہے آج ہماری زندگی کا، جس کی یادیں دہراتے، مزا آتا۔'' حیدر نے فون پہ ہنستے ہوئے اس سے چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا تھا، زینیہ جتنی بھی سرشار ہوئی ہو، اس پہ ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''ہاں، جیسے اتنے ہی اچھے ہیں ناں آپ۔'' وہ منہ پھلا کر جتلائے بغیر نہیں رہی، لہجہ صاف نروٹھا تھا۔

''افوہ بیوی! موڈ خراب کرنے کی ضرورت نہیں، ٹائم پہ تیار ہو جانا، ہم باہر چلیں گے، بچوں کو ماما کی طرف چھوڑ دیں گے اوکے؟'' وہ تائید چاہ رہا تھا، زینیہ بالآخر مسکرا دی، روح تک جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

''گفٹ میری پسند کا ہو گا؟'' اس نے فرمائش جاری کی، جسے حیدر نے بلا تامل مان لیا۔

''جو حکم سرکار!'' وہ سر تسلیم خم کر کے دھیمے سروں میں ہنسا تھا، پھر اسی دن کی شام جب وہ گھر لوٹا، زینیہ نے ہمیشہ کی طرح بہت تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا، وہ ہر روز اس کے آنے پہ ایسا پروٹوکول دیا کرتی جیسے وہ سالوں بعد کہیں سے گھر آیا ہو، وہ اس سے محبت کرتی تھی، اس کی محبت اس کے ہر انداز سے چھلکتی نظر آیا کرتی، بس اک خرابی تھی اس میں زبان سے اظہار کی قائل نہیں تھی، حالانکہ حیدر اسے اکثر چھیڑا کرتا تھا شروع میں۔

''زوجہ کبھی آپ بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کر لیا کریں، آئی تھنک شوہر سے اظہار محبت میں ہرگز کوئی مضائقہ نہیں ہے، نہ کوئی فتوی لگتا ہے۔'' جواب میں وہ کتنا جھینپ جاتی، گلابی چہرا سرخ پڑنے لگتا۔

اس کی لمبی پلکیں جھک کر لرزنے لگتیں جنہیں حیدر متبسم نظروں سے دیکھتا رہتا۔

''مجھے اچھا لگے گا، تم کہو تو۔'' وہ اصرار کیے جاتا وہ اسی قدر گریزاں، کبھی کبھار تو حیدر زچ ہو جاتا۔

''مجھے تو لگتا ہے تمہیں مجھ سے کوئی محبت وحبت ہے ہی نہیں۔'' اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ ہوتی، زینیہ کی جان ہوا ہونے لگ جاتی۔

''ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ اگر محبت نہ ہوتی تو شادی کیوں کرتی بھلا؟ ورنہ وہ تھا نا زرک بھی مگر......''

''اچھا ٹھیک ہے، کوئی ضرورت نہیں اس بندے کا دوبارہ نام لینے کی۔'' حیدر کو زرک اک آنکھ بھی نہیں بھاتا تھا، جبھی ناگوار انداز میں ٹوک

دیا کرتا، وہ تو شکر تھا اس کی شادی کے فوراً بعد زرک پاکستان سے چلا گیا تھا، ورنہ تو زینیہ کو یقین تھا اس کی موجودگی میں حیدر اس کے میکے جانے پہ ہی پابندی لگا دیتا، اتنی ہی چڑ تھی اسے زرک سے۔

''آپ چائے پی لیں پھر فریش ہونے کے بعد چینج کر لیجئے گا، میں تب تک بچوں کو تیار کر لوں۔'' وہ خود بلیک جھلملاتی ساڑھی میں آسمان سے اتری ہوئی حور سے مشابہہ ہی لگ رہی تھی، پانچ سال پہلے کی طرح آج بھی اس کا حسن قیامت خیز تھا، پورا وجود آج بھی شعاعیں بکھرتا تھا، یوں جیسے موم کے گلابی مجسمے سے روشنیاں پھوٹ رہی ہوں، ہاف آستینوں سے جھانکتے اس کے چاندی جیسے بازو دور سے ہی اپنی ملاحت و نزاکت کا احساس بخشتے تھے، اسے پورا یقین تھا آج حیدر اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکے گا، اتنا ہی دل سے تیار ہوئی تھی وہ۔

اذان اور عیشیہ کو کپڑے پہناتے، تیار کرتے وہ حیدر کے بھی آگے پیچھے پھرتی رہی، خواہش تو وہی تھی، جواب کچھ عرصے سے حسرت بنتی جا رہی تھی، شوبز کی چکا چوند گلیمرس گرلز کے سامنے اس کا قدرتی اور خالص روپ شاید ماند پڑتا تھا، اب آب تاب کھونے لگا تھا، جبھی تو وہ اسے سراہنا بھولتا جا رہا تھا، اب بھی حیدر چائے پیتے سیل فون پہ کچھ ای میلو چیک کرتے بچوں سے لاڈ کرتے اسے ستائشی نگاہوں سے نوازنا یاد نہ رکھ سکا۔

''بابا آپ مما کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ میں بھی چلوں گا۔'' اذان آ کر اس کی گود میں سوار ہو گیا، اسے اس بات سے کیا غرض ہو سکتی تھی کہ اس کے باپ نے کس قدر مہنگا اور قیمتی سوٹ زیب تن کر رکھا ہے۔

''نہیں سویٹ ہارٹ! آپ دادو کی طرف رہو گے، آج کی شام ہم نے آپ کی مما کے نام کی ہوئی ہے۔'' سیل فون سائیڈ پہ رکھتے اس نے اذان کے چھوٹے چھوٹے گداز بازو بڑے پیارے انداز میں اپنے گلے میں حمائل کرتے ہوئے کسی قدر شریر نظروں سے عیشیہ کے ریشمی بالوں کی پونیاں بناتی زینیہ کو دیکھا تھا جو اس کی نظروں کی تپش کو پا کر خود کو پگھلتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

''بابا آج مما بہت کیوٹ لگ رہی ہیں نا؟ عیشیہ کی باربی ڈول کی جیسی؟'' اذان نے اس کے گلے سے بانہیں نکالیں اور اس کا چہرا اپنے ننھے سے ہاتھوں میں لے کر تصدیق چاہی ماں کی طرح وہ بھی حیدر کی پوری توجہ کا متمنی ہوا کرتا تھا۔

''ہاں بیٹے! کیوں نہیں۔''

حیدر کے سیل پہ میسج ٹون بجی تھی، وہ ایک بار پھر سیل پہ متوجہ ہو چکا تھا، اذان کی بات کا جواب جتنی بے دھیانی میں دیا تھا، وہ انداز ہی زینیہ کو سلگانے بلکہ آگ لگانے کا باعث بن گیا، اس کی بے توجہی پہ وہ پہلے ہی کچھ کم نہیں جھنجھلائی جا رہی تھی، اب تو جیسے اس کی توہین کی حد ہو گئی تھی۔

''اذان کوئی ضرورت نہیں ہے ان سے زبردستی کی تعریفیں کروانے کی، اٹھو آپ، اندر چلو۔'' وہ تلملا کر اٹھی تھی اور کس قدر جارحانہ انداز میں اذان کی کلائی پکڑ کر کھینچا اور حیدر کی گود سے نکال لیا، اذان تو سہما ہی سہما خود حیدر بھی اس درجہ شدید ردعمل پہ ششدر رہ ہوا تھا۔

''بی ہیو یور سیلف زینیہ! دس از ٹو مچ۔''

اس کا افلاطونی قسم کا غصہ آن کی آن میں عود کر آیا تھا جس نے آنکھوں کو دہکایا اور رنگت بے تحاشا سرخ کر دی، زینیہ اس کے اس غصے سے بہت خائف رہا کرتی تھی، اس وقت بھی ایک دم دہک

سی گئی۔

"میں نے آپ سے تو کچھ نہیں کہا، آپ کام کریں اپنا۔" اس کا لہجہ مدھم اور شاکی تھا، حیدر نے پرتپش نظروں سے دیکھا تھا اسے پھر اسے کچھ دیر یونہی گھورتا رہنے کے بعد اسی جھلسے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

"تمہیں پتہ بھی ہے زینیہ، مجھے بچوں کے ساتھ تمہارا مس بی ہیو بالکل پسند نہیں، آخر کس بات کا غصہ ہے تمہیں، ان ڈائیریکٹ بات مت کیا کرو۔" اذان کو اپنے ساتھ لگائے وہ اسی انداز میں اسے ڈانٹ رہا تھا، زینیہ سر جھکائے بے دردی سے ہونٹ کچلتی آنسو پیتے گئی، مگر یہ کوشش ناکام تھی، جبھی ابلتی نمی پلکوں کی دہلیز پھلانگتی گالوں پہ مچل مچل کر بکھرنے لگی، حیدر گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

"آپ نے مما کو رلایا کیوں ہے بابا! آپ انہیں ڈانٹتے ہیں تو مجھے بالکل اچھے نہیں گندے بابا لگتے ہیں۔" اذان جھٹ اس سے الگ ہو کر زینیہ سے جا کر چمٹتے ہوئے اسے ملامت کرنے لگا۔

"اذان آپ بہن کے ساتھ لاؤنج میں جاؤ۔"

"میں مما کو چپ کرائے بغیر نہیں جاؤں گا۔" اذان کا انداز اٹل اور کسی حد تک ہٹ دھرم تھا، جو ظاہر ہے حیدر کو بالکل پسند نہیں آ سکتا تھا، جبھی اس کی جتلاتی ہوئی طنز آمیز نظریں لمحہ بھر کو زینیہ پہ آن کر ٹھہری تھیں، جن کا الزامیہ مفہوم پڑھ کر وہ اچھی خاصی چڑ گئی تھی۔

"اذان آپ باہر جاؤ بیٹے! آپ کی مما کو میں منالوں گا آئی سوئیر۔" بیٹے سے بات کرتے اس کا لہجہ و انداز نہ صرف مدھم بلکہ مفاہمتی بھی ہو گیا تھا، اذان کچھ دیر متذبذب سا اسے دیکھتا رہا پھر عیشیہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے چلا گیا، حیدر نے گہرا سانس بھر کے زینیہ کو دیکھا جو خود بھی وہاں سے جانے کو پر تول رہی تھی۔

"واٹس یور پرابلم زینیہ!" حیدر نے اس کی بازو کہنی کے پاس سے پکڑ کر زبردستی روکتے ہوئے کسی قدر شدید انداز میں سوال کیا تھا، زینیہ یکلخت ساکن ہو کر رہ گئی، آج اس کی شادی کی سالگرہ تھی اور یہ بے حس کٹھور شخص اسے کٹہرے میں کھڑا کیے باز پرس کر رہا تھا، یعنی سارا رومینس، ساری خوش اخلاقی اب گھر سے باہر تک محدود تھی، یعنی طے ہوا تھا اسے زینیہ سے اس کی پسند ناپسند سے کوئی مطلب نہیں تھا، اس کا دل اس کے جسم کی پور پور اس ناقدری بے مائیگی کے احساس سمیت سسک اٹھی، آنسوؤں کے سمندروں میں ڈوبنے لگی۔

"مجھے ہرگز کوئی مسئلہ نہیں ہے، چھوڑیں مجھے۔" وہ چیخی اور ایک جھٹکے سے بازو چھڑانا چاہا، انداز بھرپور متنفرانہ تھا، حیدر کی گرفت ایسی نہیں تھی کہ اس سعی پہ چھوٹ جاتی، بلکہ اس کے برعکس اس نے زینیہ کے بازو کو جو بے جوابی جھٹکا دیا تو وہ سنبھلے بنا اس کے اوپر آن کر گری تھی۔

"پتا نہیں کس کم بخت نے میری بیوی سے کہہ دیا کہ وہ اگر ہر وقت لڑتی جھگڑتی طعنے دیتی رہے گی تو اپنے شوہر کو زیادہ اٹریکٹو لگے گی، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔" اس کی مزاحمت کو ناکام بناتا ہوا حیدر اسے بازوؤں کے شکنجے میں کسے اس پر جھک کر کتنے مدھم بھاری اور گمبھیر لہجے میں سرگوشی کر رہا تھا، زینیہ کو جیسے سکتہ سا ہو گیا، اس نے آنسوؤں بھیگی پلکیں اٹھا کر اس کے ساحرانہ کشش کے حامل چہرے کو دیکھا تھا جس پہ اس پل دبی دبی شرارت اور مسکان کچھ اور بھی تحسین بنا کر اسے دکھا رہی تھی۔

"دس از ناٹ فیئر زینیہ! اگر اپنی تعریف کرانی تھی تو سیدھے کہا ہوتا، اس طرح جاہل بیویوں کی طرح طعنے مارنے اور بچوں کے سامنے جھگڑنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ہنس رہا تھا اور اسے جی بھر کے زچ کرنا چاہتا تھا، زینیہ کے اندر جو ابھی ٹھنڈے چشمے جاری ہوئے تھے، یکلخت جیسے الاؤ میں تبدیل ہونے لگے، یعنی وہ سب کچھ جان کر بھی انجان بنتا تھا یہ تو ڈبل جرم تھا اس کے نزدیک۔

"اس کا مطلب آپ......" وہ بھبھک کر کہنے جا رہی تھی کہ حیدر نے اس کے غصے میں کانپتے ہوئے ہونٹوں پہ بہت نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"اونہہ! بس سنو مجھے، اس وقت تم بہت پیاری لگ رہی ہو، بتاؤں کتنی پیاری؟ جتنی ہماری شادی پہ لگی تھیں، زینیہ تم میرے لئے خاص ہو، سب سے الگ، میرے بچوں کی ماں، جو کوئی اور نہیں ہے اور کبھی مت بھولا کرو کہ یہ مرتبہ، یہ مقام میں نے خود تمہیں بہت چاہ سے سونپا ہے اور کیا چاہتے تمہیں؟" اس کا لہجہ مدھم تھا، سحر طاری کرتا ہوا، روح میں دور تلک پھول کھلاتا ہوا، اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں حیدر! مگر آپ کو پتا ہے، محبت اظہار مانگتی ہے، میری محبت تو خاص طور پہ بہت وہمی ہے، بہت شکی، آپ سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ اسے اظہار سے تقویت پہنچاتے رہیں۔" اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتی وہ کتنی آسودہ کتنی سرشاری شکوہ کر رہی تھی، جواباً حیدر کی نگاہوں میں بہت ساری شریر چمک اور شوخی اتر آئی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا، مگر یہ اظہار صرف زبانی کلامی ہی کیوں، عمل کیوں نہیں، بس باہر جانے کا پروگرام کینسل، میں نے کہا نا، تم اتنی پیاری لگ رہی ہو جتنی ہماری شادی کے موقع پہ آ جاؤ، پھر اس رات کی یاد کو تازہ کر لیں۔" اس نے زاویہ بدل کر زینیہ کو اپنے پہلو میں جگہ دی تو زینیہ کی بوکھلاہٹ دیکھنے لائق ہو گئی، حیا آلود گلاب چہرے کے ساتھ شرم سے کٹتے ہوئے اس نے بے ساختہ ہاتھ چھڑایا تو چوڑیاں جلترنگ بجا اٹھیں تھیں۔

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں، میں تیار ہو چکی ہوں، اٹھیں آپ بھی، اتنے عرصے بعد تو کہیں مجھے ساتھ لے کر جانے پہ آمادہ ہوئے ہیں، ہرگز پروگرام بدلنے نہیں دوں گی۔" اس کا بے ربط لہجہ اس کے حجاب کا غماز تھا، وہ اتنے سال گزر جانے کے باوجود حیدر کے اتنے رومینٹک موڈ پہ یونہی بے اوسان ہو جایا کرتی تھی، جواباً اس کی حالت دیکھتے حیدر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"یہ حال ہے محترمہ کا، یعنی ہم میدان میں اترے نہیں اور ان کی پسپائی سامنے آ گئی نہیں، زوجہ ہمارے نزدیک تو محبت بھی یہی ہے اور اس کے اظہار کا فیئر طریقہ بھی، آپ کی طرح ہم خالی خولی ڈائیلاگز پہ یقین نہیں رکھتے۔" وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا، زینیہ خفت سے سرخ پڑنے لگی۔

"مجھے بس اتنا پتا ہے کہ میں آپ کی طرح بے شرم نہیں ہوں۔" کھسیا کر بس یہی کہہ سکی تھی وہ جواباً حیدر کا قہقہہ بہت بلند تھا۔

"میں باہر انتظار کر رہی ہوں، آنا ہو گا تو آ جائیے۔" وہ جھنجھلا کر کہتی دروازہ پار کر گئی، وہ شام بہت خوبصورت تھی وہ رات مگر اسی قدر زینیہ کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوئی، واپسی پہ وہ اک بار پھر روتی دھوتی ہوئی آئی تھی تو وجہ وہی ازلی

مسئلہ تھا، حیدر کو دیکھ کر لڑکیوں کا دیوانہ وار لپکنا اور حیدر کا جواباً انہیں اہمیت دینا، ایسے میں وہ شدت جواب دے گئی تھی تو عجب کیا تھا، اس نے پھر ساری رات آنسو بہائے تھے کہ حیدر نے پھر اس کی التجاء رد کر دی تھی، وہ بہر حال اس کی خاطر شوبز چھوڑنے پہ آمادہ نہیں تھا۔

☆☆☆

"افوہ زینیہ ناشتہ تو کرا دو مجھے یار۔" صبح کا وقت تھا اور اس کی بھاگ دوڑ جاری تھی، بسورتی ہوئی عشیہ کو کاندھے سے لگا رکھا تھا، ساتھ میں اذان کی اسکول کی تیاری کرا رہی تھی، اذان کے بھی باپ کی طرح سو نخرے ہوتے تھے، مزاج بے حد نازک تھا، اپنے معاملے میں بے حد پوزیسو، اسے پوری توجہ چاہیے ہوتی تھی، اب چونکہ زینیہ عشیہ کو اٹھائے تھی تو اسے کوفت اور جھنجلاہٹ گھیر رہی تھی جو بات بات میں چھلکتی پڑتی، کبھی یونیفارم کی شرٹ پر شکن نظر آ جاتی کبھی جوتے گرد آلود لگنے لگتے، وہ اتنا چھوٹا بچہ ابھی سے اتنا خود پسند اور نازک شاہانہ مزاج کا حامل تھا کہ زینیہ اکثر حیران پریشان تو اکثر زچ ہو کر رہ جایا کرتی۔

"ناشتہ تیار ہے، جا کر کر لیجیے۔" زینیہ نے ایک دھمو کا اذان کو لگا کر زبردستی جوتے پہناتے ہوئے کہا تھا بلکہ کہا کیا تھا چیخی تھی، اذان اس عزت افزائی پہ الگ، سائرن بجاتے رونے لگا۔

"کہاں جا کے کر لوں؟" حیدر نے اچنبھے میں گھر کر اسے دیکھا۔

"ڈائننگ ہال میں اور کہاں۔" وہ سر اٹھائے بغیر تڑخی۔

"مگر یار پہلے تو تم بیڈ روم میں لا کر دیتی تھیں ناشتہ۔"

"پہلے آپ اتنی جلدی نہیں اٹھتے تھے یاد رہے اور یہ آپ کے سپوت بھی یوں جونکوں کی طرح میری جان کو نہیں چمٹے ہوتے تھے، اتنا بڑا گھر اتنے کام اور بچے، سب مجھے اکیلی کو سنبھالنا پڑتا ہے، ایک ملازم رکھ دیا باہر کے کاموں کے لئے، جیسے احسان عظیم کر دیا ہو، میں رات دن کھپتی ہوں، بیوی نہیں نوکرانی سمجھ لیا ہے مجھے۔" وہ پھنکارنے لگی تھی، حیدر نے گہرا سانس بھرا تھا، آج اسے نجی چینل کے مارننگ شو میں بلوایا گیا تھا، ساتھ جو مہمان مدعو کی گئی تھی وہ وہی ایکٹریس تھی جس کے ساتھ پچھلے دنوں حیدر کا پلے سپر ہٹ گیا تھا، پبلک ان دونوں کی جوڑی کو دل و جان سے پسند کر رہی تھی، یہ شو بھی خالصتاً پبلک ڈیمانڈ کی بنا پہ ہی کیا جا رہا تھا، رات جب حیدر سے مارننگ شو کی کمپیئر بہت عاجزانہ انداز میں اسے مدعو کر کے شرکت پہ اصرار کر رہی تھی زینیہ نے سب کچھ سنا تھا اور حسب سابق و عادت جل بھن کر خاکستر ہوتی رہی تھی، موڈ کی اس درجہ تباہی کی اصل وجہ بھی یہی تھی، ابھی تو غنیمت تھا اسے آدھی بات معلوم تھی، یعنی اس ایکٹریس کی شو میں شرکت سے انجان تھی۔

"یار نوکرانی کی نوک ہٹا دو تو تم دل کی رانی بن جاؤ گی، بات ساری سمجھنے کی ہے۔" بسورتے ہوئے اذان کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے اس نے زینیہ کا موڈ بحال کرنے کو سرگوشی کی، مگر اس کے نقوش یونہی تنے رہے تھے۔

"میرا دماغ خراب نہیں کریں، ناشتہ کر کے جائیں۔" وہ بھڑکی تھی اور رخ پھیر کر عشیہ کو تھپکنے لگی، حیدر کو کھسیاہٹ میں جتلا ہوا تھا۔

"ہر وقت غصے میں تیوریاں چڑھائے رکھنے کا سب سے معمولی سائڈ افیکٹ چہرے پہ جھریاں پڑنا جلدی بڑھاپا آنے کی علامت ہے لڑکی ذرا سوچو یہی صورتحال رہی تو تم چند سالوں میں بالکل بوڑھی ہو جاؤ گی، بوڑھی ہو جاؤ گی تو مجھ جیسے ہینڈسم، ڈیشنگ آرمی کے ساتھ بالکل بھی سوٹ نہیں کرو گی، تب مجبوراً مجھے دوسری شادی کرنی پڑے گی۔" اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے زور سے ٹکراتا ہوا وہ گویا اسے کچھ بولنے پہ اکسا رہا تھا مگر کوشش کی ناکامی پر ٹھنڈا سانس بھر کے کاندھے اچکاتا ہوا چلا گیا اور زینیہ کی آنکھوں میں مچلتی نمی بہت بے تابی سے اس کے گال بھگونے لگی تھی، وہ بے حد زود رنج ہو رہی تھی، اس نے حیدر کی اس بات کو مذاق میں نہیں پوری سنجیدگی سے لیا تھا، اس کا خیال تھا حیدر کے منہ سے سچ پھسلا ہے، جلد یا بدیر اسے بہر حال یہی کرنا ہے۔

☆☆☆

"یہ دودھ لے لیں۔" وہ گلاس سمیت اندر آئی تو حیدر لیپ ٹاپ پہ بزی تھا، زینیہ کی اک نگاہ ہی پڑ سکی، اسکرین پہ حیدر اور اس کی ہیروئن کا چہرا تھا، اگلے لمحے اسکرین تاریک ہو گئی تھی، زینیہ نے حیدر کی جانب دیکھا اور ہونٹ بھینچتی ہوئی کچھ فاصلے پہ جا بیٹھی۔

"بند کیوں کر دیا، میں نے بھی نہیں دیکھا تھا۔" چوٹی کے بل کھولتی وہ ہیر برش اٹھا چکی تھی، دن میں تو اکثر اسے اتنا ٹائم بھی نہیں مل پاتا تھا کہ بال ہی سلجھا سکے۔

"تم نہ ہی دیکھو تو بہتر ہے۔" حیدر گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے پوری سنجیدگی سے بولا تو زینیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں؟" اس نے بھنوؤں کو سوالیہ اور کچھ تیکھے انداز میں جنبش دی۔

"یار پھر خوامخواہ مجھ سے جھگڑا کرتی ہو، اعتراضات ہوتے ہیں تمہیں۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا، زینیہ کے چہرے پہ عجیب سا تاثر اترنے لگا۔

"پرامس نہیں جھگڑتی، لگا دیں اب۔" وہ اگلی بات کہہ نہیں سکی "کہ اسکرین پہ تم بہت پیارے لگتے ہو، کتنے نرم ہوتے ہیں تمہارے سب تاثرات، گھر میں تو میں آپ کا یہ روپ دیکھنے کو ترس جاتی ہوں۔"

"کل اذان کے سکول میں پیرنٹس ڈے ہے، تم چلی جانا، میں اگر جاؤں گا تو...... یار اچھی بھلی معزز اور سوبر خواتین بھی مجھے دیکھ کر اپنے عہدے کا لحاظ تک بھول جاتی ہیں، یہ حال ہے ہمارے لوگوں کا، بتاؤ ہم ترقی کی دوڑ میں آخر پیچھے کیوں نہ رہیں گے، کہ لوگ ایک سیلبری کی ایک جھلک دیکھنے، آٹو گراف لینے، اسنیپس بنوانے یا پھر کوئی بے تکی پسندیدگی پہنچانے کو اپنے گھنٹوں کے حساب کے قیمتی وقت کو خوشی خوشی ضائع کر دیں گے۔" اس کے لہجے میں مخصوص نخوت اور بے اعتنائی تھی، جو اس شہرت نام اور عزت کے بعد آ جانا لازم ہوا کرتی ہے، کہ ابن آدم اتنی وافر مقدار میں ملی ہوئی کسی بھی نعمت کے بعد اوقات سے نکلنے، تکبر کرنے سے خود کو باز رکھ ہی نہیں پاتا، زینیہا سے خالی نظروں سے دیکھنے لگی، وہ کسی خوبصورتی سے اس کی بات کو بدل چکا تھا، جب بھی اسے زینیہ کی بات نہیں ماننی ہوتی وہ ایسے ہی نظر انداز کیا کرتا تھا، کہ وہ توہین سے سلگتی رہ جاتی، پر اک انا بھی تو ہوتی ہے، جو اسے اتنی عزیز تھی کہ اسے سرنگوں کر ہی نہ سکتی تھی، اس وقت بھی جتلائے بغیر خاموش بیٹھی رہی۔

"اک بات بتائیں گے حیدر؟" اس کے ہاتھ سے خالی گلاس لے کر رکھتے ہوئے زینیہ نے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دینی شروع کی، حیدر جو لیٹنے کے بعد اپنے اوپر چادر تان چکا تھا، یعنی سونے کی تیاری مکمل تھی جیسے طوعاً و کرہاً ہی اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

"کیا واقعی میاں بیوی شادی کے چند سالوں بعد بہن بھائی جیسی زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں؟" س کی مدھم آواز بے حد کھوئی کھوئی سی تھی، حیدر پہلے چونکا پھر برہم نظر آنے لگا۔
"یہ اتنی فضول بات کیوں کہی تم نے؟" اس کا لہجہ بے حد غصیلا ہوا تھا آن کی آن میں، یعنی حد تھی جہالت کی بھی۔
"میں نے تھوڑی کہی، اس دن ٹی وی پہ کہہ نہیں رہے تھے؟" زینیہ نے جواباً خفگی سے جتلایا۔
"ٹی وی پہ جو بھی بکواس کی جائے گی وہ ضروری ہے عقل کی بات ہو، نری فضولیات۔" وہ اسی قہر بھرے انداز میں سر جھٹک رہا تھا، اسی خراب موڈ میں پھر لیٹنے کے بعد کروٹ بدل لی، اگلے چند لمحوں میں وہ غنودگی میں جاتا اسے لائٹ بند کرنے کا کہہ رہا تھا، زینیہ اسے نم آنکھوں سے دیکھتی رہی۔
"کم از کم تمہیں اس بات پہ غصہ نہیں آنا چاہیے کہ تم خود..... ہاں شاید تمہیں اسی وجہ سے غصہ آیا کہ تم خود اتنی روکھی پھیکی زندگی گزار رہے ہو میرے ساتھ، صبح اٹھنا، گھر سے چلے جانا، واپس آ جانا، کھانا پینا، سو جانا، یہ بھی کوئی زندگی ہے، تمہیں تو یہ بھی یاد نہیں ہوگا اب حیدر کہ میری آنکھوں کا رنگ کیسا ہے، تمہیں اگر میں پوچھوں کہ میں آخری بار کب تیار ہوئی تو تم جواب میں بغلیں جھانکنے لگو گے، تمہیں کیا مجھے بھی خود یاد نہیں رہا ہے کہ تم نے آخری بار مجھ سے محبت کا اظہار کب کیا تھا، یہ سب کبھی نہ ہوتا حیدر اگر تم یہ سارے جذبے باہر نہ لٹا آتے ہوتے، ایسا سب کبھی بھی نہ ہوتا اگر تم ان منحوس ڈراموں میں کام نہ کرتے ہوتے۔" گھٹنوں میں منہ چھپائے وہ سسک سسک کر بلک بلک کر رونے میں مشغول تھی، اس کی کراہیں اس کی سسکیاں جس کے لئے تھیں اس کے خراٹوں کی آواز میں دب رہی تھیں۔

☆☆☆

"بابا آ گئے۔"
زینیہ دونوں بچوں کے ہمراہ لاؤنج میں موجود تھی، اذان اسی سے ہوم ورک کرتا تھا لیکن بہت تنگ کرتے ہوئے، ابھی بھی وہ لفظ لکھے تھے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی وقت وہاں آئے حیدر کی ٹانگوں سے جا کر لپٹ گیا، زینیہ نے کچھ کہے بغیر اس کی کاپی بند کر کے بیگ میں رکھ دی اور گود میں سوئی عیشہ کو تھپکنے لگی۔
"السلام علیکم!" حیدر جو اس کی اس بے وجہ لاتعلقی پہ حیران ہو رہا تھا، جھک کر اذان کو اٹھاتا خود گفتگو میں پہل کر گیا، جس کا جواب زینیہ نے منہ میں دیا ہو تو دیا ہو، اس کے گنہگار کان سننے سے ضرور قاصر رہے۔
"بابا جانی اذان آئس کریم کھائے گا، اسٹرابری فلیور او کے؟" اذان کا فرمائشی پروگرام نشر ہونا شروع ہوا تھا جس نے اس کے ہونٹوں پہ دلکش مسکان بکھیر دی۔
"شیور سویٹ ہارٹ؟ آپ ذرا جا کے بابا کو پانی تو لا کے دو، فریج سے بوتل نکال لانا۔"
زینیہ کے بیگانگی چھلکاتے انداز پہ جتلاتی نگاہ ڈالتے اس نے اس کے حصے کا کام اذان کو سونپ کر گویا اسے در پردہ احساس دلانے کی کوشش کی تھی مگر بے سود، ادھر مجال ہے جو بے رخی چھلکاتے تاثرات میں کمی ہوئی ہو۔
"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" اذان جیسے تیسے پانی کی بوتل نکال کر لایا تھا، جس کا ڈھکن کھول کر منہ سے لگانے کے بعد آدھی سے زیادہ

اک سانس میں ہی خالی کرتے ہوئے حیدر نے گہری نظروں سے زینیہ کا جائزہ لیا۔
"مجھے کیا ہونا ہے ظاہر ہے، انسان نہیں روبوٹ ہوں میں، تھک تو سکتی نہیں، سارا دن جانوروں کی طرح کام کرتے اور......" وہ جو ناگواری سے حیدر کو تک رہی تھی تلملا کر بولتی چلی گئی۔
"ایک منٹ زینیہ! جہاں تک میڈ نہ رکھنے کی بات ہے تو اس کی تمام تر ذمہ داری تم پہ ہے یاد کرو، تم میل یا فی میل کوئی بھی سرونٹ گھر میں آزادانہ چلتے پھرتے برداشت نہیں کر سکتی تھیں، ٹھیک ہے، میل کا تمہیں اپنے پردے کے لئے جبکہ فی میل کا میری جانب سے خطرہ تھا، حالانکہ ضروری نہیں ملازمہ کوئی نوجوان لڑکی رکھی جاتی، ادھیڑ عمر عورت کی بھی ملازمائیں دستیاب ہو سکتی ہیں مگر تم......"
"ہاں! بالکل ٹھیک، سارا قصور ہی میرا ہے، آپ تو بری الذمہ ہیں ہر الزام سے۔" وہ بے ساختہ چیخی تو حیدر نے ناگوار نظروں سے اسے گھور کر دیکھا۔
"ڈونٹ شاؤٹ زینیہ! بچوں کے سامنے تمہارا معمولی معمولی باتوں پہ چیخنا اور جھگڑنا مجھے بالکل پسند نہیں، ابھی تک تمہیں یہ اتنی سی بات بھی کیوں سمجھ نہیں آ سکی؟" حیدر کا لہجہ شدید تھا، آواز دبی ہوئی مگر شعلہ بار تھی، زینیہ کو جیسے صحیح معنوں میں آگ لگی۔
"ہاں ہاں ساری غلطی ہی میری ہے، میں ہی غلط ہوں، تم تو جو کچھ مرضی کرتے رہو، تم پہ کوئی دفعہ نہیں لگتی، ہے ناں؟" وہ اتنا آپے سے باہر ہوئی تھی کہ اٹھ کر اسے دھکا دے کر چلانے لگی، حیدر کو اس کی اس احمقانہ ردعمل نے ذہنی کوفت میں مبتلا کیا تھا، کچھ کہے بغیر وہ اذان کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔
"آپ کارٹون دیکھو بیٹے۔" اس نے ٹی وی آن کر کے اسے صوفے پہ بٹھایا۔
"بابا! مما کیوں غصہ ہو رہی تھیں؟"
"کچھ نہیں بیٹے! ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ فنگر چپس کھاؤ گے؟" اس نے ریموٹ کنٹرول اذان کے ہاتھ میں دیتے اس کا مکمل دھیان بٹانا چاہا اور کامیاب رہا۔
اذان خوش ہوا تھا اور سر کو اثبات میں ہلاتے اپنے فیورٹ ٹام اینڈ جیری کی شرارتوں میں گم ہونے لگا، حیدر بیڈ روم میں واپس آنے کی بجائے کچن میں آ گیا، زینیہ کی سلیقہ مندی ہر چیز سے عیاں ہوتی تھی، کچن جگمگاتا ہوا تھا، برتن دھلے ہوئے، وہ ہر لحاظ سے سگھڑ تھی، بس پتہ نہیں اس سے کیوں اب اس درجہ خار کھانے لگی تھی، وہ ملول ہوتا چھری اٹھا کر آلو کاٹنے لگا، اس قسم کے کام وہ کہاں کرتا تھا جبھی خاص محنت بھی کرنا پڑ رہی تھی پھر بھی اناڑی پن ظاہر تھا مگر اسے بیٹے سے کیا وعدہ تو نبھانا تھا۔
زینیہ اپنے دھیان میں ادھر آئی تھی، مگر اسے مصروف عمل دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئی، نفیس سوٹ میں ملبوس، ماتھے پہ بکھرے بالوں کے ساتھ اپنے مغرور مگر بے حد دلکش نقوش ہلکی سی خفگی کا تاثر لئے بھی بہت اٹریکٹو لگ رہے تھے، کوٹ اتار کر سائیڈ پہ رکھا ہوا تھا، شرٹ کے کف موڑے، وہ اسے صرف پیارا نہیں لگا، شرمندہ بھی کر کے رکھ گیا۔
"کچھ چاہیے تھا تو مجھ سے کہا ہوتا، ہٹیں میں بناتی ہوں۔" وہ آگے بڑھ آئی تھی، حیدر نے نگاہ غلط انداز اس پہ ڈالی اور چھری لینے کو اس کا ہاتھ پیچھے ہٹایا، تاثرات بے حد سپاٹ تھے۔
"میں کر لوں گا، تم آرام کر سکتی ہو۔"
"حیدر......!" وہ سخت عاجز اور روہانسی

ہوئی تھی، اس کی خفگی کا احساس کرتے ہی۔

"خفا ہو گئے ہیں آپ؟" اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے، حیدر کی نظروں میں سرد پن اتر آیا۔

"نہیں میں کیوں خفا ہوں گا، مس زینیہ حیدر خفگی یا شکایت وہاں ہوتی ہے یا ہونی چاہیے جہاں آپ اس کا حق محفوظ رکھتے ہوں۔" وہ آلو کاٹ چکا تھا، آئل کڑاہی میں ڈال کر چولہے پہ رکھا، اس کا لہجہ بھی اس کی نظروں کی طرح سرد اور برفیلا تھا اور وقت گواہ تھا حیدر نے جب بھی زینیہ سے بے اعتنائی سے بات کی تھی وہ ہر بار بری طرح ٹوٹ کر بکھری تھی، کہاں برداشت ہوتی تھی اس سے اس کی خفگی، اس وقت بھی آنسو بے اختیار بہہ نکلے۔

"اس کا صاف مطلب ہے آپ خفا ہیں مجھ سے، کہا نا آئی ایم ساری حیدر، مجھے معاف کر دیں، آخری بار، پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے مجھے۔" اس کی پشت سے لگ کر دونوں بازو حیدر کے مضبوط آہنی وجود کے گرد لپیٹے وہ کتنی بھیگی اور ملتجی آواز میں کہہ رہی تھی، حیدر نے ہونٹ بھینچے رکھے۔

"نہیں معاف کریں گے؟" وہ سہم کہ سوال کر رہی تھی اور اپنی بھیگی آنکھیں اس کے کاندھے سے رگڑتی تھی۔

"غلطی کرنا غلطی نہیں ہے زینیہ، غلطی کو بار بار دہرانا غلطی ہوا کرتا ہے، یوں روز روز اس طرح سے ٹمپر لوز کرنا اور ہائپر ہو جانا، واٹ از دس؟ مجھے اس بات سے شدید نفرت ہے، میں نے پوچھا تھا تم سے کیا پرابلم ہے، تم بتاؤ، اگر کوئی پرابلم نہیں تو پھر یہ رویہ......؟"

"کہا نا سوری، آئندہ نہیں کروں گی ایسا، معاف کر دیں مجھے، میں آپ کو خفا کر کے سکون سے نہیں رہ سکتی۔" وہ کتنی شکستہ اور دل برداشتہ لگتی تھی، حیدر نے سرد آہ بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"زینیہ وعدہ کرو اب ایسے نہیں کرو گی۔" وہ واقعی تنگ آ گیا تھا اس صورتحال سے، زینیہ نے جھٹ وعدہ کر لیا، یہ سوچے یہ سمجھے اور جانے بنا کہ ہر وعدہ ضروری نہیں پورا ہو، لازمی نہیں نبھایا جا سکے۔

☆☆☆

وہ گم صم بیٹھی تھی، بالکل کہیں دور پہنچی ہوئی، اذان نے دو تین بار اسے بتایا بھی تھا۔

"مما عیشیہ رو رہی ہے، اسے بھوک ہی لگی ہو گی۔"

اسے مگر سنا ہی کہاں تھا، اس کی یاسیت تھی تو اس کا انت نہیں تھا، اس کا رنج و ملال تھا تو اسے شمار نہیں کیا جا سکتا تھا، ابھی کچھ دیر قبل ہی وہ حیدر کا پلے دیکھ کے ہٹی تھی، بلکہ پورا دیکھا ہی کہاں تھا، اس میں تاب ہی نہ تھی کہ دیکھ پاتی، وہ ایک مکمل رومینٹک شوہر کا کردار نبھا رہا تھا، آنکھوں میں کتنے جذبے کروٹیں لیتے دیکھے تھے اس نے جو شاید کبھی شروع میں زینیہ کو دیکھتے بھی حیدر کی آنکھوں میں نہیں اُمڈے ہوں گے، جیلسی سی جیلسی تھی۔

اور اسے اس طرح دیکھے جانے کتنے زمانے بیتے تھے، ابھی کل رات ہی اس کی فرمائش یہ کہ وہ اس سے باتیں کرنا چاہتی ہے حیدر کتنا جھنجھلا گیا تھا۔

"کیا ہے یار! رات کے ایک بجے اب تم مجھے باتیں کرنے کے لئے جگاؤ گی؟ کل ہمیں مری جانا ہے شوٹ کے لئے، نیند پوری نہ ہوئی تو فریش نظر آنا مشکل ہو جائے گا۔" وہ لڑکیوں سے بھی زیادہ اپنے حسن و جمال کے متعلق کانشش نظر آیا کرتا اور زینیہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی، اسی

طرح کی اور لاتعداد معمولی باتیں، جن کی حیدر کے نزدیک حیثیت جتنی بھی ثانوی ہو مگر زینیہ انہی پہ ساری زندگی بھی کڑھتی رہتی تو ملال کم نہ ہوتا، وہ اگر اس کا تھا تو پھر صرف اسی کا ہونا اسی کا رہنا چاہیے تھا لیکن......

"زینیہ......!" حیدر کے زور سے پکارنے پہ وہ ہڑبڑائی اور چونک کر اسے دیکھا، وہ روئی ہوئی عیشیہ کو بانہوں میں لئے کھڑا خفا خفا سا اسے دیکھتا تھا۔

"ہنی کا گلا سوکھ گیا چلاتے، کہاں پہنچی ہوئی ہو تم؟" اس کے انداز میں بدمزگی لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی، زینیہ کی گھبراہٹ بڑھی۔

"یہ کب اٹھ گئی مجھے پتہ نہیں چل سکا۔" اس نے حیدر سے عیشیہ کو لینا چاہا تو حیدر نے نرمی سے اس کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

"جاؤ فیڈر لے آؤ اس کا۔" زینیہ پلٹ کر سرپٹ بھاگی تھی، عیشیہ کو دودھ پلانے اور اذان کو کھانا کھلانے کے بعد اس نے حیدر سے چائے کا پوچھا تھا۔

"کافی بنا دو، مجھے کچھ کام کرنا ہے آج۔" وہ لیپ ٹاپ پہ مصروف بھی ہو چکا تھا، زینیہ کو حسرت ہی رہی وہ دو گھڑی سکون سے اس کے پاس بھی بیٹھ کر بات کر لیا کرے۔

"کیا کر رہے ہیں؟" اسے چیٹ میں مصروف پا کے وہ زچ ہوئی، پچھلے دو گھنٹوں سے وہ یہ کام کر رہا تھا، اس کا ذہن تناؤ سے بھر گیا، دوسرے فینز سے بات کرنا یہ کام تھا، وہ دیکھ چکی تھی۔

"ہاں بولو تم زینیہ! کیا کہنا ہے؟" حیدر نے لحہ بھر کو ہی اس پہ نگاہ ڈالی تھی، پھر مگ اٹھا کر سپ لیا، اس دوران بھی اس کے ایک ہاتھ کی انگلیاں کی بورڈ پہ متحرک تھیں، زینیہ کو جتنا بھی برا لگا مگر جتلایا نہیں، وہ جانتی تھی حیدر اپنی فیلڈ کے متعلق بات ہمیشہ اپنے دوستوں سے ہی شیئر کرتا تھا، شادی کے شروع میں جب حیدر نے اس سے یہ ساری باتیں شیئر کرنی چاہی تھیں تب زینیہ نے خود اسے منع کر دیا تھا، اسے دلچسپی نہیں ہے، بات دلچسپی کی نہیں، جیلسی کی تھی، وہ ان فضول قصوں سے محظوظ نہیں ہو سکتی تھی جس میں اس کے متعلق اس کی ساتھی اداکاراؤں کی اس کے لئے دیوانگی اور پسندیدگی چھلکتی تھی۔

"خیریت زینیہ! تم سو نہیں رہیں؟" حیدر نے بالآخر اس کا نظر ٹکا کر دیکھنا محسوس کر لیا تھا، جبھی یہ سوال کیا مگر وہ توجہ اور محبت کی پیاسی تھی اس سوال نے تشنگی کو مزید بڑھا ڈالا، اسے ماضی بعید کا وہ وقت یاد کرا گیا جب اس بے اعتنا شخص کی بھرپور توجہ اور محبت محض اسی کے لئے تھی، رات کے کسی پہر آنکھ کھلنے پہ اسے جاگتے پا کر وہ کتنا حیران ہو گیا تھا اور کتنی محبت اور بھرپور توجہ کے ساتھ اسے بازوؤں میں بھر کے سینے سے لگاتے ہوئے اس طرح جاگنے کی وجہ پوچھی تھی اور آج اسے لگا یہ فاصلے جسموں کے درمیان ہی نہیں دلوں میں بھی در آئے تھے، اس کی آنکھیں نا چاہتے ہوئے بھی بھیگنے لگیں۔

"میں انتظار کر رہی تھی حیدر! آپ فارغ ہوں تو کچھ سناؤں۔"

"ارے کہیں کھری کھری سنانے کا ارادہ تو نہیں۔" وہ مصنوعی انداز میں ڈرا اور ہنستے ہوئے باقاعدہ رخ اس کی جانب موڑا۔

"مجھے ایک نظم یاد آ رہی تھی حیدر! بہت یونیک ہے، آپ کہیں تو سناؤں؟" اس کی سنجیدگی اور رنجیدگی کا وہی عالم تھا حیدر کے چہرے پہ حیرانی جگہ پانے لگی، البتہ لیپ ٹاپ آف کر کے کاندھے اچکا دیئے تھے، گویا اجازت دی، زینیہ

کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پلکیں جھکائے سر نیچا کر لیا تھا اور گلا کھنکارا۔

محبت کی طبیعت میں یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے
کہ یہ جتنی بھی پرانی جتنی بھی مضبوط ہو جائے
اسے تائید تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے
یقین کی آخری حد تک دلوں میں لہلہاتی ہو
نگاہوں سے ٹپکتی ہو۔
لہو میں جگمگاتی ہو۔
ہزاروں طرح کے حسین دلکش بناتی ہو
اسے اظہار کے لفظوں کی حاجت پھر بھی رہتی ہے
محبت مانگتی ہے یوں گواہی اپنے ہونے کی
کہ جیسے طفل سدا شام کو اک بیج بوئے
اور شب میں بارہا اٹھے
زمیں کو کھود کر دیکھے کہ پودا اب کہاں تک ہے
محبت کی طبیعت میں عجب تکرار کی خو ہے
کہ یہ اقرار کے لفظوں کو سننے سے نہیں تھکتی
بچھڑنے کی گھڑی ہو یا کوئی ملنے کی ساعت ہو
اسے بس ایک ہی دھن ہے
کہو مجھ سے محبت ہے
کہو مجھ سے محبت ہے

"واؤ...... امیزنگ، ریئلی، ویری امپریسو ورڈنگ زینیہ! قسم سے میرے اک پلے میں سیم یہی سچویشن ہے، تم ایسا کرو مجھے لکھ کے دے دو، میں وہاں پڑھوں گا ناں تو جیسے سمجھ سین میں جان پڑ جائے گی، تمہیں پتہ ہے ناں میں ڈائیلاگز اور سچویشن اپنی مرضی سے بھی چینج کرا لیتا ہوں، تم ابھی لکھ کے دو مجھے، اک دو بار دہرانے پہ یاد ہو ہی جائے گی۔" وہ جوش میں کہتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا، چہرا شدت سے تمتما اٹھا تھا، زینیہ نے اس کے جذبے بیدار کرنے، احساس بخشنے کو ہی ان الفاظ کا سہارا لیا تھا، اسے کامیابی بھی ہوئی تھی مگر اس کے لئے نہیں، کسی اور کے لئے، حیدر کو اپنی فیلڈ کے علاوہ سب کچھ ہی بھولا ہوا تھا، جبھی تو وہ اور اس کے احساسات حیدر تلک پہنچنے میں بری طرح ناکام تھے، وہ منہ پہ ہاتھ رکھے اٹھ کر کمرے سے بھاگ گئی، حیدر کو تو شاید یہ بھی خبر نہیں ہو سکی تھی کہ وہ کاغذ قلم لینے گئی ہے یا جی بھر کے رونے۔

☆☆☆

"کون آیا تھا؟" وہ گھر پہنچا تو زینیہ ڈائننگ ہال میں موجود تھی، طویل ڈائننگ ٹیبل پہ موجود برتن دیکھ کر ہی حیدر نے یہ سوال کیا تھا، خود زینیہ بھی آج بہت دنوں بعد بہت چہک رہی تھی، ورنہ تو گھر کے کاموں میں کھو کر اسے اب اکثر خود پہ توجہ دینا بھولنے لگا تھا۔

"امی اور ابا کے ساتھ زرک آیا تھا ملنے۔" زینیہ اپنے کام میں مگن جواب دے رہی تھی، جبکہ حیدر کے کوٹ اتارتے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے، اس نے سلو موشن میں گردن موڑ کر زینیہ کی بے نیازی و لاتعلقی کو ملاحظہ کیا اور جیسے آنکھیں جل اٹھیں، یہ لاتعلقی اس کے لئے تھی، زرک کے لئے نہیں، ورنہ آج وہ خود پہ یوں توجہ نہ دیتی۔

"وہ کیوں آیا تھا جبکہ مجھے پسند نہیں ہے کہ......"

"وہ آ سکتا ہے حیدر! سالوں بعد واپس لوٹا ہے پاکستان، مجھ سے گہرا تعلق رہ چکا ہے اس کا، پھر امی اور بابا کے ہمراہ آیا تھا ملنے، دوسری اہم بات یہ کہ امی اور بابا یہ بات نہیں جانتے کہ ان کے سو کالڈ داماد صاحب ان کے بیٹوں جیسے بھتیجے کو ناپسند کرتے ہیں۔" حیدر بھڑک کر بولا ہی تھا کہ زینیہ اس سے بھی زیادہ غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ کر کہتی چلی گئی، حیدر نے ہونٹ بھینچ کر بے حد پرتپش نظروں سے کچھ دیر زینیہ کو دیکھا تھا پھر سر کو نفی میں جنبش دینے لگا۔

"وہ نہ سہی مگر تم یہ بات جانتی ہو زینیہ کہ میں اسے شخص کو برداشت نہیں کر سکتا، سو......" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑا اور انگلی کو تنبیہی انداز میں اٹھا کر اسے تادیبی نظروں سے دیکھتے پھر کہا۔

"سو بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم اوکے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ زینیہ کے چہرے پہ پھیلا تنفر اور تلخی دیکھنے کو رکا نہیں تھا، زینیہ نے ہاتھ میں پکڑا ماربل کا ڈونگا زوردار آواز کے ساتھ ٹیبل پہ پٹخ دیا۔

"خود پسند، خود غرض انسان، اللہ جانے خود کو سمجھتا کیا ہے، مجھ پہ پابندیاں لگانے سے قبل کم از کم یہ ہی سوچ لے خود کیا ہے، ڈراموں میں ایسے گھٹیا سین ہوتے ہیں اس کے کہ دیکھنے والا شرمندہ ہو جاتے، پھر میرا تو دامن بھی صاف ہے، یہ شک کیوں کرے مجھ پہ بھلا؟" وہ اسی تلملاہٹ میں مبتلا سوچے گئی اور برتن پٹخے گئی تھی، دوسری جانب حیدر تھا جو کم و بیش اسی سے ملتی جلتی کیفیت کا شکار تھا۔

زرک سے اس کی خود ساختہ نفرت اور رقابت بہت پرانی تھی، شادی سے بھی پہلے کی، وہ اگر بیچ میں نہ ہوتا تو زینیہ اتنی مشکل سے نہ ملتی اسے جتنی سے کہ مل پائی تھی، اسے اس بات سے بھی غرض نہیں تھی کہ اس کی اس درجہ جذباتی وابستگی کو دیکھتے ہوئے زرک ہی تھا جس نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال کر ان دونوں کو ایک ہونے دیا تھا مگر اس بات سے حیدر کہاں آگاہ تھا، یہ بات تو بس زینیہ اور اس کے امی بابا کے ہی علم میں تھی، یا پھر خود زرک خان کے۔

☆☆☆

"زینیہ یار اک کپ چائے تو پلاؤ، بہت اسٹرانگ ہونی چاہیے۔" وہ آلتی پالتی مارے صوفے پہ بیٹھی تھی، گود میں اسٹرابری سے بھرا باؤل تھا جس سے ٹھونگتے وہ ریموٹ سے چینل بھی بدلتی جا رہی تھی، اذان اور عیشیہ دائیں بائیں لگے بیٹھے تھے، وہ بڑے تواتر سے دونوں کے منہ میں بھی ڈال رہی تھی۔

"ذرا سا ٹھہر جائیں نا حیدر پلیز! بس پندرہ منٹ۔" اس کے ملتجی انداز پہ حیدر نے الجھنے میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"کیوں خیریت؟ پندرہ منٹ بعد کیا ہو جائے گا۔" اس کے مستفسرانہ انداز پہ وہ کھلکھلا کے ہنسی۔

"میرا پسندیدہ ڈرامے کا اینڈ ہو جائے گا بھئی۔"

"کون سا ڈرامہ؟ کہیں میرا ہی تو نہیں دیکھ رہی ہو؟" وہ اشتیاق سے کہتا نزدیک آن بیٹھا، اور عیشیہ کو اپنی گود میں منتقل کر لیا تھا۔

"وہ آپ دیکھنے ہی کہاں دیتے ہیں، میں تو ترکش ڈرامہ دیکھ رہی، "مناہل اور خلیل کا" مجھے خلیل بہت پسند ہے، کتنا یونیک ہے نا؟" اس کے انداز میں شرارت تھی، حیدر نے اسے گھورتے ہوئے ریموٹ چھین لیا۔

"میرا خیال ہے یہ مجھے جیلس کرنے کی نہایت فضول کوشش ہے۔" وہ نخوت سے بولا تھا، زینیہ جانے کیوں زور سے ہنسی۔

"چائے بنا لاؤ، میں ہرگز ویٹ نہیں کر سکتا۔" اس آرڈر پہ زینیہ نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا تھا۔

"یعنی ثابت ہو چکا، آپ جیلس ہو بھی گئے حیدر شاہ۔"

"زینیہ......!" اس کا لہجہ سرزنش دلاتا ہوا تھا۔

"یو تو زینیہ اک شریف پارسا بیوی کو یہ سب

بالکل زیب نہیں دیتا، یہ نہایت غیر مہذبانہ ہی نہیں غیر شائستہ اور فضول حرکت بھی ہے۔" اس کے ناصحانہ مگر گمبھیر انداز پہ زینیہ گہرا سانس بھرتی کان لپیٹ کر وہاں سے اٹھ گئی، چائے بنا کر واپس آئی تو حیدر کو اپنے ہی ڈرامے میں بری طرح محو پایا تھا، وہ مگ اس کے سامنے کرتے ہوئے شریر انداز میں کھنکاری۔

"ایمانداری سے ایک بات کہوں اگر آپ برداشت بھی کر سکیں، تو آپ سے بڑھ کر میں نے خود پسند کسی دوسرے کو نہیں پایا، حد ہے یعنی خود ستائشی کی کہ اپنے آپ کو ہی بار بار دیکھ کر اوب نہیں جاتے حیدر، یہ کیا سائیکی ہوئی بھلا؟" وہ اس کے پہلو میں آن بیٹھی تھی، حیدر چونکا مگر ہرگز بھی شرمندہ نہیں ہوا مگ اس کے ہاتھ سے لیا پھر ایک سیپ لینے کے بعد داد دیتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"چائے بہت مزے کی ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے اس کے ستواں ناک کو پکڑ کر شرارت بھرے انداز میں زور سے دبایا پھر کچھ توقف سے مزید گویا ہوا تھا۔

"یہ خود ستائشی صرف میری ذات کا حصہ نہیں ہے زینیہ! یو نو واٹ ہر فنکار اپنی تخلیق کو بار بار دیکھنا اور سراہنا پسند کرتا ہے، میں ایگزیمپل دیتا ہوں تمہیں۔" اسے کچھ اختلافی انداز میں دیکھتے پا کر حیدر نے تیزی سے اپنی بات کا دفاع کیا۔

"مثلاً ہر رائیٹر اپنی تحریر کو اشاعت کے بعد لازمی پڑھتا ہے، اس طرح تمام اداکار بھی اپنی کارکردگی کو ضرور اسکرین پہ دیکھتے ہیں، تم صرف مجھ پہ انگلی نہیں اٹھا سکتیں، ہر تخلیق کار کو اپنی تخلیق سے محبت ہوتی ہے، جیسی بھی ہو، لیکن وہ اس کے لئے بہت خاص اور اہم مقام رکھتی ہے، جیسے خالق کائنات کو اپنی ہر تخلیق سے پیار ہے، حدیث کا مفہوم ہے کہ "اللہ اپنے ہر بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔" وہ گویا اپنی بات ثابت کر کے فتح مندانہ انداز میں مسکرایا، زینیہ قائل نہ بھی ہوتی مگر آخری حوالہ ہی بہت معتبر تھا۔

"عیشیہ سو گئی ہے، اسے لٹا آؤ۔" حیدر کے کہنے پہ زینیہ نے اس کی گود سے عیشیہ کو اٹھایا تھا اور بستر پہ لٹا آئی، اب اسکرین پہ جو منظر تھا اس میں حیدر کے ساتھ جو لڑکی تھی، وہ اس کی بیوی کا کردار نبھا رہی تھی، پریگنینسی پریڈ کے آخری دنوں کا حلیہ بنائے وہ تقریباً حیدر پہ اپنا سارا بوجھ ڈالے لان میں چہل قدمی کا کردار کر رہی تھی اور حیدر...... وہ اتنا کیئرنگ تھا یا خود ہو رہا تھا، کہ بس نہ چلتا تھا محترمہ کو گود میں اٹھا لے، زینیہ کو جو شرم آئی سو آئی غصہ تو بہت ہی تباہ کن تھا، دونوں ہنس مسکرا رہے تھے، وہ لاڈ اٹھا رہا تھا وہ اٹھوا رہی تھی، زینیہ کی آنکھیں بے تحاشا نمی اور جلن سمیٹ لائیں۔

"بند کرو اس فضولیات کو، استغفر اللہ! حیدر میں پوچھتی ہوں شرم نہیں آئی آپ کو اتنے چیپ سینز او کے کرواتے ہوئے؟" وہ ضبط کھو کر بالآخر چیخ پڑی، حیدر جو سب کچھ فراموش کیے مگن تھا بری طرح چونکا، مگر اس کے لال بھبھوکا چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"جیلس ہو رہی ہو؟" وہ حظ لیتے ہوئے سوال کر رہا تھا، زینیہ کی روح جھلس کر رہ گئی۔

"آپ کا کیا خیال ہے مجھے خوش ہونا چاہیے؟" وہ تڑخ کر طنز آمیز لہجے میں بولی۔

"غیر محرم کو دیکھنا ہی اتنا سخت گناہ ہے حیدر آپ تو......"

"کیا کروں یار...... میری فیلڈ کا حصہ ہے یہ سب۔" اس کے متاسفانہ و ملامتی انداز پہ حیدر نے ایک بار پھر اپنی صفائی پیش کی۔

"ہاں تو کون سی مجبوری ہے بھلا؟ چھوڑ دیں یہ فیلڈ، آخر انسان کو اللہ کے پاس بھی جانا ہے۔" اس کے قائل کرتے نصیحت آمیز انداز پہ حیدر نے کسی قدر سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم اصل میں چاہتی ہی یہ ہو۔" زینیہ کو حیدر کا طعنہ آمیز انداز تاؤ دلانے کا باعث بنا جبھی چیخ اٹھی تھی۔

"ہاں، چاہتی ہوں میں یہی اور ہرگز ناجائز نہیں ہے میری یہ خواہش حیدر! نہیں ہوتا مجھ سے یہ سب برداشت، حد ہوتی ہے کسی بھی بات کی، ذرا سوچیں دو بچے ہوئے ہمارے، آپ نے کبھی اس طرح سے کیئر کی میری؟ یوں خیال رکھا کہ ہتھیلی کا چھالا بنا لیا ہو؟ بلکہ جن دنوں میں پریگنٹ ہوا کرتی تھی، آپ تو راتوں کو بھی گھر نہیں آتے تھے، اتنے ہی مصروف تھے کہ ملک سے باہر گئے ہوتے تھے شوٹنگ پہ۔" بات کے اختتام سے بہت پہلے اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگتے تھے، شاید جبھی حیدر کچھ دھیما پڑا تھا۔

"تم پاگل ہو بالکل زینیہ! جانتی بھی ہو وہ مجبوری تھی میری، ان دنوں اگر میں اتنا ٹائم نہ دیتا اپنے کام کو تو آج شاید اتنے عروج پہ نہ ہوتا اور دوسری اہم بات یہ کہ ڈراموں اور حقیقت کی زندگی کا بہت فرق ہوتا ہے، یہ ڈیمانڈ ہے ڈراموں کی، لوگ آج کل اسی بقول تمہارے فضولیات کو پسند کرنے لگے ہیں، میں بتاؤں تمہیں حقیقت کتنی کڑوی ہے؟ جس کہانی میں رائیٹر ہیروئن کا پریگنینسی پریڈ نہ دکھائے پروڈیوسر و ڈائیکٹر اس اسکرپٹ کو اس کی تمام تر دلکشی اور پلاٹ کی مضبوطی کے باوجود رد کر دیتے ہیں، پچھلے دنوں ایک بے حد سینئر اور معروف رائیٹر جو کہ بہت صاف ستھرا لکھنے کے عادی ہیں ان کے اسکرپٹ کے ساتھ یہی سلوک کر چکے وہ۔" اس کا انداز بہلاتا ہوا اور سمجھانے والا تھا، زینیہ کا غصہ اور تاسف پھر بھی نہیں ڈھل سکا۔

"مجھے ان باتوں سے ہرگز غرض نہیں ہے حیدر! میں بس اتنا جانتی ہوں کہ مجھے آپ کا کسی کے اتنا کلوز ہونا اور اس قدر فضول سین او کے کروانا پسند نہیں اور سن لیں آپ کو اب فیصلہ کرنا ہوگا، میں مزید بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔" اس کا لہجہ قطعی، دوٹوک اور کسی حد تک حکمیہ تھا، جبھی حیدر کو پسند نہیں آ سکا۔

"تم مجھے حکم دے رہی ہو زینیہ؟" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"ہاں، حکم سمجھ لیں، اتنے سالوں سے میں ترلے کر رہی ہوں، مانے آپ؟" اس کے لہجے میں رعونت بھی تھی اور بے تحاشا کرواہٹ بھی۔

"تمہیں خود سمجھ اور جان لینا چاہیے تھا، اگر میں تمہاری التجاؤں پہ نہیں مانا تو حکم تو......"

"بات کو غلط سائیڈ پہ مت لے کر جائیں حیدر! ذرا تسلی سے بس اتنی بات سوچیں کہ آپ میری برداشت کا اور کتنا امتحان لیں گے، اگر آپ میرے حوالے سے زرک کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتے تو پھر......"

"اپنی بات مت کرو بیچ میں زینیہ! اور زرک کی تو بالکل نہیں۔" وہ بھڑکا اور بے تحاشا غصہ میں آ گیا تھا، زینیہ کی آنکھوں میں اسی قدر طنز ابھر آیا، یعنی حد تھی نازک مزاجی سامریت اور مطلق العنانی کی بھی۔

"کیوں بات نہ کروں اپنی بھلا؟ اگر آپ عملاً یہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو میں بات بھی کیوں نہیں کر سکتی، اب بات ہوگی اور زرک خان کی بھی ہوگی کہ......" اس کی بات اگرا دھوری رہ گئی

تھی تو اس کی وجہ حیدر کا وہ زناٹے کا تھپڑ تھا جو اس کے لئے بالکل غیر متوقع ثابت ہوا تھا، وہ اپنی جگہ سکتہ زدہ رہ گئی۔

"تم اپنا مقابلہ مجھ سے کرو گی، مجھ سے؟ یعنی اک مرد سے؟ اس بات کو فراموش کر کے کہ تم اک عورت ہو ایک بیوی ہو اک ماں بھی، زینیہ بیگم شیم آن یو، عورت اگر ایسے معاملے میں مرد کا مقابلہ کرے تو وہ اپنے مقام سے بہت پستی میں جا کر گرتی ہے، اتنا نیچے کہ سر جھکا کر دیکھنے سے بھی نظر نہیں آیا کرتی، اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ تم نے اس بے ہودہ بات کے بعد خود کو میری نظروں سے کتنا نیچے گرایا ہے۔" اس کا ایک ایک لفظ انگارہ تھا، پھنکارتا ہوا سانپ بچھو تھا جنہوں نے زینیہ کی روح کو جھلسایا اور جسم کو زہر زہر کر ڈالا، وہ ذہنی وجسمانی لحاظ سے شل ہو کر رہ گئی اس کا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا، وہ فیصلہ نہیں کر پائی انتہا کس کی جانب سے ہوئی تھی، اسے بس اتنا پتا تھا حیدر نے آج اسے اس کی اوقات یاد دلا دی تھی، وہ دکھ سے ٹوٹ کر بکھرتی رہی، آنسوؤں میں ڈوبتی رہی، حیدر نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا، اسے مارا تھا، حیدر نے؟ حیدر نے؟

وہ سوچتی تو اسے یقین نہ آتا اور یقین آتا تو ہر شے نفرت وبغاوت کی زد میں آ کر ختم ہونے لگتی، حیدر اسی طیش اسی برہمی سمیت گھر سے جا چکا تھا، بچے دونوں سو رہے تھے، ایسے میں وہ اپنی بے مائیگی پامالی اور دکھ کے احساس سمیت اکیلی تھی، بہت زیادہ اکیلی اور ویران، امی کا ایسے سے فون آنا گویا قیامت لے آیا، وہ اسے کیا کہہ رہی تھیں اسے نہیں سنا، وہ ہچکیوں اور سسکیوں سے روئی بس اک بات کہے گئی تھی۔

"مجھے حیدر نے مارا ہے امی، انہوں نے مجھ پہ الزام لگائے ہیں۔" اس کا لہجہ بے ربط اور بے اوسان تھا، امی کی پریشانی فطری تھی، جبھی اگلے آدھے گھنٹے بعد زرک خان پریشان چہرا لئے اس کے روبرو تھا تب وہ خود کو سنبھال لینے کے باوجود بکھری اور ٹوٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

"سب خیریت ہے نا زینیہ! کیا کہا ایسا تم نے خالہ امی سے کہ وہ پریشان ہوئی بیٹھی ہیں، اور فوراً تمہاری خیریت دریافت کروانے بھیجا ہے مجھے۔" اور جواب میں وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"مجھے یہاں سے لے چلو زرک! مجھے یہاں نہیں رہنا۔" اور زرک کتنا بوکھلا اٹھا تھا اس مطالبے پہ۔

"آخر ہوا کیا ہے؟ تم رونا تو بند کرو پلیز۔"

"یہ عمر بھر کا رونا ہے، نہیں بند ہو سکتا، بس میں چل رہی ہوں امی کے ہاں۔" زینیہ نے ایکدم فیصلہ کیا اور اٹھتے ہوئے عجلت میں بچوں کو اٹھانے لگی۔

"زینیہ پلیز کام ڈاؤن، ہوا کیا ہے بتاؤ؟ دیکھو اس طرح کے فیصلے یوں جذبات میں نہیں کیے جاتے، اگر تمہاری حیدر سے لڑائی بھی ہوئی ہے تو ہم بات کریں گے مگر......"

"تم مجھے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے زرک تو صاف کہہ دو، میں خود چلی جاؤں گی، مگر یہ طے ہے کہ اب مجھے یہاں نہیں رہنا، میرے لئے اپنے کردار اپنی عزت سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہے۔"

زرک جتنا عاجز ہوا تھا وہ اس قدر جلے ہوئے انداز میں بولی تو زرک کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہا، لیکن اگر وہ جانتا کہ حیدر اس سے اتنی خار کھاتا اور ان دونوں کے بیچ اصل وجہ اختلاف ہی وہ ہے تو وہ کبھی زینیہ کو وہاں سے ساتھ لے جانے کی غلطی نہیں کرتا، اسے تو یہ بھی اندازہ نہیں تھا، زینیہ کا جذباتیت میں اٹھایا یہ قدم بعد میں صرف زینیہ کو ہی نہیں اس سے وابستہ تمام رشتوں کو بھی خون رلا دے گا۔

☆☆☆

حیدر واپس لوٹا تب بھی اس کے ذہن کا تناؤ کم نہیں ہوا تھا، اسے زینیہ کی زبان درازی پہ اتنا ہی طیش تھا جتنا گھر سے چار گھنٹے قبل جاتے ہوئے، اس کا یہ ذاتی خیال تھا کہ اس کی حد سے زیادہ دی اہمیت نے زینیہ کا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے، اب وہ اسی خراب ہوتے دماغ کو درست کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا، اس بات کا بھی اسے رتی برابر ملال نہیں تھا کہ وہ زینیہ پہ ہاتھ اٹھا چکا ہے، وہ اس سے زیادہ ہی ڈیزرو کرتی تھی۔

حیدر کو ابھی اس دن کا بھی غصہ ختم نہیں ہوا تھا کہ زینیہ نے زرک کو گھر بلوا لیا تھا اور اسے ہوا تک نہیں لگنے دی، جانتی بھی تھی کہ اس کا شوہر اس بندے کو کسی حد تک ناپسند کرتا ہے۔

"وہ مجھے نیچا دکھانا چاہتی ہے، میرا مقابلہ کر رہی ہے۔" اس کا کھولتا دماغ کسیلے دھوئیں سے بھرنے لگا۔

"اونہہ! جب تک وہ یہاں ہے، اس کے آنے پہ تو پابندی لگاؤں گا ہی، زینیہ کو بھی اس کے میکے نہیں جانے دوں گا۔" وہ فیصلہ کر کے گھر لوٹا تھا، زینیہ کے معاملے میں وہ اتنا ہی پوزیسو تھا، اس کی بیوی سات پردوں میں گر پہلے نہیں بھی رہی تھی، اب وہ ضرور رکھنا چاہتی تھی، بیڈ روم میں زینیہ کو نا پا کر اس نے اتنا دھیان نہیں دیا، اس کا خیال تھا، وہ بچوں کے کمرے میں سونے چلی گئی ہو گی، اس سے کسی بھی ناراضگی یا جھڑپ کے بعد وہ ایسے ہی کیا کرتی تھی، کم از کم ایک دن تو ضرور منہ پھلائے رکھتی، یہ الگ بات کہ زینیہ کا غصہ کبھی طویل نہیں ہوا تھا، وہ فوراً اس کے سامنے ہار تسلیم کر لیا کرتی اور پہلے جیسی ہونے میں دیر نہیں لگاتی، بہت کم ایسے مواقع آئے تھے کہ حیدر کو کسی بھی معاملے میں اس کی منت کرنا پڑی ہو جبھی اس نے اس غیر موجودگی پہ دھیان نہیں دیا اور معمول کے کام نپٹا کر سو گیا تھا۔

☆☆☆

"ہر مقام پہ میں نے ہی سمجھوتہ کیا ہے امی! وہ شخص اتنا خود پسند ہے کہ کبھی مجھے ہرٹ کرنے کے بعد معذرت تک نہیں کرتا مگر آج تو حد ہو گئی، اس نے نہ صرف زرک کے حوالے سے مجھ پہ شک کیا بلکہ مجھ پہ ہاتھ بھی اٹھایا ہے۔"

زینیہ ایک بار پھر زار و قطار رونا شروع کر چکی تھی، امی متفکر اور مضطرب بیٹھی اسے دیکھتیں رہیں، زرک خان کے لئے سب سے اذیت کا باعث اس معاملے میں بگاڑ کی وجہ اپنی ذات کی انوالومنٹ تھی۔

"اگر ایسی بات تھی زینیہ تو تمہیں مناسب الفاظ میں خالہ امی تک یہ بات پہنچانا چاہیے تھی کہ حیدر کو میرا تمہارے گھر آنا یا تم سے ملنا پسند نہیں، میں وہاں نہ آتا، معاملہ یوں تو نہ بگڑتا۔" زرک خان کے کہنے پہ زینیہ سخت شاکی ہو کر رہ گئی۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو کہ غلط میں ہی ہوں؟" وہ غصے میں پھر بے قابو سی ہونے لگی، زرک جز بز ہوا تھا۔

"میں ہرگز یہ نہیں کہہ رہا تمہیں، لیکن زینیہ تم مانو گی کہ ازدواجی زندگی بسا اوقات بہت سی قربانیاں اور کمپرومائز کی متقاضی ہوا کرتی ہیں، حیدر کی پسند ناپسند ہی تمہارے لئے اہم اور برتر ہونا چاہیے تھی۔" زرک کا انداز ناصحانہ محسوس کر کے بھی زینیہ کی آنکھوں کی نمی بڑھنے لگی۔

"بتایا تو ہے، ان پانچ سالوں میں صرف

میں نے قربانیاں دی ہیں اور امی زرک کے حوالے سے ان کا شک یا پھر شدید رویہ نئی بات نہیں ہے یہ بھی پتا نہیں کب سے سہہ رہی ہوں میں۔" اس کی آنکھوں کی نمی اور بے بسی بڑھنے لگی، امی نے لاڈلی اکلوتی بیٹی کو سینے سے لگا کر تھپکا۔

"حوصلہ کرو بیٹے! ہم بات کریں گے حیدر سے، سمجھائیں گے اسے۔" اس ڈھارس پہ زینیہ نے سرد آہ بھر کے مایوسی سے سر ہلایا۔

"وہ کبھی نہیں سمجھیں گے، وہ سدھرنے والے ہیں ہی نہیں، بڑے فضول ہیں۔" زینیہ کے آنکھوں میں پھر ڈرامے کا بے حد رومینٹک سین لہرایا تو روح میں تپش اترنے لگی۔

"ایسا نہیں کہتے ہیں بیٹے! فی الحال تم ذہن پہ بوجھ نہ ڈالو، کل ہی کچھ کریں گے اب آرام کرو تم بس۔" امی اس کے گال کو سہلا کر خود باہر نکل گئیں، زرک بھی ان کے پیچھے تھا۔

"حیدر کے بتائے بغیر آئی ہے خالہ امی یہ بہتر ہے آپ حیدر سے ابھی بات کر لیں فون پہ، اللہ جانے اس نے کتنا مائنڈ کیا ہو۔" زرک کی پریشانی اپنی جگہ بالکل درست تھی، امی کے کہنے پہ اس نے ان کے سیل سے ہی حیدر کا نمبر ملایا تھا، مگر اس کا سیل آف جا رہا تھا، دونوں کی آس ٹوٹی اور مایوسی کے ساتھ تفکر بھی بڑھتا چلا گیا، یہ طے تھا کہ اب صبح ہی کچھ ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

"بابا، زینیہ گھر پہ نہیں ہے، کیا وہ آپ کو بتا کر گئی ہے؟" حیدر جہاں پریشان سا اخلاق چاچا کے سامنے کھڑا استفسار کر رہا تھا، صبح بھی وہ اسے نظر نہیں آئی، ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا، وہ جتنی مرضی خفا ہوتی یا لڑ جھگڑ لیتی، ناشتہ کھانا اسے وقت پہ فراہم کیا کرتی تھی، گھر سنسان تھا، یہاں تک کہ اذان بھی نظر نہیں آیا تھا اسے، فطری تشویش میں مبتلا وہ بچوں کے کمرے تک آیا جو بھاں بھاں کرتا ہوا ملا، ایسی ہی صورتحال پورے گھر کی تھی، اسے نا چاہتے ہوئے بھی مجبوراً ملازم سے پوچھنا پڑا جو چوکیداری کے ساتھ مالی گیری کے فرائض انجام دیتے اور کوارٹر تک محدود رہتے تھے۔

حیدر کے گمان تک بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس طرح گھر بھی چھوڑ کے جا سکتی ہے، اس کی سوچ بس یہیں تک جا سکی تھی کہ وہ اذان کو خود اسکول چھوڑنے چلی گئی ہو گی، غصے یا ناراضگی کے باعث اسے کہنا پسند نہ کیا ہو گا، لیکن اخلاق بابا کے جواب نے اسے ششدر کر کے رکھ دیا تھا۔

"نہیں سر! میم صاحبہ تو رات ہی بچوں کو ساتھ لے کر چلی گئی تھیں، ان کے میکے سے جو صاحب آئے تھے ان کے ساتھ۔" حیدر اگلے کئی ثانیوں کو وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا، غیر یقینی، تحیر، استعجاب، پھر اگلا اور شدید و مستقل احساس سبکی و توہین کا تھا، جس نے اسے بری طرح سے اپنے حصار میں جکڑ لیا، کچھ کہے بغیر وہ شعلوں میں گھرا پلٹ کر کمرے میں آ گیا، اس نے طیش کی کیفیت میں کمرے کی حالت چند لمحوں میں بگاڑ کے رکھ دی تھی تب بھی غصہ ٹھنڈا نہیں ہو سکا۔

یہ قدم اٹھا کر زینیہ نے اسے انتہائی فیصلہ کرنے پہ مجبور کر دیا تھا گویا گھر سے جانا اور وہ بھی زرک کے ساتھ، وہ جانتی بھی تھی نام تک سننا پسند نہیں تھا اسے زرک کا، پھر بھی زینیہ نے گویا اس پہ یہی کچھ باور کرانا چاہا تھا، حیدر کے نزدیک یہ ایسی غلطی تھی زینیہ کی جسے وہ معاف کرنے کا خود میں ظرف پا ہی نہیں سکتا تھا۔

"میں تمہیں بتاؤں گا زینیہ بیگم! اس ہٹ دھرمی اور جرأت کی معمولی سزا بھی کیا ہو سکتی ہے۔" وہ اندر سے بپھرا ہوا اٹھا تھا اور کسی بھی اضافی یا خصوصی تیاری پہ دھیان دیئے بنا گاڑی کی چابی اٹھائے گاڑی لئے نکل گیا۔

☆☆☆

مسلسل رونے سے اس کی حالت قابل رحم ہو چکی تھی، آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے اور صبیح چہرا متورم ہوا ہوا تھا، امی تو اسے چپ کراتے خود نڈھال ہو چکی تھیں، معاملہ ہی اتنا گمبھیر ہو گیا تھا کہ کسی کے سان و گمان تک بھی یہ بات نہ تھی، حیدر یہاں آ کر دونوں بچوں کو لے گیا تھا، یہ کہتے ہوئے کہ بچے اس کے ہیں، جبکہ وہ زینیہ کے حوالے سے جلد کوئی فیصلہ ان تک پہنچا دے گا۔

زینیہ کا غصہ حسب سابق اتر چکا تھا اور اس کی جگہ گھبراہٹ، ہم اور وحشت لے کر حیدر کا غصہ اور یہ اس درجہ شدید فیصلہ اس کے حواس صحیح معنوں میں چھین کر لے گیا تھا، سب سے اب تک وہ جانے کتنی بار حیدر کا نمبر ٹرائی کر چکی تھی مگر اس کا سیل مسلسل آف مل رہا تھا۔

"وہ یقیناً بہت غصے میں ہیں اور اس غصے میں اگر انہوں نے کوئی انتہائی قدم اٹھا لیا تو......" اس کے آگے ایسی حواس باختگی اور سراسیمگی کا عالم تھا جس نے اسے باقی ہر احساس فراموش کرا ڈالا، جبھی تو جھٹ پٹ وہ واپس جانے کو بھی تیار ہو گئی تھی، امی اس کے اس درجہ احمقانہ فیصلے پہ نا چاہتے ہوئے بھی غصے میں آ گئی تھیں۔

"تم کہیں نہیں جا رہی ہو فی الحال زینیہ! کچھ تو عقل کے ناخن لو، کل وہ جتنے غصے میں تھا کچھ بعید نہیں تمہیں ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دے۔" جواب میں زینیہ کی بے بسی اور اضطراب انتہاؤں کو چھونے لگا تھا، جبھی بے اختیار بلک پڑی۔

"میں انہیں منا لوں گی امی! مجھے مت روکیے، میں مان لوں گی کہ غلطی میری ہے، اپنا گھر برباد ہوتے اتنے آرام سے کیسے دیکھوں، اک کوشش تو کرنے دیں ناں۔" وہ سرتاپا کانپی تھی، امی نے بے اختیار بڑھ کر اسے گلے لگایا تو زینیہ کی چیخیں نکلنے لگیں۔

"امی اگر حیدر نے مجھے چھوڑ دیا تو مر جاؤں گی میں، آپ نہیں جانتیں ان کا غصہ بہت برا ہے، وہ تو غصے میں مما (ساس) کا بھی لحاظ بھول جاتے ہیں، میں تو......" امی نے بے بسی سے ہونٹ بھینچ کر ہراساں و بیکل بیٹی کو دیکھا تھا، جو نادم تھی، خوف زدہ تھی، آنسو کی تیز بارش جس کے غم کی گواہ تھی، بے ربط بکھرا ہوا لہجہ اضطراب کا مظہر تھا۔

"اللہ سے بہتری کی دعا مانگو بیٹے! جہاں تک میں سمجھتی ہوں تمہیں ابھی خود سے وہاں نہیں جانا چاہیے، حیدر کا غصہ کچھ کم ہونے دو، خدا نخواستہ اس نے جذباتیت میں کوئی غلط لفظ زبان سے نکال دیئے تو......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر زینیہ کو اک نظر دیکھا، جو فق چہرے کے ساتھ بے بسی سے ہونٹ کچل رہی تھی، آنکھیں لمحے کے ہزارویں حصے میں ڈبڈباتی چلی گئیں۔

"خالہ امی ٹھیک کہتی ہیں زینیہ! یو نو واٹ یہ رشتہ جتنا مضبوط ہے اسی قدر نازک بھی، پلیز تھوڑا سا حوصلہ پکڑو، ہم معاملہ سنبھالنے کی کوشش میں ہیں، اللہ بہتر کرے گا۔" زینیہ کو ناچار صبر کرنا پڑا، مگر یہ سچ تھا کہ اس کے دل کو حیدر کی جانب سے دھڑکا لگ گیا تھا۔

☆☆☆

جو پکارتا تھا ہر گھڑی
مجھے جوڑتا تھا جو لڑی لڑی
کوئی ایسا شخص اگر کبھی

مجھے بھول جائے تو کیا کروں

اس نے آنکھ سے پھسلتی نمی کو ہاتھ سے صاف کیا اور سرد آہ بھر کے اٹھ کھڑی ہوئی، ابھی کچھ دیر پہلے امی خفا ہو کر گئی تھیں، ان چند دنوں میں اس نے ہر وقت کی گریہ و زاری اور مسلسل سوچنے سے اپنا ناس مار لیا تھا، شکن آلود لباس، بکھرے ہوئے بال، کھوئی کھوئی حزیں آنکھیں، وہ اس اجڑے ہوئے حلیے میں بھی بے حد اٹریکشن کا باعث تھی، پتا نہیں حیدر حسن شاہ کیسا انسان تھا، جس سے اس نازک کلی کو سنبھالا نہیں گیا تھا، جو اب تیزی سے پتی پتی بکھرتی جا رہی تھی۔

امی کو اسے ڈانٹتے پا کر زرک خان نے کتنے تاسف و ملال زدہ انداز میں سوچا تھا، کوئی اس سے پوچھتا کیا اہمیت رکھتی تھی، زینیہ حیدر اس کے نزدیک۔

وہ اٹھی تو زرک نے گہرا سانس بھر کے نگاہ کا زاویہ بدلا اور وہاں سے چلا گیا، زینیہ نے اپنے کپڑے لینے کی غرض سے الماری کا پٹ وا کیا تھا، دیوار گیر الماری کو لکڑی کے تختے لگے تھے، ان کا گھر پرانی وضع کا تھا اور ابھی تک ویسے ہی تھا، زینیہ صحیح معنوں میں جھونپڑی سے اٹھ کر محل میں گئی تھی، قسمت کی یاوری کی انتہا ہی تو تھی، حیدر حسن شاہ جیسا حسین و جمیل اور خوبرو شوہر شاہانہ طرز زندگی، پھول جیسے بچے، کمی تو کہیں نہ تھی، ہاں اگر نعمتوں کے ساتھ شکر گزاری کا جذبہ نہ ہو تو نعمتیں زحمتیں بھی بن جایا کرتی ہے، اعمال کی سزا کے طور پہ، آزمائش بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

پٹ وا ہونے پہ کوئی چیز سرک کر دھپ کی آواز کے ساتھ اس کے قدموں کے پاس آن گری، زینیہ نے چونکتے ہوئے جھک کر اٹھایا تو بلیو مخملیں جلد والا فل سائز فوٹو البم تھا، اس کی آنکھیں صرف جلیں نہیں بے تحاشا نمی بھی سمیٹ کر لانے لگیں، بلیک شیروانی میں ملبوس سرخ صافہ باندھے وہ مسکراہٹ دبائے آنکھوں میں غضب کی شرارتیں اور چاہت کے رنگ لئے پہلو میں موجود دلہن بنی زینیہ کو دیکھتا اطراف سے جیسے بیگانہ لگ رہا تھا، زینیہ کی آنکھ سے ٹوٹتے موتی تصویر میں مسکراتے ہوئے حیدر کے چہرے پہ بکھرے تھے، اس نے لرزتی انگلیوں سے حیدر کے نقوش کو جیسے چھو کر محسوس کرنا چاہا تو عجیب طرز کی بے بسی اس کے اندر اتر آئی تھی، دل بے ساختہ سسک اٹھا۔

میری دھڑکنوں کی کتاب میں
میری چاہتوں کے حساب میں
وہ جو روشنی سا تھا ہم سفر
وہ جو ماہتاب سا شخص تھا
میری دھڑکنوں میں شریک تھا
وہ جو دل کے بہت قریب تھا
وہ جو چلتا رہتا تھا دور تک
میرا ہاتھ تھام کے ہاتھ میں
وہ نہ جانے کیسے چلا گیا
مجھے دشت ہجر میں چھوڑ کے
مگر آج بھی ہے بسا ہوا
میرے دل کی بند کتاب میں

مشکلوں سے خود پہ باندھے ضبط کے بند ٹوٹ گئے تھے، وہ ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے پھر ہچکیوں سے روتی تھی، ماحول میں اس کی آہیں، کراہیں اور سسکیوں کے ساتھ سوگواری اور یاسیت کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

☆☆☆

گرمی زوروں پہ تھی، اوپر سے لوڈ شیڈنگ کا جان لیوا عذاب، اسے ادھ موا کرنے کو بے کری

کا دکھ ہی کافی تھا، پھر پچھلے پانچ سالوں سے وہ اتنی سہولیات کی عادی ہو چکی تھی کہ یہاں اسے ہر لمحہ اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا، چند دنوں میں رمضان المبارک کا آغاز ہونے والا تھا، زینیہ کو جو تھوڑی بہت خوش فہمی تھی کہ حیدر اپنی انا کو بچوں کی خاطر ہی توڑنے پہ مجبور ہو جائے گا دھری رہ گئی، امی اور زرک پتا نہیں کس قسم کی کوششیں کر رہے تھے جو بار آور ہوتی نظر ہی نہ آتیں تھیں، زینیہ کو لگنے لگا تھا اگر مزید چند دن یہی صورتحال رہی تو لازماً وہ جان سے چلی جائے گی، ایسے میں جب اس کی طبیعت بگڑی اور اس کی وجہ پر یگنیسی ثابت ہوئی، تو زینیہ نے ایک بار پھر انا کو اپنے پیروں تلے کچلنے کا فیصلہ کر لیا تھا بہت دنوں کے بعد اس نے حیدر کا نمبر ٹرائی کیا تھا، دوسری جانب بیل کے جانے کی آواز سن کر اس کا دل اپنی دھڑکنیں منتشر کرنے لگا، مگر یہ انتشار ساکن و جامد ہوتا چلا گیا تھا جب تیسری مرتبہ کی کوشش پہ اسے بزی کی ٹون سننے کو ملی تھی۔

زینیہ کو لگا تھا وہ رو پڑے گی، بے بسی کا ایسا ہی شدید احساس اتر آیا تھا اس کے اندر، بلاشبہ حیدر اسے اس کے جرم سے بہت زیادہ کڑی سزا دے رہا تھا، کیا حرج تھا وہ اس کی بات سن لیتا، آنسوؤں کے امڈتے ریلے کو زبردستی پیچھے دھکیلتی ہوئی وہ سیل فون کے کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگی۔

محبت کی طبیعت میں یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے
کہ یہ جتنی بھی پرانی جتنی بھی مضبوط ہو جائے
اسے تائید تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے
کچھ ایسی بے سکونی ہے
وفا کی سرزمینوں میں
کہ جو اہل محبت کو سدا بے چین رکھتی ہے
کہ جیسے پھول میں خوشبو
کہ جیسے ہاتھ میں پارہ
کہ جیسے شام کا تارہ
محبت کرنے والوں کی سحر راتوں میں رہتی ہے
گماں کے شاخسانوں میں آشیاں بناتا ہے الفت کا
یہ عین وصل میں بھی ہجر کے خدشوں میں رہتی ہے
محبت کے مسافر زندگی جب کاٹ چکتے ہیں
تھکن کی کرچیاں چنتے
وفا کی اجرکیں پہنے
سمے کی راہگور کی آخری سرحد پہ رکھتے ہیں
تو کوئی ڈوبتی سانسوں کی ڈوری تھام کر دھیرے سے کہتا ہے
یہ سچ ہے ناں؟
ہماری زندگی اک دوسرے کے نام لکھی تھی
دھندلکا سا جو آنکھوں کے قریب
دور تلک پھیلا ہوا ہے
اسی کا نام چاہت ہے
تمہیں مجھ سے محبت تھی
تمہیں مجھ سے محبت تھی
تمہیں مجھ سے محبت تھی؟
تمہیں مجھ سے محبت تھی؟
کہو مجھ سے محبت ہے
کہو مجھ سے محبت ہے

میسج حیدر حسن شاہ کے نمبر پہ سینڈ کرتے وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر روتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

خبر رسیدا شب کہ نگار خواہی آمد
سر من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد
بہ لبم رسیدہ خانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم بہ چہ کار خواہی آمد
بار من بیا بیا! یار من بیا بیا
(مژدہ سنا ہے کہ آج رات تو آئے گا، میرا

سران راہوں پہ قربان ہو، جس سے تیری سواری گزرے گی، میری جان لبوں پہ آ گئی ہے، تو آ کہ میں زندہ ہو جاؤں، میرے مرنے کے بعد آیا تو تیرا آنا میرے کس کام کا، میرے یار آ جا، تو آ جا۔)

مدھر سروں میں بجتا ہوا ریکارڈ اسے آنسوؤں کے سمندروں میں ڈبونے لگا، رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا، اس نے ایک بار پھر بے شرم اور ڈھیٹ بننا گوارا کیا اور حیدر کو کال ملا لی تھی، اسے ذرا کم ہی توقع تھی کہ وہ ریسیو کرے گا، مگر حیدر نے شاید طے کر لیا تھا کہ اس کی توقعات کو توڑنا ہے، امیدوں پہ پورا نہیں اترنا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟ کیوں جان نہیں چھوڑ رہی ہو آخر اب میری۔'' زینیہ کی پیاسی سماعتوں نے اس کی گمبھیر آواز کو سنا ضرور مگر سراب ہونے کے بجائے مزید تشنگی اور غضب کی جلن سمیٹ لائیں، ہونٹ بے ساختہ کانپے۔

''مم...... میں نے آپ کو رمضان المبارک کے چاند کی مبارک دینی تھی۔'' سامنے والے کا لہجہ اگر پھنکار ڈالنے والا اور ملامتی ہونے کے ساتھ کوئی گنجائش نہ رکھتا ہو تو مخاطب پہ ایسی ہی قیامتیں گزرتی ہیں جو زینیہ کے دل پہ بیتی تھیں مگر وہ ہمت ہارنا ہی نہیں چاہتی تھی، اپنی غلطی تسلیم کر کے حالات سدھارنے کی خواہش مند جو تھی، جواب میں حیدر نے طنزیہ ہنکارا ابھرا تھا۔

''دنیا میں واحد میں ہی مسلمان نہیں بچا ہوں محترمہ! جا کے اس خوشی میں کسی اور کو شریک کرو۔'' وہ پھنکارا تھا اور زینیہ ایسے کرب سے دوچار کر دی گئی، جیسے کسی نے اچانک نہایت بے دردی سے کانٹوں پر گھسیٹ لیا ہو، بے اعتنائی اور نخوت کے اس مظاہرے نے براہ راست ذہن پہ اثر کیا تھا، ماضی کا اک لمحہ جہاں بہت دلکشی کے ساتھ براجمان مسکراتا تھا۔

''آہاہ، یہ میری بیوی آج اتنی پیاری بھلا کس خوشی میں لگ رہی ہے؟'' وہ لیٹ نائٹ گھر پہنچا تو زینیہ کو سیاہ بے حد خوبصورت لباس میں نک سک سے درست اپنا انتظار کرتے پا کر حیدر کا موڈ خوشگوار بہت سمیٹ لایا تھا جو اسے لجا کے رکھ گیا۔

''رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا ہے نا، مبارک باد دینی تھی آپ کو۔'' جھکی لرزتی پلکوں کے ساتھ مسکراتی ہوئی وہ سیدھی حیدر کے دل میں اتر رہی تھی۔

''تو دو ناں پھر۔'' وہ چہکا اور گویا پوری توجہ اس پہ مرکوز کرتے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ لئے تھے۔

''چاند مبارک ہو آپ کو، اللہ پاک سب مسلمانوں کو رمضان المبارک کی برکتیں سمیٹنی نصیب کرے۔'' وہ بہت تدبر سے بولی تھی، انداز بالکل ویسا تھا جیسے وہ شادی سے قبل یہ فقرہ پاری پاری امی بابا اور زرک کے سامنے دہرایا کرتی تھی مگر اب کی بار اس کے سامنے اک انوکھا رشتہ تھا، اس کے شوہر کا جبھی جواب میں دعاؤں کی بجائے شکوہ وشکایت سننے کو ملی تھی۔

''اتنی خشک مبارک، یار اتنے فاصلے سے تو بالکل مزا نہیں آتا، یہاں آؤ، گلے لگاؤ تو پتا بھی چلے کہ کسی اہمیت وخاصیت کا۔'' وہ شریر انداز میں کہتا پٹڑی چھوڑ گیا تھا اور زینیہ کتنا جھینپ کر سرخ پڑی تھی اس سے قبل کہ کچھ کہہ پاتی حیدر نے خود تمام فاصلے مٹا دیئے تھے۔

''ایسے دیتے ہیں مبارک اوکے؟ ہمیشہ یاد رکھنا، ورنہ ہرگز ایکسپٹ نہیں ہو گی۔'' اسے خود سے بھینچتے ہوئے وہ گویا آرڈر جاری کر رہا تھا۔

''مراقبہ میں چلی گئی ہو؟'' وہ پھنکارا اور

زینیہ جیسے حواسوں میں لوٹ آئی تھی مگر آنکھوں کی جلن میں کچھ مزید اضافہ ہو چلا تھا۔

''آئندہ اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں؟'' اس کا اشارہ یقیناً فون کی طرف تھا، زینیہ نے ہونٹ کچلے۔

''حیدر پلیز فون بند مت کیجئے، مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔'' اس کا ارادہ بھانپتے وہ ملتجی ہوئی۔

''بکو، فارغ نہیں ہوں تمہاری طرح میں۔'' اس کا لہجہ ہنوز تھا، بیگانگی اور سرد مہری لئے، اس درجہ اہانت آمیز انداز پہ زینیہ کا چہرا تپا مگر وہ کمال ضبط سے نظر انداز کر گئی۔

''میں گھر واپس آنا چاہتی ہوں حیدر! پلیز معاف کر دیں مجھے۔'' وہ سسکنے لگی، دوسری جانب کچھ دیر کو سناٹا سا چھا گیا۔

''تمہیں میں نے نکالا نہیں تھا، اپنی مرضی سے گئی تھیں اور جس کے ساتھ گئی......''

''حیدر میرا ہرگز زرک سے کوئی ویسا تعلق نہیں ہے جیسے......''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔'' وہ غرایا اور زینیہ روہانسی ہونے لگی۔

''میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی حیدر پلیز۔''

''اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے زینیہ بیگم، بچے بھی رہ رہے ہیں ناں تمہارے بغیر۔'' اس کا لہجہ سفاکیت سمیٹ لایا، زینیہ سرد پڑنے لگی۔

''مم...... میں پھر پریگننٹ ہوں حیدر مجھے......'' اس کی زبان گنگ ہونے کا باعث حیدر کا رابطہ منقطع کرنا تھا، وہ بھی جیسے انجان بنی اور پھر اسے اس کا نمبر ٹرائی کیا تھا انداز کی بے کلی اور اضطراب اس کے چہرے کے ہر نقش اور کانپتی انگلیوں سے عیاں تھا، حیدر نے ہر بار کال کاٹی اور پھر فون آف کر دیا، بے مائیگی، بے چارگی، اور بے بسی کا احساس کیسا تھا جو اس کی رگ وپے میں سرائیت کرتا چلا گیا تھا، وہ روتی چلی گئی تھی، بے ساختہ وبے اختیار، مگر جس کے لئے وہ یہ انمول خزانہ لٹا رہی تھی، اسے نہ ان سے غرض تھی نہ پرواہ۔

☆☆☆

مجھے یاد کر، مجھے یاد آ
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں توڑ کر تیرے نقش
آنکھ کی پتلیوں سے مٹا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں دل سے پھر تیری عمر بھر کی رفاقتوں کو بھلا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ عمر بھر تیری یاد کا کوئی جشن ہی نہ منا سکوں
اگر ایسی کوئی سبیل ہے تو پھر آزما
جو نہیں تو پھر مجھے یاد کر مجھے یاد آ

اس کے ہونٹوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور بادامی آنکھوں میں غضب کی لالیاں، بے مائیگی کیا ہوتی ہے ابھی تو جانا تھا اس نے، بلکہ زینیہ نے سمجھایا تھا اسے، ورنہ وہ تو وہ تھا جو ہمیشہ سراہا گیا تھا، ہمیشہ خصوصی اہمیت سے نوازا گیا تھا، اسے پتا ہی نہ تھا ناقدری ہوتی کیا ہے، ایسا کیا تھا انوکھا زینیہ میں کہ وہ دیوانہ ہو کر رہ گیا، سبھی کچھ فراموش کر کے صرف اسی کا ہونے کے لئے، اسے یاد تھا ہر وہ لمحہ جب وہ لڑکی اس کے بے حد نزدیک ہوئی تھی اور حیدر حسن شاہ کا دل اپنے قابو میں نہیں رہا تھا، وہ جو ہر دل میں دھڑکتا تھا، اس کا اپنا دل زینیہ وقار کے لئے دھڑکنے لگا، چھ سال پہلے جب ایڈیشن میں کامیاب ہونے کے بعد وہ

اپنے پہلے پلے کی شوٹنگ میں بے پناہ مصروف تھا کہ مما کو جانے کیا سوجھی تھی کہ دور پار کے رشتہ داروں کی شادی میں ہر صورت اسے ساتھ لے جانے پہ بضد ہوگئی تھیں، حالانکہ کتنے حیلے بہانے مارے تھے اس نے مگر بے سود مما نے اپنی منوا کر دم لیا تو اس کے اندر اسی قدر اکتاہٹ اور بیزاری اتر آئی تھی۔

"وہاں سب کے بیچ گھل مل کر رہنا، ورنہ وہ یہی سمجھیں گے حدیقہ کا بیٹا اپنے اسٹیٹس کی وجہ سے مغرور اور بددماغ ہے۔"

مما کی خوصی نصیحت پہ اس نے کان کیا دھرنا تھا مگر وہاں شادی والے گھر کے محدود حدود اربعہ اور مہمانوں کے جم غفیر نے اسے صرف بوکھلایا ہی نہیں، بے زاری میں بھی مبتلا کر دیا تھا، ایسے میں زرک خان نے اس کی اکتاہٹ کو محسوس کیا اور اس بھیڑ بھاڑ سے نکال کر کمرے میں لے آیا تھا، وہاں نسبتاً سکون تھا، جبکہ باہر پنڈال میں ابٹن کے نام پہ جو ہلڑ بازی ہو رہی تھی اس نے تو حیدر کو کوفت سے بھر دیا تھا۔

"آپ یہاں آرام کریں، میں چائے بھجواتا ہوں آپ کو۔" زرک مسکرا کر پلٹ گیا تھا، حیدر نے گہرا سانس کھینچا اور کھلی کھڑکی میں آن کھڑا ہوا، تب ہی کوئی آندھی طوفان کی طرح ایک دم سے کمرے میں آن گھسا تھا، حیدر کی کھلکھلاہٹ کی آواز پہ پلٹا مگر تب تک وہ جو کوئی بھی تھی اپنے گھاگھرے اور دوپٹے سے الجھتی اندھا دھند اس کے پہلو میں آ کر اس کا بازو دونوں ہاتھ میں دبوچ کر تیز لہجے میں عجلت میں بولی تھی۔

"مجھے چھپا لیں زرک بھائی، وہ چڑیلیں ساری میرے پیچھے ورنہ یہاں تک آ جائیں گی۔" حیدر نے اچنبھے میں گھر کر اس بے فکری اور نوخیز لڑکی کو دیکھا، جس کی توجہ اس کی بجائے دروازے کی جانب تھی، اسی لاپرواہی یا اندھے یقین کے باعث وہ یہ دھوکہ کھا چکی تھی، اور اک دھوکہ خود حیدر نے بھی کھایا تھا، اپنے دل سے، جو لمحوں میں اس کے اختیار سے نکل کر اس یکسر انجان مگر بلا کی حسین کے قدموں سے لپٹ گیا تھا، چاندی جیسا نازک بدن جس سے روشنیاں پھوٹتی محسوس ہوتی تھیں، سحر طاری کرتے ہوئے نقوش، پتا نہیں وہ اتنی ہی حسین تھی جتنی حیدر کو لگی تھی، جبھی تو وہ سب کچھ فراموش کر گیا تھا اور اپنے مزاج اور فطرت کے برخلاف شوخی و جسارت کی انتہا کر گیا۔

"یہ لیجئے چھپا لیا، اور کوئی حکم۔" دھیما گمبھیر تر متاثر کن لہجہ بے حد شریر انداز میں کہتے اس نے اس پھول کے جیسی نازک لڑکی کو بازوؤں کے گھیرے میں لے کر گویا سینے میں سمو لیا تھا، وہ جتنا بے حجاب ہوا تھا بے باکی پہ اترا تھا، دوسری جانب اسی قدر ناگواری، بوکھلاہٹ اور سراسیمگی دیکھنے میں آئی، مگر اس سے پہلا احساس شدید دھچکے، حیرت اور غیر یقینی کا تھا، کرنٹ لگنے کے انداز میں گو کہ وہ اگلے لمحے مچل کر اس کا حصار توڑ گئی تھی مگر ناگواری پھر بھی برقی رو بن کر پورے بدن میں زہر کی مانند دوڑنے لگی تھی۔

"واٹ نان سنس، ہو کون تم؟ یہ کمرا تو زرک کا ہے اور میں سمجھی تم......" وہ ضبط کھو کر پھٹ سی پڑی تھی، غرانے کے انداز میں بولی، اس کے ہر انداز سے بے پناہ درشتی چھلک رہی تھی۔

"آپ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتیں اگر سامنے موجود بندے کو دیکھنے کی زحمت کرتیں، اینی ہاؤ آپ خفا نہ ہوں، میں نے تو محض حکم کی تکمیل کی، آپ نے پناہ مانگی تھی، کیا نہیں دی؟" اس کا آنچ دیتا ہوا لہجہ کس قدر دھونس بھرا تھا مگر

آخر میں شرارت سمو لایا، زینیہ کے تو کانوں سے جیسے دھواں نکلنے لگا، چہرا ایسے جل اٹھا جیسے کسی نے آگ دہکا دی ہو، کتنا بد دماغ اور فضول لڑکا تھا، بجائے غلطی پہ شرمندہ ہونے کے الٹا اسے سنا رہا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ اوکے۔" وہ چیخی اور مزید کچھ سنے بغیر جھٹکے سے پلٹی تھی کہ حیدر نے لپک کر اسے روکا۔

"زرک کیا لگتا ہے آپ کا مس......؟" اس نے ایسے فقرہ ادھورا چھوڑا گویا اس کا نام جاننے کا خواہش مند ہو، زینیہ کے منہ میں کڑواہٹ اترنے لگی۔

"آپ سے مطلب، راستہ چھوڑیں میرا۔" وہ اسے اپنے سامنے چٹان کی مانند جمے دیکھ کر تلملائی۔

"اب تو سارے مطلب ہی آپ سے ہو گئے ہیں میم، اور راستے کے متعلق اگر میں کہوں کے سارے میری جانب آتے ہیں آپ کے تو......؟" وہ معنی خیزیت سے کہتا اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگا، زینیہ کا دل اسی معنی خیزیت میں الجھ کر پل بھر کو تھم کر بے تحاشا دھڑکا۔

"تو میں کہوں گی یہ انتہائی تھرڈ کلاس ڈائیلاگ ہے۔" اس نے رعونت سے جواب دیا اور کترا کر نکل گئی تھی، حیدر کھسیا کر رہ گیا مگر کچھ خیال آنے پہ اس کے پیچھے لپکا، برآمدے اور سیڑھیوں پر وہ نظر نہیں آسکی، حیدر بے اختیاری کی کیفیت میں چلتا ہوا پنڈال میں آ گیا تھا، پھر جب تلک اس کی نظروں نے زینیہ کو تلاش نہیں لیا قرار نہیں پا سکی تھیں، اکیسویں صدی کا ماڈرن رانجھا بنے وہاں متوسط طبقے کے لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا جبکہ مما نے بے دریغ ڈانٹا تھا۔

"واٹ نان سنس حیدر حسن شاہ! اپنی نظروں کو کنٹرول میں کرو، میں اپنے سسرالی عزیزوں میں ہوں سب۔" اور جواباً وہ شرمندہ ہوئے بغیر دانتوں کی نمائش کر گیا تھا۔

"اس کا مطلب یہ لوگ پاپا کے رشتہ دار ہیں، پھر بے فکر رہیں مام، اپنی نسل کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔" اور مما اسے گھورنے لگی تھیں تب اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

"یہ لڑکی جو کوئی بھی ہے مما، اسے میں نے آپ کے لئے بطور بہو پسند کر لیا ہے، بہت جلد اسے میرے بیڈ روم میں دلہن کے روپ میں ہونا چاہیے۔" اس کے الفاظ مما کے لئے شاک ثابت ہوئے مگر وہ اسی قدر قطعیت اور مضبوطی سے ان پہ جم گیا تھا، پھر مما نے لاکھ اسے سمجھایا اور سر پیٹ لیا کہ یہ ان کا اسٹیٹس نہیں اور نہ ہی دنیا میں حسین لڑکیوں کی کمی ہے مگر وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے تھا ہی نہیں، مما کے بعد دوسری رکاوٹ زینیہ کے گھر والوں نے ڈالی، حیدر کے اعصاب اس وقت تن کر رہ گئے تھے جب وہاں سے ہاں کی بجائے یہ سننے کو ملا کہ زینیہ کے لئے وہ لوگ اپنے بھتیجے زرک خان کا خیال رکھتے ہیں، حیدر حسن شاہ کا اسٹیٹس اور شخصیت ایسی نہیں تھی کہ انکار ہوتا مگر ہوا تھا تو پھر پیچھے ہٹ جانا مردانگی کی توہین تھی، یہ اس کا جذبہ تھا یا پھر کوشش کی ٹھیک ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصے میں زینیہ دلہن بن کر واقعی اس کے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

حیدر نے اسے کچھ نہیں جتلایا، نہ پہلی بار رشتے سے انکار ہونا نہ ہی جب اس نے فون پہ بات کرنے سے حیدر کو انکار کیا تھا، یہ دونوں اس کی سبکی کا باعث باتیں تھیں اور وہ خود کو کبھی نیچا ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا، یہ کم نہیں تھا کہ اس نے زرک خان کو شکست دے دی تھی، زینیہ کا انداز نارمل تھا، حیدر کی دیوانگی کا عالم یہ ان دنوں

اور تھا، اسے زینیہ کے علاوہ سب کچھ بھول گیا تھا۔

دن گزرتے خبر بھی نہیں ہو سکی اور اتنا وقت بیت گیا، وہ خوش بھی تھا اور مگن بھی، ان کے بچے بھی ہو گئے تھے، اسے زینیہ سے جو بھی شکایت تھیں، وہ کبھی زینیہ سے اس لئے نہیں کہتا تھا کہ اس کی انا کو یہ گوارا تھا ہی نہیں، لیکن اس نے زینیہ پہ زرک کے حوالے سے ناگواری البتہ ضرور ظاہر کر دی تھی، اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ محتاط ہو جاتی مگر الٹا اس نے چور دروازے تلاش کر لئے، اس نے زرک خان کو کھانے پہ بلایا اور حیدر کو ہوا بھی نہیں لگنے دی، اس کے دل میں موجود وہ شک جو ہمیشہ کنڈلی مارے بیٹھا رہتا تھا پھن پھیلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''زینیہ نے ایسا کیوں کیا تھا؟'' یہ سوال جوالہ مکھی کی مانند اس کے ذہن میں پکتا رہا اور اس کے خون میں ابال ڈالتا رہا، وہ زینیہ سے بہت محبت کرتا تھا اس نے زینیہ کو بتا دیا تھا، زینیہ کے دل میں کیا ہے اس نے کبھی اس خوف سے پوچھنا نہیں چاہا کہیں کسی نارسائی کا رنگ چھلک پڑا تو اس کی زیست میں دور تک ببول اگا سکتا تھا وہ محبت کے معاملے میں پوزیسو ہی نہیں، بزدل بھی کمال درجے کا تھا، زینیہ اس سے محبت کرتی ہے یا سمجھوتہ وہ جان ہی نہ پایا، ہاں وہ یہ ضرور جان چکا تھا کہ زینیہ کی فطرت میں حاکمیت ہے، وہ اسے اپنا محکوم اپنا دست رست بنانا چاہتی ہے، یہ احساس اتنا حاوی تھا کہ اس کے ہر بار کہنے پہ کہ وہ شوبز چھوڑ دے حیدر نے سختی سے انکار کر ڈالا، چاہے کہنے والی نے یہ بات جتنی بھی التجا سے کہی یا دھونس اور محبت سے، اسے غرض نہیں تھی، وہ بس اسے اس مقام پہ بھی جیتنے نہیں دے سکتا تھا۔

پھر جیسے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی گئی، ہاں انتہا ہوئی تھی اس روز، اگر وہ ازلی رقابت اور بیلسی میں بے قابو ہوا تھا تو زینیہ نے سب کچھ اک ٹھوکر سے اڑا دیا، اس کی محبت، مان، بھروسہ، گھر اور...... اور خود حیدر حسن شاہ کو بھی، جس کی اک نگاہ التفات پہ اک دنیا جان دیتی تھی، اسے اتنی بری طرح سے روندا گیا کہ وہ اپنا کرچی کرچی وجود سمیٹنے کی کوشش میں ہلکان ہوتا رہ گیا۔

کون جانتا تھا، اس شب اپنے کمرے کی تنہائی میں وہ چھ فٹ سے زیادہ بڑا مرد کیوں بری طرح سسکتا رہا تھا، وہ جانتا تھا عورت اگر مرد کو ٹھکراتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اسے اس میں کوئی خامی نظر آئی ہے، یہ تو تھا ہی زبردستی کا سودا، جو حیدر حسن شاہ نے کیا تھا جبر کی بنیاد پہ، باوفا، باکردار عورت چاہے کتنی ہی سخت اور کٹھن گزارے مگر اپنے شوہر کی برائی کبھی کسی دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرے گی، یہ تو بے صبری و ناشکری عورت کی پہچان ہے جو شوہر کی اچھائیوں کو بھی خامیاں بنا کر اسے رسوا کرتی پھرتی ہے۔

وہ کیسے بھول جاتا کہ اگر اس کا غصے میں زینیہ پہ ہاتھ اٹھ گیا بھی تھا تو اس نے تشہیر کر کے اسے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا، وہ سمجھتی، وہ سوچتی اور جانتی تو یہ صرف حیدر کی تذلیل تھی؟ نہیں حیدر سے پہلے خود زینیہ کی اپنی ذات کی تذلیل ہو رہی تھی مگر اس کی ناقص عقل میں یہ بات سماتی بھی تو کیسے، دانا کہہ گئے ہیں، میاں بیوی ایک ذات، احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، ''میاں بیوی اک دوسرے کا لباس ہیں۔''

پھر زینیہ نے اسے اس کی خامیوں کو کیوں عیاں کیا، وہ اس پر زرک کے حوالے سے شک نہیں کرتا تھا، وہ اس کا زرک کے سامنے آنا بس پسند نہیں کرتا تھا، وہ اس کی بیوی تھی اسے اتنی بات

سمجھ میں کیوں نہ آگئی کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے، اسے کیا پسند اور کیا ناپسند ہے۔

وہ اس سے محبت کرتا تھا، وہ اسے اہمیت بھی دیتا تھا لیکن ان جذبوں پہ زینیہ کی کچھ عادات نے گرد ڈالنی شروع کر دی، وہ صرف یہی چاہتی تھی کہ وہ اس کو چاہے، اسے ہی اہمیت دے، یہاں تک کہ اس کی خاطر اپنا کیریئر داؤ پہ لگا دے، جبکہ وہ جانتی بھی تھی حیدر کو کسی بزنس کا تجربہ نہیں تھا، وہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے کیسے ان کی ضروریات و خواہشات کو پورا کر سکتا تھا، اگر وہ محبت چاہتی تھی تو محبت بانٹتی بھی، یہ گریز، یہ لاتعلقی سب مصنوعی تھی، حیدر اس کا یہ ہی خول توڑنا چاہتا تھا، کسی بھی طرح سہی وہ اظہار کرے تو، بتائے تو کہ وہ بھی محبت کرتی ہے اس سے، مگر خول توڑتے توڑتے وہ تعلق میں دراڑیں ڈال بیٹھا تھا، تاسف سا تاسف تھا۔

دکھ کی انتہا تھی، پچھتاوے کا انت، اسے لگا وہ ہر طرح سے ہی تو ہار گیا ہے، وہ چاہتا تھا زینیہ کی انا پگھل جائے، ڈھیر ہو جائے، بچوں کو وہ اسی لئے لایا تھا کہ زینیہ کسی طریقے تو بے بس ہو، وہ اس کے بغیر رہ سکتی ہے وہ جانتا تھا، مگر وہ یہ جان کر صدمہ سے گنگ ہونے لگا تھا کہ زینیہ صرف اس کے بغیر نہیں اس کے بچوں کے بغیر بھی بڑی آسانی سے رہ سکتی ہے، اس نے اگر رابطہ کیا بھی تھا تو اسی ازلی مقصد کے تحت، نظم سینڈ کر کے جیسے کہ بری الذمہ ہو گئی، یعنی وہ خود جھکنے کی بجائے اسے جھکانا چاہ رہی تھی، حیدر کی پور پور سلگنے لگی، لے دے کے اگر فون کیا بھی تو اس کی بجائے بچوں کی آڑ لی، کیا ہو جاتا اگر وہ کہہ دیتی۔

''تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

ہوتا ہے نا کبھی کبھار ایسا بھی کہ ہم خود کو جھوٹی تسلی سے بھی بہلانا چاہتے ہیں، دھوکہ دے کر بھی مگن ہونا پسند کرتے ہیں، وہ بھی خود کو ایسا ہی فریب دینا چاہ رہا تھا اور جب زینیہ نے بتایا کہ اسے پریگنینسی کا تو حیدر خود اپنے آپ سے خائف ہو گیا تھا، اسے پورا یقین ہوا تھا وہ اس پل اپنی مردانگی، اپنی انا اور وقار کو قربان کرتے ہوئے اسے کہہ دے گا۔

''تم آ جاؤ زینیہ! میں تمہارے اتنے ناز اٹھاؤں گا کہ تمہیں سابقہ تمام شکایتیں بھول جائیں گی۔'' اسے زینیہ کی کچھ دن قبل کی وہ لڑائی پوری جزئیات سے یاد تھی جس میں وہ اسے اس کا پلے دیکھنے کے بعد اس بات پہ طعنے دیے رہی تھی، فون منقطع کرنے کی اصل وجہ ہی یہی تھی، وہ یہاں پھر زینیہ کو جیت سے ہمکنار نہیں کرنا چاہتا تھا، چاہے کچھ ہو جاتا، کتنا نقصان ہو جاتا۔

☆☆☆

''ارے بیٹا نہ رکھو روزہ، اگر اندر کچھ ٹھہر نہیں رہا، بار بار قے ہو رہی ہے تو روزہ قائم ہی نہیں رہتا، اللہ نے بھی اپنے بندوں کو آسانی فراہم کی ہوئی ہے، بعد میں گنتی پوری کرنے کی۔''

اسے واش بیسن پہ جھکے قے کرتے پا کر امی نے نرمی سے ٹوکا تھا، زینیہ حال سے بے حال ہو رہی تھی جب کچھ دیر بعد سیدھی ہوئی، امی اس کی آنکھوں میں لالی اور نمی دیکھ کر مزید دلگیر نظر آنے لگیں۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں امی، لیکن روزہ چھوڑنے کو دل آمادہ نہیں ہوتا، مجھے تو لگنے لگا ہے اللہ سے دوری اور غفلت کی ہی یہ سزا ہے کہ یوں آزمائش آ پڑی ہے مجھ پہ، حیدر اور بچوں سے دوری کا کوئی تصور نہیں تھا میرے پاس مگر اب...... امی جب ہم اللہ کی محبت کا حق فراموش کرتے ہیں اور یہ حق کسی اور کی جھولی میں ڈالتے

ہیں، تب بھی پکڑا جاتا ہے، کاش میں نے سمجھا ہوتا تو آج اتنی اذیت سے دوچار نہ ہوتی۔" اس نے بھاری آواز میں کہا، بے بسی کے واضح مظہر آنسو گالوں پہ بے آواز اتر آئے تھے، امی کا دل جیسے شق ہوتا چلا گیا، انہوں نے تڑپ کر اسے سینے سے لگالیا۔

"یوں حوصلہ مت ہارو بیٹے، تمہارے بابا حیدر کی مما سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، دراصل آج کل ان کا نمبر بند جا رہا ہے، وہ بھلی خاتون ہیں، حیدر کو سمجھائیں گی تو اللہ کرم کرے گا۔" وہ اس کے بے تابی سے مچلتے آنسو بے حد نرمی سے صاف کر رہی تھیں، زینیہ کے اندر موجود دکھ میں شدت اور گہرائی آنے لگی، وہ انہیں کیا بتاتی، کون کون سا دکھ، یہ کہ اس نے کچھ دن پہلے دل کی بے قراری کے آگے شکست مانتے گھر کال کی تھی، لینڈ لائن پہ، حیدر نے جیسے بات کی تھی اس کے بعد اس میں حوصلہ ہی نہ تھا کہ دوبارہ نمبر ٹرائی کرتی۔

☆☆☆

"السلام علیکم! کون بات کر رہا ہے؟" ریسور سے اذان کی معصوم اور پیاری آواز سن کر اسے اپنی دعا فوری قبول ہو جانے سے اللہ پہ پیار آنے لگا، نمبر ملانے سے قبل ہی تو خواہش کی تھی اس نے۔

"وعلیکم السلام! میرے چاند میرے بیٹے آپ ٹھیک ہو؟ عیشیہ گڑیا کیسی ہے؟ ٹھیک تو ہے وہ؟"

"مما یہ آپ ہو؟ کہاں ہیں آپ؟ ہمیں اکیلا کیوں چھوڑ دیا، عیشیہ بالکل ٹھیک نہیں، بخار ہے اسے، آپ آجاؤ مما! ہم بہت تنہا ہیں۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی رونے لگا تھا، صرف وہ نہیں زینیہ خود بھی۔

"عیشیہ کو کیا ہوا ہے؟ اور بابا کہاں ہیں آپ کے؟" اس کے ہر سوال میں بے چینی اور اضطراب تھا۔

"عیشیہ کو ٹمپریچر ہے مما! وہ آپ کے لئے روتی ہے ہر وقت، بابا نے دوا بھی لے کے دی مگر وہ ٹھیک نہیں ہو رہی، ثمرین آنٹی نہیں ہیں؟ جو بابا کے ساتھ کام کرتی ہیں، وہ آکر مجھے اور عیشیہ کو بہت ڈانٹتی ہیں ماما، وہ ہمیں بالکل اچھی نہیں لگتیں، آپ کے جانے کے بعد وہ ہر روز یہاں آتی ہیں، اخلاق بابا نے منع کیا تو کہتی ہیں آؤں گی، یہ میرے دوست کا گھر ہے۔" اذان نے جو کچھ بتایا تھا وہ ایسا دل شکن اور اعصاب پہ بوجھ ڈالنے والا تھا کہ وہ گم صم ہو کر رہ گئی، ثمرین کو وہ جانتی تھی، یہ وہ ہی ایکٹریس تھی جس کی جوڑی حیدر کے ساتھ بہت پسند کی جا رہی تھی، مگر زینیہ کو اس سے اتنی ہی چڑ تھی، اتنی ہی نفرت محسوس ہوتی، مختلف شوز میں اس نے ثمرین کی چھچھوری حرکتیں دیکھی تھیں، وہ صاف حیدر پہ ڈورے ڈالتی نظر آتی تھی، ویسی ہی تھرڈ ریٹ عورتوں جیسی جو پکے ہوئے پھل کی طرح جھولی میں آ گرنے کو تیار رہتی ہیں لیکن سوچنے کی بات تو یہ تھی نا کہ حیدر نے اس عورت کو گھر میں کیوں گھسایا؟ کیوں اسے اتنا اختیار دیا؟ اس کا دل سسکنے اور رونے لگا، اس کا آشیاں بکھر رہا تھا اور وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی، اس سے بڑھ کر بھی کوئی دکھ اور بے بسی کی بات ہو سکتی تھی بھلا؟ اس کا دل چاہا، وہ پھر حیدر سے بات کرے، مگر اس کا کیا فائدہ تھا، وہ پھر اسے ڈانٹ دیتا، اس کے نزدیک زینیہ کی اوقات ہی اتنی رہ گئی تھی کہ بچے چھین لئے تھے اور گھر سے نکال کر اس کی جگہ کسی اور عورت کو دینے کو تیار ہو گیا تھا، حیدر کا مقصد جو بھی تھا مگر اسے یوں اب ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھنا نہیں چاہیے تھا، کم از کم

ایک کوشش، مکمل ڈوبنے سے قبل ایک اچھالا تو ضرور دے گئی وہ کشتی کو۔

اور یہی سوچ اسے "حیدر ولیج" لے آئی تھی، اپنوں کے رویوں میں اگر بیگانگی اور سرد مہری در آئے تو ہر تعلق اپنی مضبوطی اور جاذبیت کھو بیٹھتا ہے، یہی وجہ تھی کہ زینیہ اسی گھر میں کسی اجنبی کی طرح خائف اور گریزاں سی داخل ہوئی تھی جس میں ہمیشہ اسے ملکہ کا سا احساس ملا تھا، اسے اذان کی تلاش تھی مگر وہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا اخلاق بابا بھی گیٹ پہ نہیں تھے، اس نے اپنا رخ بچوں کے کمرے کی طرف کیا، اسے بہت پہلے آ جانا چاہیے تھا، وہ کیوں بھول گئی اس کی مضبوطی اس کے بچے تھے، ان کی آڑ لے کر وہ حیدر کا ہر ستم سہہ سکتی تھی، وہ انہی کی وجہ سے گھر سے بھی نہیں نکالی جا سکتی تھی۔

"سر آپ بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں، بچی کو کوئی بیماری نہیں ہے، ماں سے الگ ہونا اسے کملا رہا ہے، اسے اس کی ماں کے سپرد کر دیں سب ٹھیک......" اس کے قدم تھم سے گئے تھے، یہ نسوانی آواز شاید اس گورنس کی تھی جو حیدر نے عیشیہ کے لئے رکھی تھی، اس کا مطلب تھا حیدر اس وقت وہیں تھا۔

"مت تکرار کریں خاتون بار بار اس لفظ کی، میں کہہ چکا ہوں آپ سے مر چکی ہے، اس کی ماں، آپ اسے سنبھالیں، اس کا خیال رکھیں تنخواہ آخر کس بات کی دیتا ہوں میں آپ کو۔" وہ بھڑک کر پھنکارتے ہوئے بولا تھا مگر اسے خبر نہیں تھی، اس کے الفاظ نے زندہ سلامت زینیہ کو واقعی لمحوں میں ختم کر دیا تھا، مار دیا تھا، اس کا جسم کانپنے لگا، اسے سب کچھ بھول گیا، عیشیہ کی روتی ہوئی کلیجہ چیرتی آواز، اپنا ڈوبتا ہوا گھر، اپنا آپ بھی یاد رہ گئی تھی تو بس حیدر کی سوا تر سفا کی اور بے رحمی، آنکھوں میں اترتے اندھیروں کے ساتھ وہ واپس بھاگ آئی تھی، اس نے سوچا تھا اگر حیدر کو اس کی ضرورت نہیں تو وہ بھی اس کے قدموں میں گر کر نہیں گڑگڑائے گی، وہ کھیل ختم ہونے جا رہا تھا، جسے کبھی حیدر حسن شاہ نے بہت ارمانوں سے شروع کیا تھا، وہ بندھن کچے دھاگوں کی مانند ٹوٹتا جا رہا تھا جسے زینیہ نے بہت مان اور پیار سے جوڑا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ اس سنہرے وقت کی تمام جھلملاتی یادیں بھی اترتی چلی گئیں۔

☆☆☆

زرک خان کی بہن آسیہ کی شادی کی تقریب نے اس کی زندگی میں بے حد خوشگواریت بھر دی تھی، حیدر حسن کون ہے وہ تب تک آگاہ نہیں تھی مگر ابٹن کے فنکشن میں جس فلمی انداز میں اس سے ٹکراؤ ہوا وہ ہرگز ناقابل فراموش نہیں تھا، اس کے سامنے زینیہ نے جتنے اعتماد اور نخوت سے بات کی تھی بعد میں دل کو اسی قدر بے ایمان ہوتا محسوس کرتی رہی، اس پہ حیدر کی اسے دی گئی اہمیت، اسے سپنوں کی وادی میں نا چاہتے ہوئے بھی دھکیل کر لئے جاتی، ایسے میں امی بابا کی زرک خان کے لئے خواہش، دونوں ہی زرک خان کو اسے حوالے سے جانے کب سے پسند کرتے تھے، تاؤ جی کے کہنے کی دیر ہوئی، امی بابا جھٹ تیار بھی ہو گئے، ایسے میں حیرت انگیز بات حیدر حسن شاہ کا پروپوزل تھا، زینیہ جو دل ہی دل میں تعبیر کر پائی تھی حیران ششدر رہ گئی، اسے تو جیسے اپنی خوش بختی پہ ہی یقین نہ آتا تھا۔

لیکن امی بابا اسے جیسے تھوڑی تھے، ظاہر پہ مرنے والے، نہ انہیں حیدر کی وجاہت سے کچھ لینا دینا تھا نہ دولت کے ڈھیروں سے، بلکہ وہ تو الٹا متفکر ہو گئے تھے، حیدر کی فیملی کو ان میں ان کی

بیٹی میں کیا نظر آیا، آپس میں صلاح مشورے ہوئے اور بہت سجاؤ سے انکار کر دیا گیا، وجہ ظاہر ہے زرک خان تھا اور زینیہ جس کی زرک خان سے ایسی کوئی جذباتی یا قلبی وابستگی نہیں تھی، وہ اس کے لئے دیگر کزنز جیسا اک عام کزن تھا کی وجہ سے حیدر جیسے بندے کو انکار کرنا عظیم دکھ سے ہمکنار کر گیا، اسے لگا تھا جیسے قسمت یاوری کرتے کرتے اوارہ بدل گئی ہو، وہ اندر تک ڈھے گئی، یہ تصور ہی کتنا دلکش تھا کہ حیدر حسن شاہ جیسا گروڈمہ شائینگ پرسنالٹی کا مالک بے حد ہنڈسم لڑکا خود سے اس کا طلب گار تھا، یہ تو نعمت کو ٹھکرانے والی بات تھی، کئی بار اس کا جی چاہا، تمام لاج شرم بالائے طاق رکھے اور امی سے صاف کہہ دے، اسے زرک خان نہیں، حیدر حسن شاہ پسند ہے، مگر ایسی بے حجابی تو مر کے بھی وہ کرنے سے قاصر تھی، لیکن قدرت کو اس پہ رحم آ گیا تھا، جبھی تو جانے کیا ہوا کہ پانسہ پلٹ گیا، زرک خان چت ہوا اور حیدر حسن شاہ جیت گیا، زینیہ کو لگا تھا وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہے، فضاؤں میں تیر رہی ہے، دنیا کے سارے حسین رنگ اس کے چہرے پہ آ سجے تھے، چاہے جانے کا احساس ہی بہت انوکھا اور خوب تر تھا، اس کے اندر روم روم میں اترا اور پورا وجود مہکا کے رکھ گیا۔

کتنے شوق، ارمانوں اور چاہ کے ساتھ وہ حیدر کے سنگ، رخصت ہو کر اس کی راج دھانی میں چلی آئی تھی اور جب اس نے حیدر کو دیکھا تو اسے پلکیں جھپکنی مشکل لگنے لگیں، وہ انوکھی دلہن تھی جو چوری چوری اپنے بے حد خوبرو دولہے کو دیکھتی تھی، حالانکہ یہ کام تو ہمیشہ سے دولہا کرتا آیا ہے، مگر وہ خود کو یقین دلانا چاہتی تھی، اتنی پیاری سی شیروانی میں عین اس کے سامنے موجود وجیہہ شخص اب مکمل طور پہ اس کا تھا، بیچ میں کوئی ظالم سماج نہیں تھا، وہ اسے اپنی پسند بتا رہا تھا محبت جتلا رہا تھا کیسے وہ پہلی نظر میں اسی کے دل و نظر کو بھا گئی تھی، وہ مرد تھا اور اظہار کے معاملے میں بہت بے شرم، زینیہ لڑکی تھی، مشرقی لڑکی، حجاب اور لاج کی ماری، وہ اسے بتلا ہی نہ سکی، وہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی عاشق ہے، اس سے بڑھ کر اسے چاہتی ہے، حالانکہ اس نے محسوس کیا بھی تھا کہ حیدر کو اس سے اظہار نہ کرنے کی شکایت ہے، شاید اسے بات طے ہو جانے کے بعد آج کل کی لڑکیوں کی طرح فون پہ بات کرنے پہ بھی شکوہ تھا، وہ بتا ہی نہ سکی، کہہ ہی نہ پائی کہ وہ فطری حجاب اور بے تحاشا شرمیلی مزاج کے باعث ایسا کرنے سے قاصر رہی ہے، اسے خبر نہیں تھی یہ گریز، یہ لاج اور بے حد بڑھی ہوئی شرم کو حیدر کچھ اور معنی پہنا دے گا، وہ اس سے بدگمان ہو جائے گا، وہ اس سے دور ہو جائے گا، وہ اگر جانتی تو کبھی اپنا نقصان نہ ہونے دیتی۔

☆☆☆

حیدر شاید اس کے ساتھ مکمل اور بھرپور وقت گزارنا چاہتا تھا، جبھی اس نے ہنی مون پیریڈ کچھ اور طویل کر دیا، وہ بہت رومینٹک مزاج رکھتا تھا اسے فل مون نائٹ بہت فیسی نیٹ کرتی تھی، اس کی خواہش زینیہ کے ساتھ چاندنی میں ٹہلنے اور پوئٹری سنانے کی ہوتی، وہ ساری رات بھی جاگ سکتا تھا، زینیہ کہاں عادی تھی، اسے جمائیوں پہ جمائیاں آنے لگتیں، جبھی بار بار سونے کی اجازت مانگتی، ایسے میں حیدر کو چپ سی لگ جاتی، وہ کیوں ایسے چپ ہو جاتا ہے اور کیا سوچتا ہے، زینیہ نے کبھی غور ہی نہ کیا، وہ تو بس اسے پا کر ہی مکمل ہو گئی تھی، جبھی ہر لحاظ سے مطمئن اور بے فکری تھی مگر یہ بے فکری بھر جاتی رہی، جیسے جیسے وہ تیزی سے مقبول ہوتا گیا زینیہ کی جان پہ بن کر آنے لگی، اس کی پہلی فلم نے ہی باکس آفس پہ شہرت کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے، اس کے بعد وہ دھڑا دھڑ سائن کیا جانے لگا، یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آیا جب وہ پورے ملک میں سب سے زیادہ بھاری معاوضہ لینے والا ڈیمانڈنگ ایکٹر بن چکا تھا، اسی لحاظ سے اس کی مصروفیت بھی بڑھی تھیں۔

زینیہ کو وہ بہت کم دستیاب ہونے لگا، جس پہ وہ اکثر اس سے الجھتی مگر حیدر کان کہاں دھرتا تھا اس وقت بھی وہ سو رہی تھی جب حیدر اپنی تیاری بھاگم دوڑ کرتے ساتھ ساتھ اسے بھی آوازیں دے رہا تھا۔

"اٹھ جاؤ زینیہ! یار دروازہ لاک کر لو جا رہا ہوں میں۔" اس نے کوئی دسویں بار آواز دی، زینیہ کی نیند اور بے خبری کا وہی عالم دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ ٹکا کر اسے دیکھنا شروع کیا تو کسی خیال کے زیر تحت آنکھیں چمک اٹھی تھیں، اگلے لمحے وہ اس پر جھکا تھا اور زینیہ کی آنکھیں جو اس کے جھنجھوڑنے پہ بھی نہیں کھل سکی تھیں جیسے جادو کے اثر سے نہ صرف کھلیں بلکہ نیند بھی غائب ہو گئی، اس درجہ گستاخی پہ وہ حجاب آمیز کوفت، بلکہ غصے سے اسے دیکھ رہی تھی اور حیدر کا ہنستے ہنستے برا حال ہونے لگا تھا۔

"دیٹس گریٹ آئیڈیا، اب میں تمہیں ہمیشہ یونہی جگایا کروں گا۔" وہ کھلکھلا رہا تھا اور زینیہ شرم سے کتنی پلکیں جھکا گئی تھی۔

"جائیے! میں کر رہی ہوں بند دروازہ۔" وہ اس سے نظریں چار نہیں کر رہی تھی، دن ایسے ہی حسین ترین تھے ان کی شادی کے بعد مما مستقل انگلینڈ پاپا کے پاس چلی گئی تھیں، زینیہ نے سارے ملازم فارغ کر دیئے تو حیدر کتنا چیخا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟ کام کون کرے گا اب؟" وہ ششدر تھا۔

"میں اور کون؟" وہ ناز سے گردن اکڑا کے بولی، حیدر نے آنکھیں پھیلا کر اس کا دھان پان وجود دیکھنے لگا۔

"تم......؟ نہیں کر سکو گی اور تم ملازمہ تھوڑی ہو یار۔"

"کر لوں گی، میں اس گھر کی مالکن ہوں، جبھی یہ قدم اٹھایا ہے، حیدر آپ زیادہ تر گھر سے باہر ہوتے ہیں مجھے غیر مرد ملازموں پہ بھروسہ نہیں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا، مہر لگاتا ہوا، حیدر کے بخشے مان اور محبت نے اسے بہت کم عرصے میں بہت اسٹرانگ پرسنالٹی کا روپ دے دیا تھا۔

"تو کوئی خاتون ہائر کر لیتے ہیں، جز وقتی ملازمہ کے طور پہ۔" حیدر کے کہنے پہ وہ سر کو نفی میں دائیں بائیں جنبش دینے لگی۔

"فارغ کر دو میں تو پاگل ہو جاؤں گی، اچھا ہے بزی رہ کر بوریت سے بچی رہوں گی نا حیدر، پھر یہ بھی تو دیکھیں نا مجھے آپ کے کام کر کے بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ آنکھیں پٹپٹا رہی تھی، حدیر کو کاندھے اچکانے پڑے تھے، وہ کوشش کرتا تھا، زینیہ کو اس سے شکایت نہ ہو، مگر زینیہ کو پھر بھی شکایت ہونے لگی تھی، خاص طور پہ جب وہ دونوں اکٹھے کہیں نکلتے، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر حیدر دنیا کا حسین ترین مرد تھا تو زینیہ بھی دنیا کی سب سے پیاری لڑکی تھی، وہ دونوں جیسے بنے ہی اک دوجے کے لئے تھے مگر لوگ صرف حیدر کو دیکھتے اور ٹھٹکتے تھے اور والہانہ اس کی جانب لپکتے، خاص طور پہ تو جوان لڑکیاں، ایسے میں زینیہ کا دل جل کر خاک ہوا جاتا، وہ چاہتی تھی حیدر صرف اس کا ہے تو صرف اس کا بن کر رہے بھی، دیکھے بھی اس کے سوا اور کسی کو نہ، تھا بھلا یہ ممکن؟

وہ منہ پھلا لیتی تھی، حیدر سے بات کرنا چھوڑ دیتی، وہ مناتا ہوا ہارنے لگتا۔

"جب لڑکیاں آپ کو دیکھتی ہیں مجھے صرف برا لگتا ہے حیدر! مگر جب آپ انہیں دیکھتے ہو، انہیں اہمیت دیتے ہو مجھے تب ہر شے سے نفرت ہونے لگتی ہے، دل چاہتا ہے ہر شے مسمار کر دوں، جب آپ نے محبت صرف مجھ سے کی ہے تو پھر میرے ساتھ ساتھ اہمیت کیوں اوروں کو دیتے ہیں؟" اور حیدر اس کے احمقانہ سوالوں پہ ہنسے چلا جاتا۔

"تم پاگل ہو زینیہ!" وہ ہنسی کے درمیان کہتا اور وہ لال بھبوکا ہونے لگتی۔

"میں پاگل ہوں، آپ بہت برے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے، ایسے میں حیدر ہمیشہ اسے بانہوں میں سمو لیا کرتا اور اک جذب کی کیفیت میں ہونٹ اس کی بھیگی آنکھوں سے مس کر دیا کرتا۔

"تم پاگل ہی تو ہو میری جان، تم اور ان میں بہت واضح اور بنیادی فرق ہے، وہ سب فینز ہیں، جن کی شکلیں اور نام کچھ بھی مجھے یاد نہیں رہتا، تم بیوی ہو، وہ بیوی جس سے میں نے محبت کی شادی کی، سو چو فرق بالکل معمولی نہیں ہے۔"

"آپ یہ سب چھوڑ کیوں نہیں دیتے حیدر! میری خاطر۔" وہ عاجزی سے کہتی اور حیدر کے وجیہہ و خوبرو چہرے پہ عجیب سا تاثر پھیل جاتا۔

"میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا، کسی عام انسان کے کہنے پہ تو بالکل نہیں۔"

"اس کا مطلب میں بہت عام ہوں آپ کے لئے۔" وہ پھر خفا ہو جاتی، اس کا اتنی جلدی بیان بدل لینا زینیہ کو دکھ سے نڈھال کرنے لگتا، کتنا جھوٹا تھا وہ، واقعی اداکار تھا، فریبی۔

"تم سمجھتی نہیں ہو زینیہ! میں لوگوں کی بات کر رہا ہوں، پہلا موازنہ ہوا وہ فینز اور ڈیئر وائف کا تھا، جس کی تم بلاشرکت غیرے مالک ہو مگر یہ الگ کیٹگری ہے۔"

"کیا الگ ہے؟ بتائیں۔" وہ بحث پہ اترتی اور حیدر خاموش سادھ لیتا، زینیہ کی روح بھی اذیت سے شل ہوئی جاتی۔

"امی کہتی ہیں، دو کشتیوں پہ پیر جمانے کی کوشش پاگل پن کہلاتی ہے، ایسا انسان ہمیشہ منجدھار میں ڈوبتا ہے۔" ایک بار زینیہ نے اسے بڑے وجد کی کیفیت میں تلاوت کلام پاک کرتے دیکھ کر طنز کا تیر برسایا تھا، جواباً حیدر کے پرسان چہرے پہ عجیب سی تمتماہٹ بکھر کر رہ گئی تھی۔

"کہتی تو ٹھیک ہیں وہ، لیکن یار منجدھار تک تو آنے دو، آگے کا اللہ مالک ہے، وہ ہے ناں سنبھالنے اور محفوظ رکھنے کو۔" اور زینیہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی، یہ باتیں اس کے منہ سے زینیہ کو بڑی انوکھی لگی تھیں۔

"دانستہ گناہ اور پھر توبہ کی امید...... خود سوچ لیں حیدر، اللہ کو کتنا ناراض اور خوش کرنے والی بات ہو سکتی ہے۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا، حیدر کی مسکراہٹ گہری ہو کر رہ گئی۔

"واعظ و تبلیغ جاری رکھو، عین ممکن ہے بھٹکے ہوئے گنہگار صراط مستقیم کو اختیار کر لیں، گو کہ اس کا لہجہ دوستانہ اور نرماہٹ لئے تھا اور اس میں طنز کا دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا اس کے باوجود زینیہ کو اچھا نہیں لگا تھا۔" اس روز اسے پختہ یقین ہوا تھا، حیدر کی خود پسندی تکبر کا، یا پھر شاید وہ صحیح طور اسے سمجھ ہی نہ پائی تھی کہ اس کا اصل رنگ کیا تھا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پہ ساکن لیٹا تھا، اس کے کمرے میں بہت گہرا اندھیرا تھا، ویسا ہی جیسا اس کی زندگی میں در آیا تھا، اندھیرا ہی تو چھا گیا تھا، اک زینیہ کے چھوڑ جانے سے، وہ ہر لمحہ بکھر رہا تھا ٹوٹ رہا تھا، کمزور پڑ رہا تھا، مگر اسے واپس آنے کا نہیں کہنا چاہتا تھا، ثمرین جو ان دنوں اس پہ اپنی ناز و ادا کے جال پھینکنے میں مصروف تھی جانے کیونکر زینیہ کی گھر سے عدم موجودگی اور ان کی چپقلش سے باخبر ہو گئی، جبھی ہر تیسرے دن آن دھمکنے لگی، ابھی کچھ دیر قبل بھی حیدر نے اسے اچھی خاصی سنا کر بھگایا تھا، مگر وہ جانتا تھا اس جیسی بے شرم بے لحاظ اور اپنی عزت کی پرواہ نہ کرنے والی عورتیں ہمیشہ مردوں کو بھی خائف کیے رکھتی ہیں، وہ بھی خائف ہو رہا تھا، کسی بھی اسکینڈل کی زد میں آنے سے، زینیہ کی بدگمانی کو ایسے میں کتنی ہوا ملتی وہ اندازہ کر سکتا تھا، اس نے کروٹ بدلی اور منہ پہ تکیہ رکھ لیا۔

ذہن کے دریچوں پہ پھر ماضی کے خوشگوار لمحے دستک دینے لگے، وہ کتنا کترا رہا تھا، ان اذیت ناک یادوں سے مگر دامن چھڑانا بھی تو آسان نہیں تھا، وہ نہیں تھی تو اس کی یادیں آ گئی تھیں، وہ چلی گئی تھی مگر اپنی یادوں کو اس پر مسلط کر گئی تھی، اس کی بے خواب جلتی آنکھوں میں پھر ایک منظر روشن ہونے لگا۔

احساس تو کر ان جذبوں کا
تو ہے مصروف بے حد لیکن
جینا بھی مجھے دشوار لگے
اتنا تو نظر انداز نہ کر

اس سے کچھ ہی فاصلے پہ وہ وارڈروب میں کپڑے سیٹ کر رہی تھی، جب کب سے اس کے منتظر حیدر نے کسی قدر جھنجھلاتے ہوئے اس کی کلائی پکڑ کر صوفے پہ اپنے مقابل گرا لیا، زینیہ نے اس حرکت پہ اسے گھور کر دیکھنا چاہا مگر اس کی آنکھوں میں مچلتے جذبے اس خواہش کی تکمیل میں حائل ہوئے تھے۔

"کیا ہے حیدر! آپ کو پتا بھی ہے کتنا کام ہے ابھی۔"

"کام کو دفع مارو یار، تم بس میرے پاس بیٹھو، یہ دیکھو مجھے ایسی بیوی چاہیے۔" حیدر نے ریموٹ سے ٹی وی کا والیوم بڑھایا، جہاں ہیروئن صاحبہ ہیرو کو ٹائی باندھتے ہوئے ایک قسم کی کاندھے سے چپکی شرمیلے انداز میں ڈائیلاگ جھاڑ رہی تھی، زینیہ کا چہرا حجاب سے گلابی پڑتا چلا گیا۔

"اونہہ، نری بے حیائی، مجھ سے ایسی توقع نہیں رکھیے گا کبھی۔" اس نے ناک چڑھائی اور بڑی رعونت سے کہا تھا، حیدر کا منہ کھل گیا۔

"کیا بے حیائی ہے اس میں، یار میاں بیوی ہیں دونوں جیسے ہم۔"

"مگر یہ دونوں اسکرین پہ ہیں، سارا عالم انہیں دیکھ رہا ہے، بچے اور خاص طور پر نوجوان نسل، سوچا آپ نے کیا سوچ رہے ہوں گے وہ۔" وہ چڑ کر غصے میں بولنے لگی۔

"اچھا دفع مارو ان کو، ہمیں تو نہیں دیکھتا نا کوئی، پھر بھی تم میرے ایسے لاڈ نہیں اٹھاتیں۔" وہ بسورا اور زینیہ شرم سے جیسے کٹ کر رہ گئی۔

"ایسی بے شرمی کے مظاہرے نہیں ہوتے مجھ سے۔" اس کا انداز ہنوز تھا، حیدر کا رنگ قدرے پھیکا پڑا، مگر انا پرست تھا اپنی تذلیل گوارا نہیں تھی، جبھی سرد آہ بھر کے کہا بھی تو بس اتنا۔

غرور اس پہ بہت سجتا ہے مگر کہہ دو
اسی میں اس کا بھلا ہے غرور کم کر دے

"ورنہ......؟" وہ آنکھیں نکالنے لگی، جواباً حیدر نے بے بسی کے مظاہرے کو کاندھے اچکا دیئے تھے۔

"ورنہ کچھ نہیں، میں تو پھر بھی تمہیں ایسے

ہی محبت کرتا رہوں گا۔" اور زینیہ کے چہرے پہ فخریہ اور مغرور قسم کی مسکان نے جگہ لے لی، وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتی رہی تھی پھر بہت سنجیدگی سے گویا ہوئی تو لہجہ کسی قدر عاجز بھی تھا۔
دیکھو مجھے ڈر لگتا ہے غصے سے تمہارے تم مجھ سے خفا ہو تو اظہار نہ کرنا
اور حیدر...... اس کے جیسے دل کو کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا، کچھ کہے بغیر اس نے بے حد نرمی اور ملائمت کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
"بے وقوف لڑکی! ایسی بات کیوں سوچی، کوئی اپنی زندگی سے بھی خفا ہوتا ہے؟" اور زینیہ جواباً کتنے آسودہ انداز میں ہنسنے لگی تھی۔
"ہاں یہ تو ہے، ویسے میں آپ کو آرڈر کر رہی تھی۔" اس کا انداز شریر اور سرشار قسم کا تھا، حیدر نے بے چینی میں پھر کروٹ بدلی، وہ اس کی زندگی قرار نہیں پایا تھا، جبھی بہت آسانی سے وہ اس سے خفا بھی ہوئی تھی اور چھوڑ کر بھی چلی گئی تھی، اس کی آنکھیں جلنے لگیں، اس کا پورا جسم بھی جلنے لگا، وہ ہر لمحہ خاکستر ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اس دن بیسواں روزہ تھا، طاق راتوں کی ابتدا ہو چکی تھی، زینیہ کی تو تمام دعائیں ہی جیسے حیدر کے گرد گھومتی تھیں، ان دنوں اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی، جبھی بہت دنوں بعد روزہ بھی رکھا تھا اور رات کو جاگ کر عبادت کا بھی خیال تھا، افطاری کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ کر نماز ادا کرنے لگی، دعا کو ہاتھ پھیلاتے ہی پلکوں پہ آنسو جگنو بن کر چمکنے لگے، وہ ہر بار ہچکیوں سے روتے نڈھال ہوا کرتی تھی، اس وقت بھی دل کا بوجھ ہلکا ہونے پہ ہی اٹھی تھی، بابا ابھی مسجد سے نہیں آئے تھے، امی کی نماز کے بعد طویل وظائف ہوا کرتے، کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا، وہ ایکدم خالی اور فارغ ہو گئی تھی ورنہ اکثر تو حیدر سے اسی کام کی زیادتی پہ الجھا اور جھگڑا کرتی، نعمتوں کا اور رشتوں کی قدر دانی کا احساس ہی انہیں کھونے کے بعد جاگا کرتا ہے، وہ طول ہوئی نل سے پائپ لگا کر سرخ اینٹوں کا فرش ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بھگونے لگی۔
"مما...... مما۔" اس نے دروازے کے پار گاڑی کی آواز سنی تو تھی، مگر دھیان اس لئے نہیں دیا کہ اب تک حیدر کی جانب سے مایوس ہو چکی تھی، اذان کی پکار پہ اس نے بے اختیار گردن موڑی اور اگلے لمحے پائپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔
"ہم آ گئے ہیں مما! یہ دیکھیں عیشیہ بھی ہے۔" اذان بھاگتا ہوا آ کر اس سے لپٹا تھا، زینیہ نے جھکتے ہوئے اک ساتھ بے تابانہ وارفتگی سمیت دونوں کو بازوؤں میں بھر لیا، انہیں اپنی تشنہ ہو جانے والی ممتا کی بارش میں بھگوتے وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔
"آپ مت روئیے مما! اب ہم آپ کے ساتھ ہی رہیں گے۔" اذان کی تسلی پہ وہ بجائے مطمئن ہونے کے چونکی اور خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"کیوں......؟ بابا کہاں ہیں آپ کے وہ نہیں آئے؟" اس کی آنکھوں میں سوال تھے تو پور پور میں بے چینیاں اترنے لگیں۔
"نہیں، لیکن بابا نے ہی ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، شوفر کے ساتھ۔" اذان کے جواب پہ اس کا دل ساکن ہو کر رہ گیا۔
"کیوں؟ آپ کیوں انہیں اکیلا چھوڑ کر آئے، اذان بیٹے آپ ان سے کہتے وہ ہماری مما کو یہاں لے کر آئیں۔" وہ جیسے رو دینے کو ہو گئی تھی۔
"کہا تھا مما بہت فورس بھی کیا تھا، نہیں مانے بابا، عیشیہ بہت روئی تھی، بہت بیمار بھی تھی جبھی بابا نے ہمیں یہاں آپ کے پاس بھیج دیا، آپ خوش کیوں نہیں ہوئیں مما!" بچے کا معصوم ذہن ماں کو متفکر پا کر حیران تھا، زینیہ کچھ کہے بغیر منہ پہ ہاتھ رکھ کر سسکنے لگی۔
"زینیہ پلیز ریلیکس، بچے پریشان ہو رہے ہیں۔" زرک خان کی آواز پہ اس نے بھیگی پلکیں اٹھائیں اور کچھ کہے بغیر یونہی روتی ہوئی اٹھ کر اندر بھاگ گئی، زرک خان گہرا متاسفانہ سانس بھرتا بچوں کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، جو قدرے متوحش نظر آنے لگے تھے اس صورت حال سے۔

☆☆☆

رمضان المبارک کی ستائیسویں شب تھی، مسجدوں سے ذکر اذکار اور صلوۃ پڑھنے کی آوازیں ماحول کا حصہ تھیں، عموماً لوگ اسی شب کو شب قدر سمجھتے ہیں اور خصوصیت سے عبادات کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ احادیث مبارکہ میں شب قدر کو رمضان المبارک کی آخری راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہوا ہے، زرک خان نے ملازم کو اپنا نام بتلانے سے گریز کیا تھا اور حیدر سے ملنے کی خواہش کا اظہار بھی، ملازم نے اسے نفاست اور قیمتی ساز و سامان سے سجے ڈرائینگ میں بٹھایا اور غالباً حیدر کو بلانے چلا گیا، اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا، شکن آلود سفید کلف کے کرتا شلوار میں ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ اس کے روبرو تھا، اپنی ٹھٹکا دینے والی وجاہتوں اور دلکشی کے ہمراہ۔
وہ ہی صحیح معنوں میں زینیہ جیسی بے تحاشا حسین لڑکی کا صحیح حقدار تھا، یہ بات زرک خان نے بہت پہلے خود کو سمجھا دی تھی اور صبر کرنے کی کوشش میں لگ گیا تھا۔
"تم......؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے آنے کی زحمت کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" حیدر اسے دیکھتے ہی اس کی توقع کے عین مطابق نہ صرف چونکا تھا بلکہ ناگواریت و تلخی کے ساتھ بے تحاشا غصے سے بھی بھر گیا۔
"میں جانتا ہوں حیدر حسن کہ آپ کو میرا یہاں آنا پسند نہیں آ سکا، میں یہ بھی جانتا ہوں آپ مجھے پسند نہیں کرتے، اس تمام ناپسندیدگی کی وجہ جتنی بھی غیر اہم ہو مگر اس وقت قابل ذکر بات یہ ہے میرا آپ سے اب ملنا ناگریز ہو چکا تھا، آپ کے برا ماننے کو جانتے ہوئے بھی میں یہاں آیا ہوں حیدر صاحب تو اس کی وجہ زینیہ حیدر ہی ہو سکتی ہیں۔"
سلام سے بات کا آغاز کرتے ہوئے زرک جتنا سنجیدہ اس وقت تھا، شاید ہی اپنی زندگی میں کبھی ہوا ہو، حیدر نے ہونٹ بھینچ لئے، نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا، وہ نہ اسے دیکھنا چاہتا تھا نہ ہی کچھ بات کرنا، رقیب سے بڑھ کر کوئی تکلیف دہ رشتہ نہیں، اس نے یہ بات ابھی جانی تھی، اس سے سامنے کے بعد، جبکہ وہ دونوں پہ یہ بھی جانتے تھے کہ زینیہ زرک کی وجہ سے ہی اسے چھوڑ کر گئی تھی۔
"آپ کی یہی ناپسندیدگی تھی حیدر کہ میں اپنے گھر شہر اور پھر ملک سے بھی نکل گیا، میں والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، ان کی تمام امیدوں کا مرکز، لیکن میرے دامن پہ داغ لگے میری وجہ سے کسی معصوم بے گناہ لڑکی پہ شک ہو یہ تو ہرگز بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا، آپ کی آنکھوں میں میں اپنے لئے ناپسندیدگی پا چکا تھا اور شک بھی، جبھی اتنی دیر واپس نہیں آیا جب تک میں نے شادی نہیں کر لی، حیدر صاحب کیا مجھے آپ کو یقین

دلانا پڑے گا کہ زینیہ کا مجھ سے ہرگز ہرگز بھی کوئی جذباتی لگاؤ نہیں تھا، آپ کے پروپوزل سے محض چند دن قبل میرا رشتہ گیا تھا اس کے لئے، لیکن اس کا واضح رجحان میں آپ کی جانب محسوس کر چکا تا، یہ حقیقت ہے کہ اگر میں خود خالہ امی کو منع نہ کرتا تو آپ کا رشتہ کبھی قبول نہ کیا جاتا، کہ اتنا ہی وہ لوگ مجھے عزیز رکھتے تھے، میرا مقصد یہاں آپ پہ اپنی برتری جتلانا نہیں ہے پلیز......" حیدر کے چہرے پہ ناگواری دیکھ کر وہ وضاحتی اور دفاعی انداز میں واضح کر کے بولا، پھر گہرا سانس بھرا تھا اور اسے التجا آمیز نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

"زینیہ آپ سے محبت کرتی ہے حیدر صاحب! اس محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا لیں کہ آپ نے بچھڑ کر وہ جینا بھولتی جا رہی ہے، اگر مزید یہ صورتحال رہی اور آپ نے اصلاح کی طرف قدم نہیں اٹھایا تو خدانخواستہ کچھ بہت غلط بھی ہو سکتا ہے، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں اس کی حالت دیکھ چکا ہوں، مجھے افسوس ہے اور بہت دکھ بھی کہ میری وجہ سے آپ اور زینیہ دونوں کو ہی اذیت کا شکار ہونا پڑا۔"

حیدر تب بھی خاموش لب بھینچے ہوئے تھا اب بھی ویسے ہی بیٹھا رہا، البتہ اک تبدیلی ضرور آئی تھی، پہلے وہ اسے دیکھنے سے گریزاں تھا، اب اس کا پرکھتی جانچتی نظروں سے جائزہ لے رہا تھا، جہاں سچائی تھی، شفاف سچائی، اس کے اندر عجیب سا احساس اترنے لگا۔

"کیا میں امید رکھوں کہ آپ......" زرک کی امید افزا نظروں کے جواب میں حیدر نے کوئی تاثر دیئے بغیر چہرا پھیر لیا، زرک کا رنگ پھیکا پڑا، پتا نہیں انا کو مار کر اٹھایا یہ قدم کچھ فائدہ دینے والا بھی تھا کہ نہیں۔

"میں چلتا ہوں مگر اک آخری بات......

زینیہ بہت شائی ہے حیدر، بہت گہری بھی، اسے محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ نہ سمجھ لیجئے گا وہ محبت کرتی ہی نہیں ہے، آپ یقین کر سکتے ہیں جن دنوں آپ کے پروپوزل کو رد گیا تھا میں نے اسے راتوں کو بے قرار اور سجدوں میں روتے دیکھا تھا، وہ اگر تب اس تعلق اور محبت کی ابتدا میں آپ کو کھونے سے اتنی خائف تھی تو اب اس احساس میں کتنی گہرائی کتنی شدت ہو گی اندازہ تو کرنا چاہیے، آپ کو، وہ اب بھی سجدوں میں روتی اور راتوں کو جاگتی ہیں، یہاں تک کہ وہ بچوں کے باپ کی وجہ سے اپنے بچوں سے بھی غافل ہو چکی ہیں، میرا مشورہ ہے اک بار اس سے مل لیں، شاید کسی حتمی فیصلے کو کرنے میں سہولت میسر آ جائے۔" زرک خان کا لہجہ آخر میں نا چاہتے ہوئے بھی خفیف سا طنز سمیٹ لایا، اس کے بعد وہ رکا نہیں تھا، اس نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، اب آگے زینیہ کی قسمت تھی۔

☆☆☆

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ ساکن بیٹھی تھی، آنکھوں میں اترے آنسو یونہی سطح پہ تیر رہے تھے، گویا قیدی ہو گئے تھے اس کے غم کے، اسیر ہو گئے تھے اس کے درد کے، یہ چاند رات تھی، خوشیوں کی رات، ہر کوئی خوش تھا سوائے اس کے دل کے، یہاں تک کہ اس کے دونوں بچے بھی بے حد مسرور تھے، ابھی کچھ دیر قبل عیشیہ اور اذان امی بابا کے ساتھ شاپنگ کر کے لوٹے تھے، رنگا رنگ کپڑے، شوز، گلاسز اور جانے کیا کچھ، نانا نانی نے نواسہ نواسی کے خوب لاڈ اٹھائے تھے، عیشیہ نے تو رنگ برنگی چوڑیاں بھی پہنی تھیں، وہ اک اک چیز اسے دکھا کر خوش ہوتے رہے

"کل بابا آئیں گے مما! یا ہم بابا کے پاس جائیں گے۔" اذان بار بار سوال کو دہراتا تھا اور

وہ ہونٹ کاٹنے لگتی تھی، کتنی مشکلوں سے دونوں کو بہلا کر سلانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

"آپ اتنے کٹھور تو کبھی بھی نہیں تھے حیدر۔" اس کا دل سسک اٹھا۔

عیشیہ نے نیند میں کروٹ بدلی اور مہندی کے نقش و نگار سے سجا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا، زینیہ نے ساکن نظروں سے اپنے گلابی دوپٹے پہ تازہ مہندی کا رنگ اترتا دیکھا، آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں میں یہ منظر دھندلایا اور اس کی جگہ اک اور حسین یاد اترنے لگی، اسے یاد تھا ان کی شادی سے دو ماہ بعد عید آ گئی تھی، زینیہ کو تو مہندی لگوانے کا بہانہ چاہیے ہوتا تھا، مگر اب صورت حال مختلف تھی، گھر کی اور حیدر کی تمام تر ذمہ داریاں اس پہ آ پڑی تھیں، کام سے فراغت پاتے ہی وہ کون لے آئی اور بہت دل جمعی کے ساتھ ہاتھ پہ بیل بوٹے بنانے شروع کر دیئے، حیدر روم میں آیا تو اس کا ڈیزائن تقریباً مکمل ہوا چاہتا تھا۔

"اف...... یہ کیا الا بلا لگا کر بیٹھ گئی ہو زینیہ! جاؤ ہاتھ دھوؤ۔" حیدر کا موڈ سخت خراب ہو گیا تھا، زینیہ کو اس قدر شاک لگا۔

"اللہ اللہ! مہندی نہیں پسند آپ کو۔" حیدر کے فی الفور سر کو نفی میں ہلانے پہ وہ بے دریغ اسے گھورنے لگی۔

"پھر تو بہت ان رومینٹک ہیں آپ، بھئی مہندی کی خوشبو تو حواسوں پہ کیف اور خمار طاری کر دیتی ہے اک آپ ہیں۔" وہ چچ چچ کرتی گویا اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"سارا رومینس مہندی میں ہی تو نہیں جا گھسا، اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں کر کے بتاؤں؟" اس نے اسے ایک دم بازوؤں میں بھر لیا تھا، زینیہ چلا اٹھی تھی۔

"اف...... چھوڑیں، پرے ہٹیں، خراب ہو جائے گی میری مہندی، اتنی مشکل سے لگی ہے میری محنت کا کچھ تو خیال کریں۔" اس کا انداز کچھ ایسا احتجاجی تھا کہ حیدر کو سارا رومینس بھول کر اسے چھوڑنا پڑا۔

پھر اس کے مطالبات اور فرمائشیں وہیں پہ ختم نہیں ہوئی تھیں، دونوں ہاتھوں پہ مہندی لگائے اب وہ مزید کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی، حیدر کو کبھی اسے پانی پلانا پڑا تھا تو کبھی اس کے اصرار پہ اس کی پسند کا چینل سرچ کر رہا تھا۔

"مہندی لگی ہے ناں، اب خود کیسے کروں؟" اس کی گھورتی نظروں کے جواب میں وہ ہر بار ادا سے مسکرا کر کہہ دیتی حیدر نے برا نہیں مانا مگر بے حد خوشگوار بات کرتے جب حیدر نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو کیسے بدک کر چلائی تھی وہ۔

"حیدر...... کچھ تو خیال کریں، اتنی محنت سے لگائی مہندی خراب کریں گے۔" اور حیدر کا غصہ آسمان چھونے لگا تھا۔

"اس مہندی کی تو ایسی کی تیسی، اس کا اتر جانا ہی بہتر نہیں ہے اگر یہ اتنی پابندیاں عائد کرے مجھ پہ۔" اس کے چیخنے چلانے کی پرواہ کیے بغیر حیدر نے گیلی مہندی اسی کے دوپٹے سے صاف کر کے دوپٹہ گول مول کر کے قالین پہ پھینکا اور بسورتی ہوئی زینیہ کو بانہوں میں بھر کے کھلکھلایا تھا۔

"ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لو لڑکی، میں اپنے اور تمہارے درمیان اس مہندی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا، اگر لگانی ہو تو اس وقت لگانا جب میں تمہارے پاس نہ ہوں۔" اس کا ناک پکڑ کر دباتے ہوئے وہ کتنے تحکمانہ مگر محبت آمیز لہجے میں بولا تھا، زینیہ کی آنکھ سے ٹپ ٹپ موتی برسے۔

"میں نے کبھی دوبارہ مہندی نہیں لگائی تھی، حیدر آپ جانتے ہیں، پھر یہ کیوں نہ جان پائے کہ میں ایسا کبھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ کبھی میرے پاس نہ ہوں، مجھے پتا تھا ناں، نہیں جی سکتی آپ کے بغیر۔" گھٹنوں پہ چہرا رکھے وہ پھر خود پہ ضبط کھو گئی تھی اور وہاں آکر ٹھہر جانے والے حیدر کے دل میں آخری کانٹا بھی جیسے کسی نے غیر محسوس انداز میں کھینچ کر نکال دیا۔

"اونہہ، مجھے ہرگز الہام نہیں ہوتے تھے، گنہگار سا بندہ ہوں یار۔" اس کا لہجہ گھمبیر تھا، سرگوشی سے ذرا سا ہی بلند، اس کے باوجود زینیہ تک جا پہنچا، اس نے بری طرح چونکتے آنسوؤں سے تر چہرا اوپر اٹھایا اور جیسے حیرت و غیر یقینی سے منجمد ہو گئی۔

"آ...... آپ......؟" اس کے بھیگے ہونٹ عالم تحیر میں کانپے، وہ دروازے سے کاندھا ٹکائے مسکراتا ہوا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، ہمیشہ کی طرح فریش، شاندار اور بے حد اٹریکٹو۔

"اگر یہ اعتراف اور اظہار پہلے کر لیا ہوتا تو کبھی ہمارے بیچ یہ تکلیف دہ مرحلہ نہ آتا زینیہ۔" وہ پہلی بار شاکی ہوا تھا اور زینیہ اٹھ کر بھاگتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی، وہ روتی جاتی تھی اور بار بار چھو کر اسے دیکھتی تھی، گویا خود کو اس کی موجودگی کا اعتبار بخشتی تھی، آنسو اور شدت سے بہنے لگے

"آئی ایم ساری زینیہ! میں نے تمہیں تکلیف دی۔" وہ بے حد شرمندہ سا بولا، زینیہ نم آنکھوں میں بے تحاشا شکایت لئے اسے دیکھے گئی۔

"میں نے زرک خان کو ہمیشہ بھائی کی نظر سے ہی دیکھا تھا، اگر امی بابا نے میری اس سے شادی کرنی چاہی تھی تو اس میں میرا کیا قصور تھا بھلا؟"

"آگین سوری یار، میں مانتا ہوں، بہت شدت پسند ہوں میں، پھر معاملہ تم نے خود بھی تو بگاڑا، منہ اٹھا کر چلی گئیں اس کے ساتھ یہ خیال تو کیا ہوتا کہ تم نے کبھی اس کے حوالے سے میرا ذہن صاف نہیں کیا۔" حیدر کے کہنے پہ زینیہ نے متاسفانہ نظریں اس پہ جما دیں۔

"ضروری ہے حیدر! ہر بات منہ سے کہی جائے، ہماری حرکات و سکنات از خود گواہی دے رہی ہوتی ہیں کہ ہمیں کس سے کیا چاہیے، یا کسی کے لئے ہمارے پاس کیا ہے۔" اس درجہ مدلل جواب پہ حیدر کھسیا کر مسکرایا تھا۔

"اگر ایسی بات مجھے سمجھا سکتی ہو تو خود کیوں نہ سمجھی، کہ میں کتنی محبت کرتا ہوں تم سے، کیوں بار بار اظہار کا اصرار ہوتا تھا تمہارا؟" اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ان میں اک مدت بعد زینیہ نے شوخی و شرارت اترتے دیکھی۔

"وہ ایک یکسر الگ قصہ ہے، یہ بتائیں اب کیسے آ گئے آپ؟ انا نے اجازت دے دی؟" وہ خفا خفا سی بولی تھی، جواب میں حیدر کی آنکھوں میں بے تحاشا شا کی پن جھلک آیا۔

"ٹھیک کہتی ہو، ساری بات ہی محبت کی ہے، مجھے بھی جبھی لوٹ ہی آیا ہوں، تمہیں ہوتی تو تم کرتی اس انا کو قربان۔" وہ واقعی بدل گیا تھا، بار بار شکوہ کر رہا تھا مگر یہ شکوہ ایسا تھا جو زینیہ کے زخموں سے کھرنڈ نوچ کر پھینک گیا۔

"میرے نزدیک محبت انا سے بہت زیادہ قیمتی تھی، جبھی اسے بچانے کو انا قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، لیکن وہاں جا کر پتا چلا کہ حیدر صاحب تو اپنے بچوں کی ماں کو اپنے تئیں مار چکے، اب مری ہوئی زینیہ کو میں زندہ بھی کرتی تو کیسے؟" اس نے آنسوؤں کے درمیان سارا قصہ سنایا تو حیدر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آئی تھیں گھر؟...... اور پھر بھاگ بھی آئیں۔" وہ سوالیہ ہوا، زینیہ نے نظر کا زاویہ بدلا یعنی ثابت ہوا، صرف احمق ہی نہیں جذباتی بھی بلا کی ہو، ان دنوں میں جس ذہنی کرب سے گزر رہا تھا تم نہیں سمجھ سکتیں۔

"ہاں میں کیونکر سمجھوں گی؟ میں تو یہاں پھولوں کے بستر پہ سوتی رہی ہوں نا، بہت ذہنی کرب میں تھے آپ، جبھی تو اس ثمرین سے ساز باز ہو رہی تھی، جب آپ اسے میری جگہ دینے کو تیار ہو گئے تھے اور مجھ سے جان چھڑانا چاہتے تھے پھر میں وہاں کیوں رکتی، مجھے آنا ہی تھا۔" اس کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہنے لگے، حیدر اسی قدر عاجز اور بے چین ہو کر رہ گیا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے، یہ سب تمہارے ذہن کے مفروضے گھڑے ہوئے ہیں، زینیہ تم اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتیں کہ اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرتا، میرے لئے تمہاری اہمیت الگ تھی جو تم تھیں وہ کبھی کوئی اور نہ تھی نہ بن سکتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں کچھ معاملوں میں شدت پسند رہا ہوں لیکن اب تمہیں شکایت نہیں ہو گی، مجھے اب اس اعتراف میں بھی عار نہیں ہے کہ میں تمہارے جانے کے بعد ادھورا ہو گیا تھا، میرا سب کچھ ادھورا تھا، میرا گھر، میرے بچے، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" حیدر خاموش ہوا اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا، گویا اس کی رائے جاننے کا متمنی ہو۔

"کچھ بولو نا زینیہ!" حیدر کو اس کی چپ عجیب لگی۔

"کیا بولوں؟ مطالبہ تو آپ نے اب بھی میرا پورا نہیں کیا، اتنی ڈھیر ساری باتوں میں بس اک بات کی کمی تھی۔" وہ منہ پھلا کر بولی تھی اور غصے سے اسے گھورا، حیدر ہونق ہوا تھا۔

"ہائیں...... کون سی بات رہ گئی بھلا؟" وہ ٹپٹایا اور سر کھجانے لگا۔

"آپ بہت برے ہیں حیدر! کبھی نہیں سدھر سکتے، یہ بھی میں یاد دلاؤں؟" اس نے روہانسی ہوتے اسے دیکھا اور حیدر نے مسکراہٹ دبالی تھی۔

"ہاں، کیا حرج ہے۔" اس نے کاندھے اچکائے۔

"یہ سارا کچھ نہ بھی کہتے، بس اتنا کہہ دیتے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے، نہیں نا مجھ سے محبت ہے۔" اس کے ہاتھ تھام کر وہ پہلے شاکی ہو کر بھی اصرار کرتے ہوئے بولی تو حیدر زور سے ہنس پڑا تھا۔

"مجھے تمہاری خواہش تمہارا مطالبہ ہمیشہ از بر رہا ہے، یونو زینیہ میں جان کر انجان بنا ہوا تھا، صرف اس لئے کہ تم بھی اظہار کرنا جان جاؤ مگر......" اس نے تاسف سے کہا اور بات ادھوری چھوڑ دی، زینیہ جھینپ کر ہنس پڑی۔

"آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہو گی، میں بھی جان گئی ہوں حیدر کہ محبت صرف عمل سے ظاہر کرنے کا نام نہیں ہے، رشتوں کی مضبوطی اور تقویت کے لئے زبان سے بھی اس کا اظہار ضروری ہے۔"

کچھ دیر بعد جب وہ خوش باش اپنے گھر جا رہے تھے، زینیہ نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد کہا تھا، حیدر کے چہرے پہ دلکش مسکان سورج کی پہلی نوخیز کرن کی طرح چمک اٹھی۔

"تمہیں یاد ہے تم مجھے باور کرانے کو امجد اسلام امجد کی نظم سنایا کرتی تھیں، وہ ہمیشہ سے ادھوری رہنے دی تم نے، شاید اسی لئے کہ اسے آج میں نے مکمل کرنا تھا۔" وہ مسکرایا پھر بے حد جذب سے اسے دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں با قاعدہ گنگنانے لگا۔

مجھے تم سے محبت ہے
سمندر سے کہیں گہری
ستاروں سے سوا روشن
پہاڑوں کی طرح قائم
ہواؤں کی طرح دائم
زمیں سے آسماں تک
جتنے بھی اچھے مناظر ہیں
محبت کے کنارے ہیں
وفا کے استعارے ہیں
ہمارے واسطے یہ
چاندنی راتیں سنواتی ہیں
سنہرا دن نکلتا ہے
محبت جس طرف جائے
زمانہ ساتھ چلتا ہے
ہاں یہ سچ ہے
ہماری زندگی اک دوسرے کے نام لکھی ہے
دھندلکا سا جو آنکھوں کے پاس
دور تلک پھیلا ہے
اسی کا نام چاہت ہے

زینیہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسٹیرنگ پہ دھرے حیدر کے ہاتھ پہ بہت مان بھرے انداز میں رکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرمیلی مسکان لبوں پہ سجاتے اسے چپ ہونے کا اشارہ کیا تھا۔

"نہیں بس اب میں پڑھوں گی، یہ اظہار میری جانب سے ہونا چاہیے کہ اسے سننا حق ہے آپ کا، آپ کی بے پایاں محبت کا۔"

مجھے تم سے محبت تھی
مجھے تم سے محبت ہے
محبت کی طبیعت میں
یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے
یہ جتنی بھی پرانی
جتنی بھی مضبوط ہو جائے
اسے تائید تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے

وہ ہنسی تھی اور اپنا سر حیدر کے کاندھے سے ٹکا دیا، لڑائی اگر محبت کی ہو اور انا بیچ میں حائل نہ ہو تو محبت کو بڑھانے کا باعث بنتی ہے، ان کے بیچ انا حائل ہوتے ہوتے رہ گئی تھی، ہر لڑائی بھی محبت کے بڑھاوے کا باعث بنی تھی، دونوں نے اپنی اپنی غلطی تسلیم کی تو یہ غبار چھٹ گیا تھا، زینیہ اب وہ حیدر کو بالکل اور اچھی طرح سمجھ گئی ہے، اب کبھی اسے شکایت کا موقع نہیں دے گی، وہ وعدہ کر رہی تھی حیدر سے کہ وہ اس کی فینز سے بھی اب کبھی جیلس نہیں ہو گی اور حیدر جانتا تھا وہ سارے وعدے پورے کر بھی دے تو اس آخری عہد پہ قائم نہیں رہ پائے گی، پھر لڑائی تو ہو گی، ہونی بھی چاہیے کہ محبت میں لڑائیاں اور صلح کا اپنا چارم اور دلکشی ہے، مگر وہ شوبز کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا، زینیہ کے لئے نہیں، اللہ کے لئے، وہ ایسا کام اللہ کے لئے ہی کر سکتا تھا مگر کرنا اس وقت تھا جب اس کی توفیق عطا ہوئی اور یہ توفیق عطا ہو چکی تھی، یہ عید خاص طور پر حیدر کے لئے عید سعد بن کر ہی آئی تھی کہ اللہ نے اس کا رخ اپنے راستے کی جانب پھیر لیا تھا، برائی سے اچھائی کی جانب کا تعین کر دیا تھا، اس سے بڑھ کر بھی اس کی کوئی خوش بختی ہو سکتی تھی بھلا۔

☆☆☆

نیلے چاند کی رات

صبا جاوید

''مما! پلیز مجھے جانا ہے ہر انسان بہتر اور خوب سے خوب تر مستقبل کے لئے اسٹرگل کرتا ہے میں بھی وہی کررہا ہوں۔''

''کس چیز کی کمی ہے تمہیں جو تم مزید خوب تر کی جستجو کررہے ہو اور میں نے کب تمہیں منع کیا ہے یہ سب کچھ تو یہاں رہ کر بھی کرسکتے ہو، فرحال کیوں اپنی ماں کی ممتا کو تڑپاتے ہو۔'' سبین سحر نے قدرے روہانسی ہوکر اسے سمجھانا چاہا۔

''مما...... واٹ ڈو یو تھنک کہ میں آپ کے بغیر رہ سکتا ہوں نہیں، ہرگز نہیں لیکن میری بات کو سمجھیں مما، پلیز لیٹ می گو۔'' وہ رخ موڑ کر قدرے شکست خوردہ سا بولا۔

''وہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ ایسا کیا ہوگیا ہے جو تم اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کیے بغیر ابراڈ جانے کی رٹ لگائے بیٹھے ہو، یہ کریئر بنانے کا کون سا طریقہ ہے البتہ کریئر تباہ کرنے کا اچھا بہانہ ہے، اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑ کر تم ابراڈ جاکر نئے سرے اسٹارٹ لینا چاہتے ہو، جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' اب کی بار سبین سحر کا رویہ متامل تھا۔

''مما میرے لئے حالات اور مشکل مت بنایئے گا۔'' وہ بے بسی کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

''فرحال...... میری جان۔'' اس کے لہجے کی بے بسی نے ان کی ممتا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا،

مکمل ناول

''یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور مجھے دوبارہ اسے بدلنے پر مجبور مت کیجئے گا۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا اور سبین وہیں صوفہ کم بیڈ پر ٹک گئیں۔

''کیا ہوا سبین، فرحال نہیں مانا؟'' ریحانہ نے کافی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور پھر انہیں مخاطب کیا جو ایسی بیٹھی تھی جیسے سب کچھ گنوا بیٹھی ہوں۔

''میں کیسے اسے خود سے دور بھیج دوں بھابھی، میرا سب کچھ وہی ہے مشاہد کے جانے کے بعد فرحال اور اذکاء ہی تو میرے جینے کی وجہ تھے، ان کے لئے میں نے خود کو زندگی کی طرف موڑ لیا اب کیسے اسے پردیس بھیج دوں، میرے دل کا خوف مجھے بہادر نہیں بننے دیتا میں اپنے بیٹے کی خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں مگر میرے اندر بسیرا کیے اندھیرے مجھے کچھ نظر نہیں آنے دیتے میرا گھیراؤ کیے بیٹھی وحشت انجانے اندیشوں کے احساس میں جکڑے ہوئے ہے مجھے، میں اسے کیسے اپنی بے چینی سمجھا دوں مجھے پتہ ہے وہ کس چیز سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے مگر میں اپنے جذبات سے بے بس ہوں بھابھی، بہت بے بس ہوں۔'' آخر میں چہرہ ہاتھوں کے پیالوں میں چھپا کر وہ سسکنے لگی تھیں اور ان کے دکھ نے ریحانہ کو بھی آبدیدہ کر دیا تھا۔

''اولاد ماں باپ کے درد کو نہیں سمجھتی سبین، لیکن فرحال بہت نیک اور سمجھ دار بچہ ہے بہت جلد یہ بھوت اس کے سر سے اتر جائے گا۔'' انہوں نے سبین کو دلاسہ دینا چاہا۔

''آپ فکر کیوں کرتی ہیں ابھی تک زرش اس معاملے میں خاموش ہے جب اس نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تو خود ہی موصوف کی ضد ختم ہو جائے گی آپ کو تو معلوم ہے بچپن سے ہی وہ سب سے زیادہ قریب زرش کے ہی رہا ہے، اس نے فرحال کو چھوٹے بھائیوں کی طرح چاہا ہے، وہ اس سے بہت پیار کرتی ہے اور فرحال بھی زرش کی بات کبھی نہیں ٹالے گا اتنا لاڈلا ہے اس کا، اس سے اپنا ہر مسئلہ شیئر کرتا ہے، وہ ضرور اسے روک لے گی سبین، بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے منہ موڑنا مشکل ہوتا ہے ان میں مان ہی ایسا ہوتا ہے، چاہے فرحال آپ سے اپنی ماں کی حیثیت سے ضد باندھ لے مگر زرش کا مان اسے منا کر ہی دم لے گا۔'' ان کے محبت و خلوص کو تصور میں لا کر وہ من ہی من مسکرا رہی تھیں، جواباً سبین چپ چاپ بھاپ اڑاتے کافی کے مگ کو دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

''یہ کیا سوگوار ماحول بنا دیا ہے تم نے گھر کا، کتنے دنوں سے میں برداشت کر رہی ہوں، سوچ رہی تھی چند ایک دنوں میں خود ہی عقل کے ناخن لے لو گے مگر تمہارا یہ ڈرامہ کچھ زیادہ ہی طوالت اختیار کرتا جا رہا ہے۔'' لال بھبھوکا چہرہ لئے، کاسنی سوٹ زیب تن کیے تپتی سنہری رنگت سمیت وہ اس کے سامنے تھی، ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے پر بہار سراپے پہ ڈال کر وہ قدرے ناگواری سے رخ موڑ لیا۔

''نظریں کیوں چرا رہے ہو وجہ بتاؤ مجھے کیوں افسردہ کیا ہے تم نے سب کو۔'' وہ پھر اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی اور پہلی بار فرحال مشاہد کو زرش مطیب کا ڈانٹنا غم و غصے میں مبتلا کر رہا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا سب لوگ مجھے یہاں رکھ کر کیا معرکہ سر انجام دلوانا چاہتے ہیں، ایسا کون سا کام ہے جس کے لئے میری موجودگی لازم و ملزوم ہے، ایک سال بعد ولید بھی تو چلا جائے گا بڑی مما کو تو کوئی پرابلم نہیں۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر وہ درشتی سے بولا ساتھ ہی توجہ پیش کر دی۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے، یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو، رشتوں کے احساس کی زنجیر تمہارے لئے بے معنی ہے۔'' تحیر سے اس کی بڑی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

''میں کسی لیکچر کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' فرحال شاید کوئی لچک دینے کو تیار نہیں تھا۔

''فرحال تم ایسے تو نہیں تھے، تمہیں چھوٹی مما کی تڑپ، اذکاء کا پیار اور باقی سب کی اپنائیت کچھ نظر نہیں آتا، آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی کیوں باندھ رکھی ہے تم نے۔'' غم و غصے سے وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

''اپنی...... اپنی بات کرو زرش، کیا تمہارے لئے میں کچھ نہیں ہوں۔'' اس کی آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھوں میں جھانک کر محض سوچ کر رہ گیا اور دوسرے ہی پل دل کی سرکشی پر خوب سرزنش کر رہا تھا۔

''چھوٹی مما کا خیال کرو فرحال، میرا اور اس گھر کے افراد کا احساس کرو پلیز۔'' اس کے مضبوط فولادی ہاتھوں کو تھام کر ان میں چہرہ چھپا کر رونے لگی، فرحال مطیب نے بہت تیزی سے اپنے ہاتھ اس کے مخروطی ہاتھوں سے آزاد کروائے، دل کی دھڑکن نجانے کیوں بے چین ہو اٹھی تھی، وہ بے طرح گھبرا گیا۔

زرش مطیب سسک رہی تھی اور فضا میں گونجتی اس کی سسکیاں فرحال مشاہد کا دل چیر رہی تھیں، اسے اک لمحہ میں ادراک ہوا تھا کہ اس لڑکی کے آنسوؤں سے ہار گیا ہے۔

''کیوں مجھ پر اتنا ظلم کر رہی ہو۔'' اب کی بار اس کے چہرے کو اٹھا کر وہ ہولے سے مسکرایا۔

''ظلم تم کر رہے ہو ہم سے دور جا کر۔'' اس نے بچوں کی طرح اس کا گال چھوا اور پیار سے پچکارا تو فرحال مشاہد جی بھر کر بدمزہ ہوا، اسے نجانے کیوں اس کا اپنے لئے یہ بچوں جیسا رویہ کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

''پرامس می...... تم اب کہیں جانے کی بات نہیں کرو گے۔'' گلابی ہتھیلی پھیلا کر وہ اس سے عہد مانگ رہی تھی اور پہلی بار بلا جھجک وہ اس کا ہاتھ تھام نہیں پایا تھا۔

''آئی پرامس یو...... دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔'' اس کی پھیلی ہتھیلی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کمپیوٹر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا اور اس کے نہ جانے کی نوید سن کر وہ اس قدر پرجوش تھی کہ اس کی یہ حرکت بالکل فراموش کر گئی۔

''تھینک یو، میری بات مان کر تم نے میرا کتنا اعتماد بڑھا دیا ہے تمہیں خود نہیں پتہ۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی تھی اور اس کے ہونٹوں کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی مسکرا اٹھیں تھیں، فرحال مشاہد اس کی مسکراہٹ میں کہیں کھوتا جا رہا تھا۔

''اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو یقیناً تمہارے جیسا ہوتا، تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کبھی اس رشتے کی کمی محسوس ہی نہیں ہوئی۔'' وہ واقعی بہت مشکور تھی اور زرش مطیب کے الفاظ پر فرحال مشاہد کے سینے کی گھٹن بڑھنے لگی تھی، اس کے دل کے جذبات اور اس لڑکی کے مان و اعتماد کے مابین اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔

''اب ہمیشہ کی طرح آپ جیت گئی ہیں میم، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' اپنی ذات سے بھاگتا وہ بے زاری سے بولا۔

''زیادہ تعریف تمہیں ہضم نہیں ہوتی، فوراً اکڑ جاتے ہو، بڑی ہوں تم سے آئندہ ولید اور دعا کی طرح تم بھی مجھے آپی کہا کرو گے۔'' ایک لمحے میں وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

جب بہت غصہ آتا تھا تو وہ ایسے ہی کہا کرتی تھی، جواباً وہ مردِ تنہا بھی مسکرا نہیں سکا۔

''پلیز زرش۔''

I am so tired het me)
(take some rest

(میں بہت تھک گیا ہوں مجھے کچھ دیر آرام کرنے دو۔)

وہ واقعی بہت بے بسی سے بولا تھا اور شاید اسے بھی رحم آ گیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو پھر ڈنر پر ملتے ہیں۔'' وہ شائستگی سے کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئی اور فرحال نے بہت تھک کر دروازہ لاک کیا تھا وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''تم نے مجھے کیوں روک لیا، تم سامنے رہو گی تو میرا دل بغاوت کر ہی جائے گا، تمہاری معصوم چاہت کو کیسے اپنے جذبات کی شوریدہ سے دور رکھ پاؤں گا۔'' وہ چھ فٹ کا مضبوط مرد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

☆☆☆

''افغان پیراڈائز'' کا آشیانہ افغان شہزاد کے تین بیٹوں اور ایک بیٹی کی معصوم مسکراہٹوں سے سجا تھا، گزرتے وقت نے رباب فضل کو رخصت کیا، کچھ وقت اور سرکا تو بالوں میں چمکتی چاندی نے افغان پیراڈائز کے نئے مکینوں کے تیزی سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کا عندیہ دیا۔

افغان شہزاد کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی سب سے بڑے مطیب افغان تھے ریحانہ سے شادی کے بعد ان کے آنگن میں زرش مطیب کی معصوم قلقاریاں گونج اٹھیں، ان سے چھوٹے مشاہد افغان تھے جو سین سحر کے سنگ دو خوبصورت بچوں فرحال مشاہد اور اذکاء کے اضافے کے بعد بہت پرسکون زندگی گزار رہے تھے، مگر اس کنبے کی خوشیاں مشاہد افغان کی اچانک دائمی جدائی سے تاریک ہو گئیں۔

ان سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی ثروت افغان تھیں جو عدنان کے سنگ پیا دیس سدھار چکی تھیں، لاریب اور شہریار جیسے خوبصورت بچوں کی پرورش میں آسودہ و مطمئن تھیں سب سے چھوٹے موحد افغان تھے خدیجہ کے ساتھ ازدواجی زندگی دعا زہرا، ولید اور حنان جیسے پھول کھلے تھے۔

اذکاء، زرش، مطیب اور شہریار عدنان دونوں ہم عمر تھے، زرش ایم ایس سی میتھس کی طالبہ تھی اور شہریار ایم بی بی ایس کر رہا تھا، فرحال مشاہد بھی ایم بی بی ایس کر رہا تھا جبکہ اذکاء ایم کام کی طالبہ تھی، ولید بی ایس سی کے فائنل ایئر میں تھا، دعا اور حنان انٹر میڈیٹ میں تھے۔

افغان پیراڈائز کے مکین ایک دوسرے کے ساتھ بہت مخلص اور اپنائیت بھری زندگی بسر کر رہے تھے تمام اولادوں اور ان کے والدین کے مابین محبت و اتفاق مثال تھا، مگر ان میں فرحال مشاہد اور زرش مطیب سب سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب تھے، زرش مطیب اس سے دو سال بڑی تھیں۔

بچپن سے ہی اسے اکلوتی ہونے کی سبب بھائی کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوئی تھی، خود ننھی منی ہونے کے باوجود جب اس نے فرحال مشاہد کو دیکھا تو لاشعوری طور پر اس کی طرف مائل ہو گئی، اس کی ضد پوری کر کے وہ اپنی خواہش کی تسکین کرتی تھی، فرحال اس کی ہتھیلی کا چھالہ تھا ننھی عمر کا بڑھتا پیار اور، خلوص عالم شباب میں بھی کم نہیں ہوا تھا اور جب مشاہد افغان کا انتقال ہوا، سین سحر کے جذبات کی سیج اجڑ گئی، ان کی توجہ زندگی کی رنگینوں اور رعنائیوں سے ہٹ کر جمود اختیار کر گئی، جہاں زیست کی امنگیں منجمد ہوئیں وہیں فرحال اور اذکاء کی زندگیاں بھی متاثر ہوئیں۔

ایسے میں افغان پیراڈائز کے ہر فرد نے انہیں ہمت وحوصلے کی ڈور کو مضبوطی سے تھامنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، لیکن فرحال کے لئے زرش کی توجہ و محبت مزید پروان چڑھ گئی، وہ بھی اس پر زیادہ انحصار کرنے لگا تھا۔

فرحال کی ہر بات پر وکالت کرنا، ہر معاملے و مطالبے کو پورا کروانا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی، فرحال بھی زرش کی ہر بات کو من وعن مان لیتا تھا، زرش نے جس رشتے کو جنم دیا تھا فرحال نے بھی ہمیشہ اسے احترام کی نگاہ سے دیکھا تھا، اپنی تتلاتی زبان سے ''مما'' کے بعد اس نے زرش کا نام لینا سیکھ لیا۔

افغان پیراڈائز کے تمام چھوٹے بچے زرش کو ''آپی'' کے صیغے سے مخاطب کرتے تھے مگر فرحال نے اپنی بچپن کی عادت کو بدستور قائم رکھا تھا اور اس بات پر زرش نے بھی تردیدی کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا سین اسے کبھی ڈانٹتیں تو زرش اس کے حق میں بول اٹھتی، یوں ہی ہنستے مسکراتے خوشیاں سمیٹتے اور بکھیرتے یہ سفر گزر رہا تھا جب سوچ اور جذبات میں تغیر کا موسم آ ٹھہرا اور دوسرے فریق کو خبر تک نہ ہوئی۔

☆☆☆

''فرحال پلیز یہ عجیب مطالبہ ہے تمہارا۔'' وہ روہانسی سی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''تو مت کرو پورا، بٹ اگر تم نے کھانا بنایا تو میں ہرگز نہیں کھاؤں گا۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''جو بات مجھے نہیں پسند وہ مت کیا کرو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''او کے کل فیئر ول فنکشن ہے وہ ہو جائے پھر کاٹ لوں گی۔'' اس نے حسرت بھری نگاہوں سے اپنے کیوٹکس سے سجے ناخنوں کو دیکھا، جو اس کی مخروطی نرم انگلیوں پر بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

''او کے۔'' فرحال مشاہد نے مختصراً کہا اور اس کے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں چلا آیا۔

''مما دیکھیں نا اسے، فضول ضد لے کر بیٹھا ہے۔'' وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

''اب کیا ہو گیا؟'' ریحانہ نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا اور فرحال کو مخاطب کیا۔

''کچھ نہیں بڑی مما، بس ایسے ہی۔'' تیوریاں چڑھا کر پہلے زرش کو دیکھا چند لمحے اپنی نگاہوں کی گرفت میں رکھا اور پھر سرد سے لہجے میں بولا۔

''یہ بھی کوئی لڑائی جھگڑے کی بات ہے اور ویسے برا مت منانا زرش بیٹے فرحال کی بات ٹھیک ہے۔'' ریحانہ نے بھی اس کی تائید کی تو زرش کو غش آنے کو تھی۔

''آپ بھی اس کی طرف داری کر رہی ہیں مما۔''

''اب کیا بھونچال آ گیا ہے جو یہ مریل چہرہ بنا رکھا ہے۔'' ریحانہ بیگم کو الٹا اسی پر تاؤ آیا۔

''کیا مطلب بھونچال، کتنے اچھے لگتے ہیں میری نازک انگلیوں پر، ابھی فائل کر کے کیوٹکس لگائی تھی میں نے اوپر سے یہ صاحب پہنچ گئے۔'' اسے رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

''تم نے ہی سر چڑھا رکھا ہے اب خود ہی ہینڈل کرو۔'' سین سحر کچن سے ابلے ہوئے آلوؤں کی ٹرے لئے برآمد ہوئیں اور مسکرا کر بولیں۔

"لائیں چھوٹی مما، میں آپ کے ساتھ آلو چھیل دوں۔" خفا خفا سے فرحال کو نظر انداز کرتی وہ صوفے پر ٹک گئی۔

"کیا بنانے لگی ہیں مما۔"

"کٹلس۔"

"تو پھر اس کے ہاتھ مت لگوایئے گا اس کے گندے ناخنوں والے ہاتھ لگے تو میں نہیں کھاؤں گا۔" وہ درشتی سے بولا تو اس کے لہجے کی سختی سن کر زرش حق دق رہ گئی۔

"فرحال...... بڑی بہن ہے تمہاری، ادب لحاظ تو بچپن سے ہی چھوڑا ہے اب عزت کرنا بھی بھولتے جا رہے ہو، یہ کیا طریقہ ہے بہن سے بات کرنے کا۔" سبین سحر نے قدرے غصے سے اسے لتاڑا۔

"سوری مما۔" وہ نادم ہوا۔

"سوری مجھے نہیں، زرش سے کہو۔" سبین سحر کے تیور کڑے تھے۔

"سوری۔" لٹھ مار انداز میں کہہ کر وہ یہ جا اور وہ جا۔

"تم نے ہی ڈھیل دے رکھی ہے زرش، دیکھو کیسے خودسر ہوتا جا رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں چھوٹی مما، اس کو ہینڈل کرنا مجھے آتا ہے۔" وہ بردباری سے مسکرائی۔

یہ حقیقت تھی کہ زرش مطیب نے اس کی ہر ضد مان کر فرحال مشاہد کو اپنے بارے میں بہت تچی اور پوزیسو کر لیا تھا، اب وہ چاہتا تھا زرش مطیب اس کی ہر بات مانے، وہ ٹین ایج، کا ناسمجھ بچہ تھا مگر زرش بھی اس سے محض دو برس ہی بڑی تھی، لیکن اس کی بردبار طبیعت میں ٹھہراؤ بہت نمایاں تھا، بہرحال فرحال کو کیسے منانا ہے یہ زرش سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح آف موڈ کے ساتھ وہ ناشتے کی میز تک آیا تھا تمام جملہ افراد ایک ساتھ ہی ناشتہ کرتے تھے لہٰذا تمام لوگ موجود تھے۔

"فرحال بھائی آج مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔" دعا اسکارف اوڑھے دوپٹہ کندھوں پر سیٹ کیے فائل سینے سے لگائے کھڑی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا ہوا فرحال، بیٹا طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" موحد نے محبت سے پوچھا، اس کے بجھے بجھے رویے کو بھی نے نوٹ کیا تھا۔

"جی چاچو، الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے مصنوعی بشاشت سے کہا ایک خفا سی نگاہ زرش پر ڈالتے ہوئے وہ بولا، اچانک اس کی نظر زرش کی مخروطی انگلیوں پر پڑی جو بڑے انہماک سے ناشتے میں مگن تھی، اسے حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا تھا، زرش کے ناخن کٹ چکے تھے۔

"چلو دعا میں جا رہا ہوں۔" جوس کا گلاس سبین سحر سے تھام کر اس نے کہا۔

"ناشتہ تو کر لیتے۔"

"نہیں بڑی مما ٹائم نہیں ہے۔" لاتعلق سی بیٹھی زرش کو دیکھ کر وہ شرارت سے بولا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں بلیک مرسڈیز میں محوِ سفر تھے۔

دعا نے بلیک پینٹ اور فان شرٹ میں ملبوس فرحال مشاہد کو بڑے غور سے دیکھا تھا اور اس کے دل نے شدت سے اسے پانے کی خواہش کی تھی، وہ چھوٹی سی لڑکی من ہی من اسے چاہنے لگی تھی جو اس کے جذبات سے بے خبر ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

☆☆☆

"زرش...... زرش!" وہ دور سے ہی اس کا نام پکارتا دوڑا چلا آ رہا تھا، اس کے چہرے سے تفکر و پریشانی ہویدا تھا۔

"کیا ہوا فرحال، ایسے کیوں پکار رہے ہو زرش کو۔" سبین اور ریحانہ نے اس کی آواز سن کر لاؤنج کا رخ کیا۔

"مما...... مما وہ ٹھیک تو ہے نا کیا ہوا اسے۔" وہ بے قرار سا بولا۔

"کون بیٹا، تم اس قدر پریشان کیوں لگ رہے ہو، ادھر بیٹھو مجھے بتاؤ بات کیا ہے؟" ریحانہ نے اسے شانت کرنا چاہا۔

"زرش...... وہ کدھر ہے مما، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"زرش تو مہتاب کی طرف گئی ہے، ان فلیٹ وہ صبح سے وہیں ہے۔" ریحانہ نے بتایا۔

"لیکن...... دعا تو......" وہ بے ربط سا بولا اور پھر لب بھینچ لیے۔

"کیا ہوا، کسی نے تم سے کچھ کہا۔" وہ دونوں ابھی تک ناسمجھی کے عالم میں کھڑی تھیں۔

"بس مما کسی نے مس گائیڈ کیا ہے مجھے پریشانی کی کوئی بات نہیں، کچھ کام تھا زرش سے مجھے۔" اس نے اپنے اندر اٹھتے غصے کے طوفان کو کم کیا اور نارمل لہجے میں بولا۔

"کچھ تو میچورٹی لاؤ اپنے انداز و اطوار میں، اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر انسان یوں ری ایکٹ کرتا ہے۔" سبین نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اسے لتاڑنا اپنا فرض جانا۔

"سوری مما!" وہ نادم ہوا۔

"اچھا اب آ ہی گئے ہو تو دعا کو اپنی پھپھو کی طرف چھوڑ آؤ، انہوں نے بلایا ہے، بچی کب سے راہ دیکھ رہی ہے۔" ریحانہ نہ کہا۔

"جی بڑی مما، بلائیں اسے۔" اس نے دانت کچکچائے۔

"پھپھو کی طرف جانا تھا تو اس میں اتنا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی دعا۔" گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہی وہ برس پڑا، دعا نے اسے فون کر کے کہا تھا کہ زرش سیڑھیوں سے گر گئی ہے اور وہ دوسری کوئی بھی بات سنے بغیر بھاگا چلا آیا تھا اور گھر آ کر اسے صورتحال کا اندازہ ہوا کہ یہ محض ایک جھوٹ تھا۔

"لیکن دعا نے ایسا کیوں کیا؟" وہ سوچ کر رہ گیا۔

"میں نے سوچا اگر میں نے سچ بولا تو آپ مجھے ڈراپ کرنے کالج سے نہیں آئیں گے۔" اس نے سچائی کا اعتراف کیا۔

"بہت افسوس کی بات ہے، ویری سیڈ اور اس لئے تم نے زرش کے نام کا سہارا لیا اور وہ بھی اس طرح۔" اس نے تعجب و تاسف سے اسے دیکھا، لیمن کلر کے سوٹ میں روئے روئے گلابی چہرے سمیت، چہرے پر عمر کی نوخیزی اور معصومیت کے رنگ سمیٹے وہ بے حد دلکش اور پاکیزہ لگ رہی تھی۔

"اور اگر میں تمہاری کارگزاری بڑی مما اور مما کا بتا دیتا پھر......؟" جواباً وہ لب کچلتی رہی تھی۔

"میرے لئے افغان پیراڈائز کا ہر فرد اہم ہے دعا، تم مجھے ایسے بھی بلا لیتی تو میں تمہیں ضرور چھوڑنے آتا، مجھے افسوس ہے تم نے میرے بارے میں اس انداز میں سوچا۔" اسے واقعی ہی دکھ ہوا۔

"سوری۔" اس کی آنکھیں پھر چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

"اٹس او کے، پہلی اور آخری بار بچی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں بٹ بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔" اس نے مصنوعی خفگی سے اسے وارن کیا اور پھر

مسکراتے ہوئے اسے ڈراپ کر کے کالج آ گیا۔

☆☆☆

شام کو سب لان میں چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے سورج دن بھر چمکنے کے بعد مغرب کے کناروں پر ڈوبتا نظر آ رہا تھا، اس کی نارنجی کرنیں چاروں اور بکھر کر فضا کو سندوری کرتی جا رہی تھیں۔

''چائے کس نے بنائی ہے؟'' پہلا سیپ لیتے ہی اس نے اذکاء سے پوچھا۔

''میں نے بنائی ہے بھائی۔''

''کیوں، زرش کہاں ہے، تمہیں پتہ ہے نا میں اسی کے ہاتھ کی چائے پیتا ہوں۔'' اس نے اپنی عادت بیان کی۔

''جی بھائی، اس کی طبیعت کچھ خراب ہے اس لئے وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہے۔'' اذکاء نے مطلع کیا۔

''اچھا، تم یہ چائے پکڑو میں اسے دیکھتا ہوں۔'' چائے کا کپ اس کو تھما کر وہ گلاس ڈور دھکیلتا اندر چلا آیا۔

اس کے کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازہ ناک کیا مگر جواب ندارد، اس نے بے چینی سے دوروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا، کمرے میں نیم تاریکی تھی تمام لائٹیں بند تھیں، صرف گلاس ونڈو سے ڈوبتے سورج کی مدھم کرنیں گہری تاریکی سے محو گفتگو تھیں۔

سامنے ہی وہ بیڈ پر دراز تھی، وہ بے سدھ سی پڑی اپنے آپ سے بھی بے خبر لگ رہی تھی جانے کس احساس کے تحت وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے بیڈ تک چلا آیا سرخ رنگ کے لمبے قمیض اور سفید ٹراؤزرز میں اس کی دودھیا رنگت کمرے میں پھیلنے نیلگوں اندھیرے کو شکست دیتی دکھائی دے رہی تھی، اس کا لمبا دوپٹہ تھوڑا سا بازو پر پڑا تھا اور باقی ڈھلک کر زمین بوس ہو چکا تھا۔

سیاہ گھنے بالوں کی آوارہ لٹیں اس کے رخساروں سے پھسلتی سفید صراحی جیسی گردن پر چپک گئیں تھیں، بڑی بڑی پلکیں سیاہی کی چادر اوڑھے ان سنہری آنکھوں کی حفاظت پر مامور تھیں، خمیدہ لب بڑی نرمی سے ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے، دوپٹے کی قید سے آزاد اس کا پر کشش سراپا قیامت برپا کر رہا تھا، اپنے ہوشربا حسن کی قیامتوں سے بے خبر وہ بڑی بے ترتیبی سے محو استراحت تھی۔

فرحال مشاہد کو کسی نے جادو کی چھڑی سے سحر زدہ کر دیا تھا وہ لاشعور طور پر اس کے قریب بڑھتا جا رہا تھا، اس کی گہری نگاہیں زرش مطیب پر جمی تھیں اس نے بے اختیار دوپٹہ کھینچ کر اپنی گرفت میں لیا، اس معمولی سی ہلچل پر بے خبر سویا وجود کسمسایا تھا اور پر فسوں ماحول میں جیسے بجلیاں گرنے لگی تھیں فرحال مشاہد کا دل بڑی شدتوں سے دھڑ کا تھا۔

کوئی احساس، کوئی جذبہ، کوئی رشتہ دھیرے سے دل کی سرزمین سے رخصت ہوا اور ایک نئی کونپل، نیا جذبہ دل کی سرزمین پر آ ابھرا، کچھ شوخ کچھ چنچل بہتے پانی کی طرح تیز، چلتی ہواؤں کی طرح مدہوش، ذرا ذرا سی لذت کی چاشنی لئے، فرحال مشاہد جاتے موسموں کو نہ روک سکا اور آنے والوں سے تکرار نہ کر سکا، وہ کھڑے کھڑے صدیوں کا سفر طے کر آیا۔

اس کی نگاہوں کا مطلب بدل چکے تھے، اس کے دل کے احساس تغیرات کے زیر اثر تھے، وہ مدہوش سا خود پر برسنے والے ساون میں کھڑا تھا، اس نے آگے بڑھ کر دوپٹہ اس کے وجود پر پھیلایا اور پھر کسی ٹرانس کی سی کیفیت نے اس

کے ہاتھوں نے کے ہاتھوں کو چھوا تھا، وہ ذرا سا کسمسائی تھی اور فرحال مشاہد جیسے ہوش میں آیا تھا۔

اپنے وجود کی حقیقت سے روشناس ہوا تھا، اپنے اور زرش مطیب کے رشتے کی نوعیت کا احساس ہوا تھا بڑی تیزی سے وہ کمزور لمحوں کی گرفت سے آزاد ہوا، وہ گومگو کی کیفیت میں اس کے کمرے سے نکلا اور تقریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے تک پہنچا، اس نے جلدی سے دروازہ لاک کیا، اس کا وجود پسینے پسینے ہو رہا تھا، دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا، اک ندامت کا احساس پورے وجود میں سرایت کر رہا تھا اس کے ساتھ ہی ایک بدلی بدلی سی کیفیت کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔

''یہ میں کیا کرنے والا تھا، آخر مجھے کیا ہوا ہے؟ یہ سب کیا ہے، ایک دم نیا، انوکھا، دلفریب اور خوف و وسوسے بھی اپنی دامن میں سمیٹے۔'' وہ الجھتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا، بے چینی و بے قراری نے اسے پریشان کر ڈالا تھا، اسے اپنی بدلتی کیفیات کا مطلب سمجھ نہیں آ رہا تھا، دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑے وہ متفکر و پریشان تھا، نادم تھا، بیزار تھا۔

☆☆☆

اس بے چینی و بے قراری، ندامت اور بدلتی کیفیات کی تیرگی کا عقدہ تب کھلا جب زرش مطیب اس کے سامنے آئی اور ازلی بے تکلفی سے بولی۔

''کب سے بلایا ہے تمہیں کانوں میں روئی ڈالے کر بیٹھے ہو۔'' آدھے گھنٹے تک جب وہ نہیں آیا تھا تو وہ خود ہی اس کے سر پر آ پہنچی۔

''سوری مجھے پتہ نہیں چلا۔'' اس نے جھوٹ بولا اور اسے نظر انداز کرتا وارڈ روب میں منہ گھسا کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ دنیا کا سب سے ضروری کام ہے جو بعد میں نہیں ہو سکتا۔'' اس کی فضول مصروفیات دیکھ کر وہ تلملائی۔

''کوئی کام تھا؟'' اس نے اصل بات پوچھی۔

''ہاں عمارہ کے گھر میری اسائنمنٹ رہ گئی ہے وہ لے آؤ۔'' اس نے بھی مزید بحث نہ کی۔

''اوکے۔'' وہ مختصراً بولا۔

''یہ لو ایڈریس۔'' اس کے پاس آ کر زرش نے اسے کے ہاتھوں میں ایک چٹ تھمائی اور فرحال مشاہد کو گویا چار سو وولٹ کرنٹ لگا تھا، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، ان کے درمیان ہمیشہ بے تکلفی رہی تھی مگر اس قدر انوکھا احساس پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔

بلیو اور وائٹ کمبی نیشن کے سوٹ میں میک اپ سے مبرا دھلے دھلائے چہرے میں وہ اسے بے بس کر رہی تھی اور اس لمحے اسے انکشاف ہوا تھا کہ وہ یعنی فرحال مشاہد، زرش مطیب سے محبت کرنے لگا ہے۔

جی ہاں محبت، اس دنیا کا سب سے مشکل امر ایک ایسی لڑکی سے جو اسے ایک بھائی کی طرح چاہتی ہے جو اس پر بہت اعتماد کرتی ہے اور فرحال مشاہد کے دل نے بڑی دلیری سے اس کے پاک و شفاف جذبات اور برادرانہ سوچ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔

وہ محبت کر چکا تھا یہ جانتے ہوئے بھی وہ لڑکی ایسی بات سوچنے پر بھی فرحال مشاہد کا سر دھڑ سے جدا کر دے گی، جس نے ہمیشہ اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کیا تھا جب اسے رشتوں کی ان غداری کی خبر لگے گی تو اس کا ردعمل کیا ہو گیا بہر حال فرحال مشاہد اس حسین لڑکی سے دیوا:

وار محبت کر چکا تھا۔

"تم جاؤ یہاں سے میں کچھ دیر تک چلا جاؤں گا۔" اپنی کیفیات سے گھبرا کر اس نے زرش کو چلتا کیا اور وہ الجھتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

"رویت ہلال کمیٹی نے اعلان کر دیا ہے کہ چاند نظر آ چکا ہے، انشا اللہ کل سے رمضان المبارک کا آغاز ہو جائے گا۔" رویت ہلال کمیٹی کے ساتھ ہی ولید بھی اپنی نظریں آسمان پہ گاڑھے بیٹھا تھا اور خبر ملتے ہی فوراً دوڑا چلا آیا۔

"ارے واقعی، مجھے بھی چاند دیکھنا ہے ولید بھائی۔" دعا مچلی۔

"جی چاند کچھ شرمیلا ہے، اپنے جیسا دوسرا شخص دیکھ کر شرما کر چھپ جاتا ہے۔" اس نے دعا کو چھیڑا۔

"بس بھی کریں بھائی۔" وہ جھینپ کر مسکرائی۔

اپنے ابراڈ جانے کے فیصلے کو رد کرنے کے بعد فرحال مشاہد کم ہی افغان پیراڈائز میں نظر آتا تھا۔

"چلو یہ چٹکلے چھوڑنا بند کرو اور دعائے خیر مانگو۔" زرش نے مدبرانہ انداز اپنایا اور اپنے ساتھ سب لوگوں کو تھرڈ فلور پہ لے آئی، پہلے دن کا چاند کمان کی شکل اختیار کیے تمام تر برکتوں اور نورانیت سمیت آسمان کے سینے پر محو سفر تھا۔

"زرش، شہریار بھائی آئے ہیں۔" وہ سب دعائے خیر میں مگن تھے جب اذکاء نے آ کر اطلاع دی تو بچہ پارٹی کو وہیں چھوڑ کر وہ نیچے لاؤنج میں چلی آئی۔

"کیسے ہو شہریار؟" اسے دیکھتے ہی وہ خوشدلی سے مسکرائی۔

"ٹھیک ہوں بس جلدی سے تیاری پکڑو۔" اس نے بہ عجلت کہا۔

"کیوں خیریت۔" وہ حیران ہوئی۔

"بیٹا آپ کی پھپھو کی طبیعت کچھ خراب ہے صبح سے حنان اور اذکاء ان کے پاس تھے اب وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں شہریار اسی سلسلے میں آیا ہے۔" خدیجہ نے اسے موجودہ صورتحال سے آگاہ کیا۔

"اوہ کیا ہوا پھپھو کو؟" وہ متفکر نظر آ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بس شوگر لیول بڑھ گیا ہے۔" شہریار نے بتایا۔

"ٹھیک ہے چچی جان میں چلتی ہوں لیکن میں نے مما کو نہیں بتایا۔"

"انہیں معلوم ہے آپ جاؤ صبح میں اور آپ کی مما بھی چکر لگا لیں گے فی الحال ہمیں صبح کے روزے کے لئے سحری کی تیاری کرنی ہے اور آپ کے چچا بھی آنے والے ہیں۔" خدیجہ نے تفصیلاً بتایا۔

"جی۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی شہریار کے ساتھ باہر نکل آئی، وہ پورچ تک پہنچے تھے جب فرحال مشاہد کی بلیک مرسڈیز نے افغان پیراڈائز کا گیٹ عبور کیا۔

"رمضان مبارک فرحال۔" اسے دیکھتے ہی وہ خوشدلی سے مسکرائی۔

"تمہیں بھی۔" وہ بدقت تمام مسکرایا اور شہریار سے بغل گیر ہوا۔

"اور ہینڈسم کہاں ہوتے ہو آج کل، کوئی لفٹ نہیں ہے۔" شہریار نے اسے چھیڑا۔

"بھائی آپ بھی نا، پتہ تو ہے آپ کو میڈیکل کس قدر ٹف فیلڈ ہے پھر بھی ایسا کہہ رہے ہیں۔" مسلسل مسکراتی زرش کو نظر انداز کرتا وہ سنجیدگی سے بولا اور پھر لب بھینچ لئے۔

"جسٹ کڈنگ یار، آئی کین انڈرسٹینڈ۔"

"تم آرام کرو، کافی تھکے ہوئے لگ رہے ہو، صبح پھر ملتے ہیں، میں پھپھو کی طرف جا رہی ہوں۔" اس کے چہرے پہ پھیلتے تاریک سائے کو تھکاوٹ سے مشروط کرتی وہ ازلی توجہ و محبت سے بولی اور اس کا یہ انداز اسے زہر کی طرح اسے لگا تھا، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل آیا۔

☆☆☆

"میرے خیال میں ایک بار زرش سے پوچھ کر ہی کوئی حتمی فیصلہ کرنا چاہیے۔" مطیب نے پرسوچ انداز اپنایا۔

"وہ ہماری بیٹی ہے مطیب، ہم اسے جانتے ہیں اور شہریار کوئی غیر تھوڑی ہے جو یوں سوچ بچار سے کام لیں، ثروت کی یہ اولین خواہش ہے میرے خیال میں مزید وقت ضائع کیے بغیر ہمیں فیصلہ لے لینا چاہیے۔" ریحانہ نے انہیں قائل کرنا چاہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے موحد۔" مطیب افغان نے مشورہ مانگا۔

"زرش ہمیں اذکاء اور دعا کی طرح ہی عزیز ہے بھائی جان، دوسرا ثروت آپی ہماری بہن ہیں، ان کی اولاد کی تربیت ہمارے سامنے ہے، بہر حال پھر بھی جو آپ فیصلہ کریں گے ہمیں وہ منظور ہے، اقرار یا انکار دونوں صورتوں میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" موحد نے انتہائی بردباری اور فہم و فراست سے جواب دیا۔

"کیوں ٹھیک ہے پھر عید کے دن منگنی کی رسم کر دیتے ہیں آپ ثروت کو مثبت جواب دے دیں۔"

مطیب افغان نے بالآخر ہاں کر ہی دی، گھر میں اس خبر کے پہنچتے ہی کھلبلی سی مچ گئی تھی، البتہ فرحال اس سارے معاملے میں خاموش تھا۔

"تمہیں شہریار پسند ہے۔" اذکاء نے برتن خشک کر کے سیلب پر رکھتے ہوئے استفہامیہ انداز اپنایا۔

"پتہ نہیں میں نے کبھی اس کے بارے میں اس انداز سے سوچا نہیں۔"

"تو پھر انکار کیوں نہیں کیا۔"

"کیونکہ مجھے لگا جو فیصلہ ہمارے بڑے کرتے ہیں وہ درست ہوتا ہے اور ویسے بھی مجھے ڈاکٹرز پسند ہیں اس لئے نو پرابلم، اگر مجھے اس سے محبت وجبت والا چکر نہیں ہے تو کوئی برا لگنے والا معاملہ بھی نہیں ہے۔" اس نے اذکاء سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"آپی اگر آپ شہریار بھائی کی باتوں سے فارغ ہو گئیں ہوں تو پلیز اسکواش لے آئیں، روزہ کھلنے والا ہے اور ہماری پیاس قطعاً شہریار بھائی کے ذکر سے نہیں بجھنے والی۔" حنان نے نجانے کہاں سے سر نکال کر اسے چھیڑا تھا اور اس کی خشمگیں نظروں سے خائف ہو کر فوراً بھاگ نکلا تھا، جبکہ اذکاء اور زرش دونوں بے اختیار ہنس دیں۔

☆☆☆

فرحال مشاہد کی اکثر و بیشتر معاملات میں عدم دلچسپی کو افغان پیراڈائز کے تمام افراد نے بخوبی محسوس کیا تھا مگر وہ کمال خوبصورتی سے کسی کو بھی باز پرس کا موقع فراہم کیئے بغیر اپنی سرشت پر قائم و دائم تھا۔

رمضان المبارک اپنے اختتام کی طرف رواں دواں تھا، مگر فرحال مشاہد نے سحر و افطار میں اپنی شکل نہ دکھانے کی قسم کھا رکھی تھی زرش نے بارہا اس سے بات کرنے کی ٹھانی مگر کوئی موقع ہی ہاتھ نہ لگ رہا تھا اس پر مستزاد ثروت

کے ساتھ اس کے روزانہ بازار کے چکر لگ رہے تھے منگنی کی تیاریاں جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا زور پکڑتی جا رہی تھیں رمضان، عید اور گھر میں ایک عدد بڑے پیمانے پر منعقد ہونے والے فنکشن نے ہر نفس کو اپنی جگہ بے حد مصروف کر دیا تھا۔

یہی حال زرش کا تھا، بالآخر چاند رات کا دن آ پہنچا، دن ڈھلا اور چاند نے اپنی ایک ماہ قبل والی چھب دکھائی، مسرت و شاد مانیوں کی چاندنیاں افغان پیراڈائز پر بکھری تھیں۔

"فرحال آج بھی گھر نہیں ہے۔" بادام باؤل میں بھگو کر رکھتے ہوئے زرش نے کہا۔

"پتہ نہیں کن کاموں میں مصروف ہے۔" اذکاء نے اپنے مہندی والے ہاتھ دھو دیئے۔

"کل آپ کی منگنی ہے آپی اور آپ اب تک یونہی گھوم رہی ہیں۔" اسے یونہی خود سے بے پروا گھومتے دیکھ کر دعا کو غش آنے کو تھی۔

"تو کیا کروں مادام۔" زرش نے مسکراہٹ دبائی۔

"آپی چلیں میں آپ کے مہندی لگا دیتی ہوں باقی کا کام اذکاء آپی کر دیں گی۔" اس کے مہندی سے پاک شفاف ہاتھوں کو حیرت سے دیکھ کر دعا نے استفسار کیا۔

"نجانے کیوں دل نہیں کر رہا، دعا گڑیا پلیز ڈونٹ فورس می۔"

"اگر کوئی اور وقت ہوتا تو آپی آپ کی مانتے بٹ آج آپ کو ہماری ماننی پڑے گی۔" اسے ہاتھ سے پکڑ کر وہ زبردستی اپنے ساتھ لے گئی، کچھ ہی دیر میں اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کمال مہارت سے زرش کے ہاتھوں پر بیل بوٹے بناتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

اگلا دن عید کا تھا، ہر چہرہ خوشیوں سے لبریز تھا عید کے ساتھ زرش کی منگنی نے اک عجیب سی افراتفری مچا دی تھی۔

مرد حضرات عید نماز ادا کرنے جا چکے تھے، خدیجہ، ریحانہ اور سبین سحر نے کچن کو رونق بخشی ہوئی تھی۔

عید نماز پڑھنے کے بعد وہ سب گھر آئے تو بیٹوں کو اپنا منتظر پایا، عید کی باقاعدہ مبارکباد کے بعد اب سب لڑکیاں اپنے پسندیدہ مشغلے میں مگن ہو چکی تھیں، موحد اور مطیب سے خاصی تگڑی رقم نکلوانے کے بعد وہ خاصی خوش و مطمئن لگ رہی تھیں۔

"یہ تو چیٹنگ ہے بڑے پاپا، آپ لڑکیوں کو زیادہ عیدی دیتے ہیں۔" حنان نے منہ بسور کر شکوہ کیا۔

"کیونکہ بیٹیاں بڑی پیاری ہوتی ہیں یار۔" سفید فراک میں ملبوس زرش کو دیکھ کر موحد اور مطیب نے کہا، حنان کا چہرہ مزید لٹک گیا۔

"اچھا بتاؤ تم لوگوں کو کیا چاہیے؟"

"زرش اور اذکاء بڑی ہونے کے ناطے ہر عید پر بچہ پارٹی کو عیدی میں کچھ نہ کچھ دیتی تھیں۔"

"اب ہم بڑے ہو گئے ہیں آپی، آپ کے بھائیوں کے بازوؤں میں اتنا دم ہے کہ وہ آپ کو عیدی دے سکیں۔" ولید نے کسی فلم کے جذباتی ہیرو کی طرح ڈائیلاگ مارا تو سب کی ہنسی نکل گئی، اتنے میں سفید کاٹن کے شلوار سوٹ میں اپنی تمام تر سنجیدگیوں میں آراستہ فرحال مشاہد لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

سفید فراک میں اس پری پیکر کو دیکھ کر اس کے دل نے بے ساختہ ایک بیٹ مس کی تھی سفید چہرے اور ہمرنگ لباس میں اس کی سنہری آنکھیں سیاہ بال اور گلابی ہونٹ بڑے نمایاں ہو رہے تھے۔

سر سے پیر تک اس کا جسم اتھل پتھل ہو گیا۔

"فرحال، کہاں تھے تم، عید مبارک۔" وہ فوراً اس کی طرف دوڑی تھی۔

"خیر مبارک تمہیں بھی۔" اس نے مصنوعی مسکراہٹ سجائی۔

"اچھا بولو، تمہیں عیدی میں کیا چاہیے۔"

"زرش پلیز مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا بند کرو، میں ایک بالغ اور سمجھدار انسان ہوں، ایم بی بی ایس کر رہا ہوں اور عمر میں بھی تم سے محض دو برس ہی چھوٹا ہوں مگر تم تو خود کو دادی اماں سمجھتی ہو۔"

"فرحال، آر یو او کے، تم کتنے بھی بڑے ہو جاؤ میرے لئے وہی فرحال رہو گے، قد بڑا کر لینے سے انسان اپنے بڑوں سے بڑا نہیں ہو جاتا میرے بھائی۔" اس کے تلخ جملوں کے بعد وہ انتہائی دکھ و تکلیف میں مبتلا کہہ رہی تھی اور اس کی بات کے اختتام پر فرحال کا دل چاہا تھا خود کو گولی سے اڑا دے، وہ اس کے جذبات کا احترام کرنا چاہتا تھا مگر کہیں نہ کہیں اس کا دل سرکشی کر ہی جاتا۔

"آپی نے فرحال کو ناراض کر دیا۔" دعا نے دکھ سے کہا اس کی شفاف آنکھوں میں پانی کے قطرے تھے اور اذکاء نے ٹھٹک کر اس کے جملے پر غور کیا۔

☆☆☆

"تم خوش ہو نا۔"

"یہ کیسا فضول سوال ہے؟" زرش چڑ کر بولی۔

"کل ہماری منگنی ہے میں تمہاری رضا مندی جاننا چاہتا ہوں۔"

"اف اتنی جلدی، تم پاگل ہو شہریار، یقیناً مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تب ہی میں یہ منگنی کر رہی ہوں اب میرے خیال میں اس سوال کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔"

وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی سارا غصہ شہریار کی فون کال پر نکل گیا۔

"کیا بات ہے اس قدر روڈ کیوں ہو رہی ہو؟" شہریار فوراً بھانپ گیا۔

"میں فرحال کی وجہ سے پریشان ہوں، نجانے کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔"

"ہوں، اس کی بچوں کی طرح کیئر کرنا چھوڑ دو، میرے خیال میں اب وہ عمر کے اس دور میں ہے جب وہ اپنے معاملات خود ہینڈل کر سکتا ہے۔"

"یعنی وہ پریشان رہے اور میں اس کی فکر نہ کروں بہت خوب۔" اس کا تن من جھلس گیا شہریار کی بات سن کر۔

"ہاں میں چاہتا ہوں کل شام تک کم از کم تم میری فکر کرو۔" وہ گمبھیرتا سے بولا۔

"میں سچ میں پریشان ہوں۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"او کے تم فرحال کو مناؤ میں کل بات کرتا ہوں۔" وہ خفا خفا سا بولا، مگر زرش کے پاس وقت کہاں تھا اس کی ناراضگی پر غور کرنے کا، لہٰذا جھٹ سے کال ڈس کنکٹ کر دی۔

☆☆☆

کئی دنوں کی محنت رنگ لائی اور افغان پیراڈائز چاندنیوں میں نہایا بقعہ نور بنا ہوا تھا، گولڈن اور گرین کمبی نیشن کے کامدار لہنگے میں ہمرنگ جیولری اور لائٹ میک اپ نے ہمراہ اس نے حسن جیسے لفظ کو بھی مات دے دی تھی، ریحانہ کئی بار اس کی نظر اتار چکی تھیں۔

خوب ٹوٹ کر اس کے چہرے پر نور آیا تھا،

ہر شخص نے اس کے بے پناہ خوبصورت سراپے کی تعریف کی تھی، اپنے بڑوں کی شفقت کے سائے میں اسے اسٹیج پر لا کر بٹھایا گیا۔

"فرحال نہیں آیا۔"

"اس کا نمبر آف ہے میں نے بہت بار ٹرائی کر لیا، پلیز زرش اب رسم کر لو بہت لیٹ ہو چکے ہیں اس کے انتظار میں۔"

اذکاء نے منت کی تو بوجھل دل کے ساتھ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی، شہریار نے اس کی انگلی میں ایمرلڈ کی خوبصورت رنگ پہنا دی، اس کی آنکھوں سے دو شفاف قطرے نکل کر ہتھیلی کی پشت پر گرے یہ کس لئے تھے اسے خود بھی معلوم نہیں تھا پھر اس نے غائب دماغی سے شہریار کو انگوٹھی پہنائی، ہر طرف مبارک سلامت کا شور اٹھا، کتنے ہی کیمرے کھٹک کھٹ اس منظر کو تصویروں میں قید کرنے لگے ہر شخص مسکرا رہا تھا، تمام لوگ خوش تھے مگر اس کا روم روم اداسی کی تصویر بنا تھا۔

☆☆☆

شب کا آخری پہر تھا، افغان پیراڈائز کے تمام افراد تھکنے کا شور مچاتے ہوئے اپنے اپنے کمروں میں گھسے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے، مگر زرش لاؤنج میں جلے پیر کی بلی کی طرح دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی، اسے انتظار تھا تو صرف فرحال مشاہد کا۔

جس نے اس کی زندگی کے اس قدر حسین دن کو اسے افسردہ و رنجیدہ کیا تھا، صبح کے چار بج رہے تھے فجر کی اذان کی صدائیں چاروں اور سے بلند ہونے لگیں، زرش ایسے اسی ڈریس میں محو انتظار تھی، اسے خوف تھا کہ اگر وہ چینج کرنے چلی گئی تو کہیں فرحال اس سے ملے بغیر کمرے میں نہ چلا جائے۔

اس کے انتظار کی حد ہو گئی جب بلیک کوٹ کو بازو پر لٹکائے، کف کہنیوں تک موڑے، بکھرے بال اور ستے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے لاؤنج میں قدم رکھا، زرش تیر کی طرح اس کی طرف لپکی تھی۔

"کہاں تھے تم؟" اس نے بے حد غصے میں استفسار کیا۔

فرحال مشاہد نے سرخ ڈوروں سے بھری خوابناک نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

خوبصورت سنہری آنکھوں میں تیرتا نیند کا خمار بوجھل پلکیں، بے حد چمکدار سفید رنگت، سرو قد گولڈن اور سبز امتزاج کا لہنگا، شانے پر ڈھلکتا بھاری دوپٹہ خود سے بے نیاز لاپرواہ حسن اور شب کا یہ آخری پہر، وہ بے اختیار ہونے لگا تھا۔

"صبح بات کریں گے۔"

"نہیں مجھے ابھی بات کرنی ہے۔" وہ تن کر اس کے سامنے آ گئی۔

"میں بہت تھک گیا ہوں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" نگاہیں اٹھائے بغیر اس نے مدہم لہجے میں کہا جانے کیوں اسے لگا تھا وہ آج اس سے جیت نہیں پائے گا اسی لئے اسے مکمل نظر انداز کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آ گیا، وہ بھی اس کے پیچھے تھی۔

"زرش پلیز، میرے حق میں یہی بہتر ہے تم فی الحال جاؤ۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"فرحال کیا ہو گیا ہے ایسا جو تم مجھے کتنے ہی عرصہ سے اگنور کر رہے ہو، اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ، تمہارے رویے کا فرق مجھے پریشان کر رہا ہے۔" اس نے روہانسی ہو کر گلوگیر آواز میں کہا تو فرحال نے تھک کر مزاحمت چھوڑ دی۔

"تمہاری غلط فہمی ہے بس ذرا مصروفیت بڑھ گئی ہے۔" دیکھے بغیر جواب آیا۔

"اتنی مصروفیت عید کا دن بھی باہر اور وہ زرش جس کے کہے بغیر تم پانی نہیں پیتے اس کی اتنی بڑی خوشی میں تم نہیں تھے فرحال کیوں، میں وجہ جاننا چاہتی ہوں، ایسا کون ہے تمہاری زندگی میں جس نے تمہیں ہم سے چھین لیا ہے۔" وہ مدہم سروں میں بول رہی تھی اور فرحال مشاہد کا دل کٹتا جا رہا تھا۔

"بتاؤ خاموش کیوں ہو۔" اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"مت کرو اس قدر اصرار اس آگ میں جلنے کا زرش مطیب، میں اکیلا یہ سزا کاٹ رہا ہوں مجھے کاٹنے دو، مت بنو اس اذیت کی حصہ دار۔"

اسے کلائیوں سے تھام کر فرحال مشاہد نے اپنی سمت کھینچا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شدت ضبط سے سرخ پڑتا فرحال مشاہد کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں عجیب سی اجنبیت اور وحشت تھی اس کی گرفت میں اس قدر مضبوطی تھی کہ وہ ہل بھی نہ سکی۔

"کیا جاننا چاہتی ہو، پوچھو کیا پوچھنا ہے؟"

اس کے لفظوں میں شعلوں کی لپک تھی یہ وہ فرحال تو نہیں تھا جسے وہ بچپن سے جانتی تھی، یہ تو کوئی اجنبی وحشی تھا، اس کی آنکھوں سے تواتر سے آنسو پھسلنے لگے تو اس نے بے بسی سے آنکھیں میچ لیں، وہ خود کو چھڑانے کی مزاحمت بھی نہیں کر پائی تھی۔

اور اس کے آنسوؤں سے فرحال مشاہد کو احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی تمام بے بسی زرش مطیب پر انڈیل چکا ہے، اس نے سرعت سے زرش کو چھوڑا اور ایک بار پھر کمرے سے باہر نکل گیا، زرش وہیں بیٹھ کر گھٹنوں کے بل رونے لگی تھی، اس بار آنسوؤں نے شدت اختیار کر لی تھی۔

☆☆☆

"میرے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا بڑے پاپا، میں وہیں تھا، آپ سب کو اس لئے نہیں بتایا کہ خوامخواہ پریشان ہوں گے۔" اگلی صبح خود کو فریش کرنے کے بعد وہ نادم سا صفائی پیش کر رہا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے آپ نے اخلاقی فرض نبھایا ہمیں خوشی ہے لیکن پھر بھی آپ کو گھر کی خوشی میں شرکت کرنی چاہیے تھی زرش آپ سے کس قدر انسیت رکھتی ہے ہمیں اندازہ ہے۔" مطیب نے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

"آئی ایم ساری بڑے پاپا، میں آئندہ خیال رکھوں گا۔" اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

"گڈ بیٹا جی، اب ناشتہ کریں اور بچوں کو ثروت کی طرف لے جائیں، انہوں نے شہریار کی طرف سے بچوں کو ٹریٹ دینی ہے۔"

"جی بڑے پاپا۔" اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا۔

"ولید تم اپنی گاڑی نکالو، میں اور اذکاء تمہارے ساتھ چلیں گے، راستے میں مجھے پھپھو کے لئے کچھ لینا ہے۔" وہ گاڑی نکال رہی تھا جب اسے یکسر نظر انداز کیے زرش نے ولید کو مخاطب کیا، کچھ گھنٹے قبل پیش آنے والا واقعہ فرحال مشاہد کی نگاہوں میں گھوم گیا اور ندامت کا گہرا احساس اس کے وجود کا گھیراؤ کرنے لگا۔

☆☆☆

"کیا ہوا زرش کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" شہریار نے اس کی سنجیدگی کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔

"کچھ نہیں بس فرحال کے بارے میں

پریشان ہوں، نجانے جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے وہ بدلتا جا رہا ہے۔" بات کرنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی برسنے لگیں تھیں۔

"زرش، کیا یہ ضروری ہے کہ اتنے خوبصورت بندھن میں بندھنے کے بعد بھی ہم دوسروں کی باتیں کریں، پلیز ایک بار افغان پیراڈائز کو چھوڑ کر عدنان ولا کو سوچو، اس کے مکینوں کی خواہشات اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا شہریار، عدنان ولا پہلے میری پھپھو کا گھر ہے بعد میں میرا سسرال، اس گھر کے افراد کو میں اتنا ہی سمجھتی ہوں جتنا افغان پیراڈائز کے مکینوں کو، مجھے انہیں نئے سرے سے پرکھنے کی ضرورت نہیں اور دوسروں سے تمہارا کیا مطلب ہے، فرحال کوئی دوسرا نہیں ہے سب سے پہلے وہ ہی ہے میری ترجیحات میں اور تم اس بات سے بخوبی آگاہ ہو۔" وہ برہم ہوئی۔

"او کے غصہ مت کرو، ورنہ اور بھی خوب صورت لگتی ہو۔"

"شہریار میں اپنے دل کی باتوں کو تمہارے ساتھ شیئر کر رہی ہوں کیوں؟ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ میں تمہیں کوئی خاص مقام دینے کا ارادہ رکھتی ہوں پوری ایمانداری اور وفا داری سے اپنا رشتہ نبھانے کا عہد کر رہی ہوں۔" وہ کسی طور اسے بخشنے کو تیار نہ تھی۔

"آئی ایم ساری میڈم، پلیز اس بندہ ناچیز کی جان بخشی کیجئے۔" وہ باقاعدہ مسکرایا۔

"بس کرو اب۔" وہ جھینپ کر مسکرائی۔

"اچھا، جناب کی رنگ کہاں ہے جو آپ کے چاہنے والے نے بڑی محبت سے خریدی تھی۔"

"اس کی انگلی میں پکھراج سے جڑی انگوٹھی دیکھ کر اسے خیال آیا۔"

"اوہ وہ مجھے کافی ہیوی لگ رہی تھی اس لئے نے اتار دی، یہ پکھراج مجھے فرحال نے گفٹ کیا ہے جب وہ چاچو کے ساتھ ٹوکیو گیا تھا تب میرے لئے لایا تھا کافی سالوں سے یہ میری انگلی میں ہے مجھے اب اس کی عادت سی ہو گئی ہے۔" اس نے انگوٹھی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بتایا اور شہریار نجانے کیوں الجھ سا گیا۔

"میرے خیال میں اب اپنی عادتیں بدل لوں۔" وہ ذومعنی انداز میں کہتا لان میں چلا گیا اور وہ لاؤنج میں بیٹھی اس کے جملے کو کئی مفہوم پہناتی رہی۔

☆☆☆

"یہ لو منہ میٹھا کرو۔" زرش نے فرحال کے منہ میں برفی کا چھوٹا سا ٹکڑا ڈالا۔

"کیوں تمہارا رزلٹ آ گیا ہے۔"

"نہیں بدھو، تمہارے نام قرعہ فال نکل آیا ہے۔" گزشتہ دنوں کی بے زاری بھلائے وہ شگفتگی سے بولی۔

"سیدھی طرح بتاؤ کیا بات ہے۔" وہ الجھا۔

"ہمارے گھر کے تمام عزت مآب بزرگوار کی مشترکہ رائے سے یہ فیصلہ قرار پایا ہے کہ آپ کے ساتھ ساری عمر کے لئے دعا موحد افغان کا نام جوڑ دیا جائے، شام تک یہ خبر آپ تک پہنچنی تھی مگر میرے ہوتے فرحال مشاہد کو دیر سویر کوئی اطلاع ملے امپاسبل۔" اس نے دوستانہ انداز اپنایا۔

"وٹ...... ہیو یو گون میڈ۔" وہ شدت ضبط سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"سب کو کس بات کی جلدی ہے۔" وہ بپھرا، خود سے لڑتے لڑتے خود کو چھپانے چھپانے اپنی ذات کا بھرم قائم رکھتے رکھتے وہ تھکنے لگا تھا ایسے میں ایک اور نازک ذمہ داری جیسے ایمانداری سے نبھانے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔

"جلدی کی کیا بات ہے فرحال، اگر تم کسی اور کے ساتھ کمٹڈ ہو تو الگ بات ہے۔"

"کیا ہر بات میں تمہارا رائے دینا بہت ضروری ہے۔" وہ تڑخ کر بولا۔

"فرحال، ایک منٹ کیا کہا تم نے، میرا بولنا ضروری ہے، یعنی میں کچھ نہیں ہوں، تم نے مجھے اتنا ارزاں کر دیا ہے، مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ یہ وہی فرحال ہے جسے میں برسوں سے جانتی ہوں، واقعی تم بڑے ہو گئے ہو اتنے بڑے کہ مجھ سے بلند آواز میں بات کر سکتے ہو، میرے منہ پر کوئی بھی بات مار سکتے ہو مجھے اپنی زندگی اور معاملات سے دور رہنے کی تنبیہ کر سکتے ہو، تم واقعی بڑے ہو گئے فرحال۔" بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت سموئے وہ کافی دنوں سے چلتے اس چھپا چھپائی کے کھیل کا نچوڑ نکال رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں ہوں تمہارے لئے آئی۔" وہ زیر لب بڑبڑائی، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور نیزے کی کوئی انی تھی جو اس کے سینے میں اتر گئی، درد کی لہروں نے اسے فق کر ڈالا تھا۔

"تمہی ہو سب کچھ میرے لئے، لیکن میں تمہیں کبھی نہیں بتا پاؤں گا۔" بوجھل ہوتے قدموں کو دھیرے دھیرے اٹھاتے ہوئے وہ سوچ کر رہ گیا، ایک جان لیوا تھکن نے اس کے وجود میں قیام کر لیا تھا۔

☆☆☆

"آج کا یہ ڈنر میں نے خاص تمہارے لئے ارینج کیا ہے۔" شیرٹن میں اسے ڈنر پر انوائیٹ کرنے کے بعد، اس کے آنے پر شہریار مزان کہہ رہا تھا، ساتھ ہی کرسی پیچھے دھکیل کر اس کو بیٹھنے کا اعزاز دیا اور خود سامنے والی نشست سنبھالی۔

"آئی نو بتانے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"اوہ مائی گاڈ مائی گڈنیس میم۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"اور بتاؤ کیا ہو رہا ہے آج کل۔" اس کی گہری نگاہوں سے خائف ہو کر زرش نے موضوع بدلا۔

"تمہیں دیکھ رہا ہوں فی الحال اور سوچ رہا ہوں خدا ایسے خوب صورت چہرے کیسے تخلیق کر لیتا ہے۔" وہ گمبھیرتا سے بولا تو زرش جھینپ گئی۔

"بس بھی کرو، اب ایسی بھی خوب صورت اپسرا نہیں ہوں۔" وہ خائف ہوئی۔

"کسی اپسرا سے کم بھی نہیں ہو۔" اس نے شوخی سے اس کا نرم مخروطی ہاتھ تھاما۔

"کھانا آرڈر کریں۔" وہ نروس ہوئی۔

"جی بالکل۔" وہ شرافت کے لبادے میں گھسا۔

"آج کل اسپشلائزیشن کے لئے انگلینڈ جانے کا ارادہ ہے، اسی کے لئے اپلائی کیا ہے نیکسٹ ویک تک ری پلائے آئے گا تو پتہ چلے گا۔" کھانا آرڈر کرنے کے بعد اس نے مختصراً بتایا۔

"ہاں تو یہ اچھی بات ہے۔" اسے حقیقتاً خوشی ہوئی۔

"لیکن اس سے پہلے میں شادی کرنا چاہتا ہوں زرش۔"

"کیا...... مگر اتنی جلدی کیوں؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"نہیں لیکن میرے خیال میں شادی جیسے

رشتے کو ہینڈل کرنے کے لئے ہم ابھی میچور نہیں ہیں شہریار، میں ابھی اس قسم کے ریلیشن کی اہل نہیں ہوں، تم اسپشلائزیشن کر لو پھر سوچتے ہیں۔"

"آج نہیں تو کل یہی سب ہونا ہے تم باوقار، سلجھی اور سمجھدار لڑکی ہو، میرے خیال میں تھنگ کڈ بی ڈیفیکلٹ فار یو۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے بٹ؟" وہ دانستہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

"کیا چیز ہے جو تمہیں روک رہی ہے زرش، یو کین شیئر ودمی۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

"او کے فائن جیسے تم چاہو۔" اس نے موضوع بند کیا اور پھر وہ ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگے۔

"زرش تم نیلز نہیں بڑھاتی جب کہ لڑکیوں کو تو کریز ہوتا ہے۔" پرتجسس شہریار نے پوچھا۔

"ہاں مجھے بھی پسند ہیں لیکن فرحال کو پسند نہیں وہ نہیں رکھنے دیتا لمبے ناخن۔" اس نے سادگی سے بتایا۔

"لیکن مجھے پسند ہیں تم بڑھاؤ۔" وہ ضدی انداز میں بولا۔

"عجیب بات ہے نہیں، شہریار اب تو مجھے بھی لمبے ناخنوں کی عادت نہیں۔" اس نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"لیکن میں کہہ رہا ہوں زرش تم بڑھاؤ ناخن، مجھے لمبے اچھے لگتے ہیں۔"

"اچھا بابا شادی کے بعد بڑھالوں گی ابھی نہیں ورنہ فرحال تو کھانا پینا چھوڑ دے گا اور تمہیں پتہ ہے وہ چائے صرف میرے ہاتھ کی پیتا ہے۔"

"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں بال بھی فرحال نہیں کٹوانے دیتا کیوں کہ اسے لمبے بال پسند ہیں۔"

"ایگزیکٹلی۔" اس کے درست اندازے پر وہ ہنستی چلی گئی۔

"فرحال کو سفید رنگ پسند ہے اور اس وقت زرش مطیب سفید رنگ زیب تن کیے ہوئے ہیں، اسے ناخن لمبے پسند نہیں زرش مطیب ناخن بڑھنا چھوڑ چکی ہیں، اسے لمبے بال پسند ہیں زرش مطیب بال نہیں کٹواتی، زرش مطیب کے علاوہ وہ کسی کے ہاتھ کی چائے نہیں پیتا اور بھی ہزاروں باتیں ہیں جن میں وہ قابض نظر آتا ہے۔" وہ تلخی سے بولا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو شہریار۔" وہ الجھ کر بولی۔

"تم فرحال کی بہن کم اور محبوبہ زیادہ لگتی ہو زرش، خود کو دیکھو، تم کیا ہو؟ تمہاری پسند ناپسند کیا ہے تمہاری اپنی ذات کا حصہ کہاں ہے، تمہاری شخصیت کا پہلو کہاں نمایاں ہے، کہیں بھی نہیں، زرش مطیب تو کہیں بھی نہیں سرتاپیر تمہارے اندر فرحال مشاہد بولتا ہے، تمہاری ذات کہیں گم ہوگئی ہے اب صرف فرحال مشاہد، تمہاری باتوں میں تمہاری فکروں میں تمہارے احساسات میں، تمہاری تنہائیوں میں، جو لڑکی اپنی منگنی کی انگوٹھی سے زیادہ اس رنگ کو فوقیت دیتی ہے جو اسے فرحال مشاہد نے گفٹ کی ہو تو اس مقام سمجھنے میں دیر نہیں لگتی مس زرش مطیب، تمہارے وجود میں خود تمہارا کوئی حصہ نہیں تو میں کہاں خود کو تم میں ڈھونڈوں یا تم سے اپنے لئے تھوڑی سی جگہ تمہارے دل میں مانگ سکوں، میرے خیال میں ہم نے نیا رشتہ بنانے میں کر دی ہے زرش ہمیں اچھی طرح تمام پہلوؤں کو سوچ لینا چاہیے تھا۔"

وہ جو کب سے دم سادھے اس کے سنگلاخ الفاظ اپنے کانوں میں انڈیل رہی تھی ناگواری سے سر جھٹک گئی۔

"شہریار شیم آن یو، تم نے ہمارے بہن بھائیوں کے پاکیزہ رشتے کو پامال کیا، اگر کوئی اور ہوتا تو میں اس کی غلط فہمی دور کرتی مگر تم، تم تو تب سب کچھ جانتے ہو، تم اس معصوم سے حسد کر رہے ہو، تم ہمارے رشتے پر کیچڑ اچھال رہے ہو، ہاں وہ میرے وجود کا حصہ ہے میرے لئے سب سے اہم ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں رشتوں میں توازن قائم رکھنا نہیں جانتی اور رہی بات ہمارے ریلیشن کی تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، جو شخص اس قدر گھٹیا سوچ کا مالک ہو میں اس کے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی، پوری زندگی تو بس ایک سوالیہ نشان ہے۔" وہ درشتی و خفت سے بولی۔

"یہ لو اپنی انگوٹھی اور سوچتے رہو جو تم نے سوچنا ہے۔" اس نے ایمرلڈ رنگ اس کے سامنے ٹیبل پر پٹخی اور ولید کا نمبر ملایا۔

"ولید مجھے شیرٹن سے پک کر لو۔"

پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد ولید اسے لے کر چلا گیا اور شہریار کتنی ہی دیر بھاپ اڑاتے گرم کھانے کو دیکھتا رہا جو وہ کھائے بغیر جا چکی تھی۔

☆☆☆

"آپ نے انکار کیوں کیا؟" وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی اس نے دروازہ کھولا تو سامنے دعا کو پایا اور وہ بلا تمہید شروع ہو چکی تھی۔

"رات بہت ہو چکی ہے ہم صبح بات کریں گے۔" فرحال نے اسے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

"نہیں دن رات کی کوئی شرط نہیں فرحال، بس مجھے بتائیں، ایسا کیا جواز ہے جس نے آپ کو مجھے رد کرنے پر مجبور کر دیا۔" وہ باؤلی ہو رہی تھی اور فرحال بری طرح جھنجھلایا تھا۔

"تم ان باتوں کو سمجھنے کے لئے بہت چھوٹی ہو دعا، میں نے کبھی تمہارے بارے میں اس طرح نہیں سوچا اذکاء کی طرح تمہیں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔" رات کی تاریکی اور چاروں اور پھیلے سناٹے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنی آواز حتی المقدور کم رکھی تھی، دعا کی آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر تھیں، اس قدر خوبصورت اور معصوم لڑکی کا دل وہ کبھی نہیں دکھانا چاہتا تھا مگر وہ مجبور تھا۔

"آپ زرش آپی کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں نا۔" وہ آنسوؤں کے درمیان بولی تھی اور فرحال کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" وہ تلملایا۔

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔" وہ نڈر سی ہو کر بولی، اس کی آواز بلند تھی، زرش جو فرحال سے اپنی منگنی کے ختم ہونے کے بارے میں بات کرنے آئی تھی دعا کی آواز سن کر تھم سی گئی، پھر ہمت باندھتے ہوئے اس نے قدم اندر رکھا، دروازے کی چرچراہٹ سے دونوں نے چونک کر دیکھا۔

"لیں آ گئیں وہ جن کا آپ کو انتظار رہتا ہے۔" دعا نے طنز کیا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔" زرش نے حیرت سے دریافت کیا۔

"اپنی جگہ آج مجھے دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے آپی۔" وہ استہزائیہ ہنسی، جبکہ زرش فق چہرہ لئے اسے ناسمجھی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔

"زبان بند رکھو دعا ورنہ میں تمہارا حشر کر دوں گا۔"

"کر دیں حشر آپ کے ہاتھوں سب گوارا

ہیں۔" وہ دیوانی سی بولی۔
"جن کی خاطر جوگ لیا ہے ان کو بھی تو پتہ ہونا چاہیے کہ کسی کے دل میں کتنا خاص مقام ہے ان کا۔"

"یہ سب کیا کہہ رہیں دعا، بتاؤ فرحال۔"
"یہ پاگل ہوگئی ہے تم دھیان مت دو اور جا کر آرام کرو۔" فرحال نے بات رفع دفع کرنی چاہی۔
"کیوں زرش آپی، کیوں چھینا آپ نے اس شخص کو ہم سب سے جواب دیں مجھے۔"
"دعا میری جان کیا ہوا ہے تمہیں۔" زرش اس کی مخدوش حالت پر تڑپ اٹھی۔
"آپ کو پتہ ہے آپی، فرحال ایم بی اے کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے کہا مجھے ڈاکٹرز اچھے لگتے ہیں اسی دن انہوں نے اپنا aim بدل لیا، وہ ایم بی بی ایس کر رہے ہیں ان کے ڈیسک ٹاپ پر آپ کی تصویر ہے اور ان کے دل پر بھی آپ کی تصویر ہے، انہیں کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ پہروں ٹیرس پر بیٹھ کر صرف آپ کو دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں میں آپ کے لئے دیوانگی ہے جیسی میری آنکھوں میں ان کے لئے ہے، میں ان کی وحشتوں کو سمجھ گئی مگر آپ لاتعلق بن کر ان کی بے قراری کو انجوائے کر رہی ہیں، بھائی کا ڈھونگ رچا کر اپنے پیچھے پاگل کر رکھا ہے اسے آپ نے اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنی عمر کا تو لحاظ کیا ہوتا آپی خود سے چھوٹے لڑکے سے عشق لڑاتے شرم نہیں آئی آپ کو آپ تو اس قابل......"
"تڑخ۔" دھڑ...... دھڑ...... دھڑ ساتوں آسمان اس کے سر پر آن گرے۔
فرحال مشاہد کا فولادی ہاتھ دعا کے چہرے پر اپنا پنجہ ثبت کرتے ہوئے اس کے چودہ طبق روشن کر گیا۔

"اپنی بے ہودہ بکواس بند کرو ورنہ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" وہ پورے طیش میں آ کر چلایا تھا، مارے اشتعال کے اس کی رگیں تن گئیں اور آنکھوں میں خون اتر آیا اور چند لمحوں میں پورا افغان پیراڈائز اس کے کمرے میں جمع تھا۔
دعا کو روتے، فرحال کو غصے میں اور زرش کو بت بنے دیکھ تمام لوگ پریشان ہوا ٹھے تھے۔
"دعا میری بچی کیوں رو رہی ہو، فرحال کیا ہوا ہے، کوئی کچھ تو بتاؤ۔" نبین نے اضطراب سے پوچھا۔
"کچھ نہیں مما۔" فرحال نے پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔
"فرحال جو کچھ دعا کہہ رہی ہے کیا یہ سچ ہے۔" زرش ٹرانس کی کیفیت میں چلتی اس کے سامنے آئی۔
"کیا یہ سچ ہے۔" وہ ابھی تک بے یقین تھی۔
"ایسا کچھ نہیں ہے زرش۔" اس نے سر جھکا کر کہا اور دل پر جیسے برچھیاں چلنے لگی تھیں۔
"سنا تم نے دعا، یہ میرا فرحال ہے، یہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ بڑے استحقاق سے مسکرائی تھی۔
"فرحال تو پھر دعا سے شادی کر لو وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"
"میں یہ نہیں کر سکتا۔" وہ دوٹوک انکار کر گیا۔
"کیوں؟"
"بس اب وجہ مت پوچھو۔"
"اذکاء دعا کو لے جاؤ۔" خدیجہ نے کہا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔
"ولید، حنان، بیٹا آپ بھی اپنے روم میں

جاؤ۔" مطیب نے انہیں منظر سے ہٹایا۔
"مجھے وجہ جاننی ہے۔"
"جس لڑکی کی نظر میں تمہاری عزت نہیں میں اسے اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔"
"وہ بچی ہے نا سمجھ ہے۔"
"وٹ سوایور۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔
"فرحال تم میری بات نہیں مانو گے، دیکھو سب ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں، ہم پر انگلی اٹھا رہے ہیں۔"
"سب نے ہماری ساتھ زندگی نہیں گزارنی زرش اور کس بات کا ڈر ہے تمہیں مجھ سے محبت کا، ہاں ہے مجھے تم سے محبت، اپنے تمام گھر والوں کے سامنے میں اس سچائی کا اقرار کرتا ہوں، نہیں ڈرتا میں کسی معاشرے کی زنجیر سے۔" وہ چڑ کر بولا۔
زرش مطیب نے پورے زور سے اسے ایک طمانچہ رسید کیا اس کا وجود پانی بن کر بہنے لگا تھا، جس کے لئے وہ سارے زمانے سے لڑتی آئی تھی آج اس نے ہی اس کا مان ریزہ ریزہ کر دیا۔
"بتاؤ زرش اس میں غلط کیا ہے، کسی کو گناہ بنا ہے کیا۔"
"فرحال دفع ہو جاؤ میری زندگی سے اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔"
"کیوں...... کیونکہ میرا جرم تم سے محبت کرنے کا ہے، بچپن سے لے کر اب تک تم نے مجھے اپنا عادی بنا لیا ہے زرش، اب تمہیں کسی اور کے حوالے سے دیکھنا میرے تن بدن میں آگ لگا دیتا ہے۔"
خدیجہ، موحد، مطیب، نبین اور ریحانہ چپ چاپ ان کی باتیں سن رہے تھے اور اپنے والدین کے سامنے فرحال کی یہ باتیں زرش کو زمین میں گاڑھ رہی تھیں۔
"وہ صرف تمہاری تنہائی کے خیال سے اور چھوٹے پاپا کی دائمی جدائی کے احساس میں، میں نے تمہیں سنبھالا۔"
"یعنی ایک یتیم پر رحم کیا تم نے، بلکہ سب لوگ مجھے اور اذکاء کو بہترین پرورش کر کے ایک یتیم کی کفالت کا ثواب کما رہے ہیں یہ پیار اور توجہ ہمارا حق نہیں بلکہ ترس کھا کر ہمیں نوازا جاتا ہے کاش تم اس سچائی کا اقرار کبھی نہیں کرتی۔"
فرحال کے اندر توڑ پھوڑ مچی تھی اور مشاہد افغان کے نام پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔
"بند کرو تم دونوں یہ بچکانہ باتیں، کچھ فیصلے کرنے کے لئے ہم بھی موجود ہیں۔"
مطیب افغان نے غصے سے دونوں کو خاموش کروایا۔
"پلیز بڑے پاپا، مجھے معاف کر دیں اس لڑکی سے محبت کرنے کا جرم مجھ سے سرزد ہوا ہے اور اس کی ہر سزا میں کاٹنے کو تیار ہوں مگر مجھے اب اس کے سامنے نہیں رہنا، مجھے اب یہ ترسی نگاہیں نہیں جھیلنی، میں اپنی فیملی کو سپورٹ کر سکتا ہوں، میں خود اپنا بوجھ اٹھاؤں گا۔" اس کے لہجے میں شکست کا پہلو بہت نمایاں تھا۔
"یہ سب تمہاری غلط سوچ ہے فرحال، بچے آپ جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو، حقیقت اس سے مختلف ہے۔"
"بڑی مما پلیز، اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا فرحال پل پل کی اذیت برداشت نہ کرے تو ہمیں جانے دیں۔"
"جانے دیں مما اسے کسی کے اعتماد کی دھجیاں بکھیرنے والوں کو کوئی حق نہیں کہ ساری زندگی ان کے سامنے رہ کر ان کا مذاق بنائیں۔"
"عقل سوجھ بوجھ سب گنوا چکی ہو جو ایسا

کہہ رہی ہو۔" خدیجہ نے اسے خاصی جھاڑ پلائی، تو ایک خفا سی نظر بکھرے بکھرے سے شکست خوردہ فرحال مشاہد پر ڈال کر وہ بھاگتی ہوئی نکل گئی۔

"مما میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگا، مگر آج پہلی اور آخری بار مانگ رہا ہوں آج اس فیصلے میں اپنے بیٹے کا ساتھ دے دیں۔"

"لیکن فرحال، ہمارا گھر تو یہی ہے۔" سبین فرط حیرت سے بولیں۔

"چلی جاؤ سبین، یہ نہیں رکے گا۔" مطیب افغان، نے کسی قدر تلخ اور ٹھہرے لہجے میں کہا اور اگلی صبح وہ خاموشی سے افغان پیراڈائز چھوڑ گئے۔

☆☆☆

"کیا سوچ رہے ہیں مطیب۔" عمیق سوچوں کے گرداب میں الجھا دیکھ کر ریحانہ نے دریافت کیا۔

"میں فرحال کے بارے میں سوچ رہا ہوں، نوجوان خون ہے اور جذبات کی اہمیت کا دور ہے، جس طرح اس کی سوچ میں تبدیلی آئی کسی کو بھی بدل سکتی ہے، مجھے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی، مگر زرش کے نقطہ نظر کو بھی میں بخوبی سمجھتا ہوں، وہ کبھی اس انداز اسے قبول نہیں کر پائے گی، دونوں بچے اپنی اپنی جگہ درست ہیں، ان کی باتوں میں مداخلت کر کے میں انہیں مزید شرمندہ و شرمسار نہیں کر سکتا تھا لہٰذا خاموشی کو بہتر جانا۔" مطیب افغان کا لہجہ تمام گمبھیرتا سمیٹ لایا تھا۔

"پھر کیا حل ہے اس مسئلے کا؟" ریحانہ بھی متفکر و پریشان تھیں۔

"فرحال کو میں روکنا نہیں چاہتا، بلاشبہ وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرنے کا مگر جو گھٹن اس کا حصہ بن جائے گی پھر وہ اس سے نجات حاصل نہیں کر پائے گا، باقی وہ ہمارا خون ہے اس خاندان کا سب سے بڑا بیٹا ہے، یہ حقیقت کوئی نہیں جھٹلا سکتا، ان دونوں کو حالات و واقعات کو فیس کرنے کے لئے غیر معینہ مدت کے لئے ایک دوسرے سے دور جانا ہی ہوگا۔" مطیب نے کنپٹی سہلاتے ہوئے کہا۔

"اتنا آسان نہیں مطیب، خدیجہ، فرحال اور اذکاء کو خود سے دور کرنا۔" وہ آبدیدہ ہوئیں۔

"جانتا ہوں مگر یہ سب ہم اپنے بچے کی بہتری کے لئے کر رہے ہیں۔" انہوں نے ریحانہ کو تسلی دی۔

"شاید ان کے رویوں کا تضاد ختم ہو جائے یا فرحال سنبھل جائے اور زرش تو ویسے بھی اپنی منگنی ختم ہونے پر ڈسٹرب ہے اس پر مزید پریشر ڈالنا ٹھیک نہیں، البتہ کبھی بھی میرے لئے فرحال کا آپشن ہو تو میں اسے ہر رشتے پر فوقیت دوں گا۔" ریحانہ نے بھی ان کی تائید کی تھی۔

☆☆☆

"اس نے مجھے کسی قابل نہیں چھوڑا لاریب کیا صلہ دیا میری اتنی محبت اور چاہت کا، اس کے لئے میں شہریار سے لڑ گئی سارے زمانے سے ٹکرا گئی اور اس نے میرے جذبات کو پامال کیا میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"اس نے کوئی انوکھا کام نہیں کیا زرش، جس طرح کا تمہارا ریلیشن تھا ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ہی تھا، اب تم ہی اپنی برادرانہ سوچ پہ اڑی بیٹھی ہو تو الگ بات ہے۔" لاریب غصے سے بولی۔

"جو اس وقت میں محسوس کر رہی ہوں، کوئی نہیں سمجھ سکتا، میرے پیرنٹس، چھوٹی مما، چاچو،

چچی سب کے سامنے اس نے مجھے ذلیل کر دیا۔" اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"ٹھیک ہے اب تو وہ جا چکے ہوں گے اور دشمنی تمہاری فرحال سے ہے، سبین ممانی اور اذکاء کا کیا قصور ہے جو عین ان کی رخصتی کے وقت تم ادھر آ گئیں انہیں چھوڑ کر۔"

"بس میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔" اس نے معصومیت سے اعتراف کیا۔

"مرو پھر یہیں میں جا رہی ہوں شہریار کے ساتھ انہیں ملنے، کھانا بن گیا ہے بھوک لگے گی تو کھا لینا میں دو گھنٹے تک واپس آ جاؤں گی۔" لاریب نے اسے ہدایت دی تو وہ کان بند کیے پڑی رہی جبکہ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆☆☆

"آپی پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔" ائیر پورٹ پر زرش سے گلے ملتے ہوئے دعا نے ندامت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں تم تو ہماری گڑیا ہو، میں نے تمہاری کسی بات کا مائنڈ نہیں کیا۔" زرش نے اسے پیار سے پچکارا۔

"آپ بہت اچھی ہیں آپی۔" دعا نے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

فلائیٹ کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی تو فوراً ڈیپارچر کے حصے میں داخل ہو گئی، تمام لوگ دعا کو ائیر پورٹ چھوڑ کر گھر واپس آ گئے۔

"دعا کی بھی شادی ہو گئی ہے زرش، ولید بھی بال بچے والا ہو گیا ہے تم نے کیا سوچا ہے۔" وہ ائیر رنگز اتار رہی تھی جب ریحانہ نے استفسار کیا۔

"میرا موڈ نہیں ہے ابھی۔"

"موڈ کب ہوگا لڑکی، پچیس کی ہو گئی ہو۔" ریحانہ اس کی بڑھتی عمر کی طرف توجہ مبذول کروانی چاہی، تو وہ بے ساختہ مسکرا دی، وہ اس قدر فریش اور خوبصورت لگ رہی تھی کہ ریحانہ کو اپنے غلط ہونے کا اندیشہ لگنے لگا وہ دیکھنے میں اکیس بائیس سال سے زیادہ نہیں لگتی تھی۔

"مما آپ میری فکر مت کریں، حنان کے ابراڈ سیٹل ہونے سے پہلے اس کے سر پر سہرا سجائیں۔"

"ہر دفعہ تم ایسی ہی کرتی ہو، بات میں تمہارے بارے میں کرتی ہوں بیچ کسی اور کو گھسیٹ لاتی ہو۔" اس پر کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر ریحانہ بڑبڑاتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

فرحال مشاہد کو افغان پیراڈائز چھوڑے پانچ سال ہو چکے تھے اس دورانیے میں ولید دو جڑواں بچوں کا باپ بن چکا تھا لاریب کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی جبکہ دعا اپلائیڈ فزکس میں ماسٹرز کرنے کے بعد ہاشم خان کے ساتھ شادی کر کے دوبئی سدھار چکی تھی، حنان ہائیر اسٹڈیز کے لئے ابراڈ جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

سبین اور اذکاء اکثر اوقات فون پر خیر خیریت دریافت کر لیتی تھیں مگر ان پانچ سالوں میں انہوں نے اپنی رہائش کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا جبکہ فرحال مشاہد نے قسم کھا رکھی تھی کہ افغان پیراڈائز کے مکینوں کی آواز بھی نہیں سنے گا۔

ہر کوئی اپنی زندگی اور اپنی ذات میں مگن ہو چکا تھا، ریحانہ، مطیب، موحد اور خدیجہ کو اب بھی ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی مگر قدرت کے فیصلوں پر شاکر تھے، شہریار اسپشلائزیشن کے لئے انگلینڈ گیا تھا پھر وہیں اپنی خدمات سر انجام دینے لگا، مگر تا حال کنوارہ تھا۔

زرش مطیب کو سب منا کر ہار گئے کہ وہ بھی

شادی کرنے مگر نجانے کیا چیز اس کے دل میں گھر کر گئی تھی جو وہ اس فیصلے پر خود کو مطمئن نہیں پاتی تھی، وہ وقتی طور پر فرحال مشاہد کو برا بھلا کہہ چکی تھی مگر اسے آج تک پچھتاوا تھا۔

☆☆☆

"رمضان المبارک بہت بہت مبارک ہو۔" لاریب نے اسے باہوں میں لیتے ہوئے کہا تو وہ خوشدلی سے مسکرائی۔

"خیر مبارک، تم کب آئیں۔"

"بس ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"او کے جانی آپ ذرا میرے روم میں چلیں میں فرحال کے کمرے کی صفائی کر کے آتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ایک اچٹتی سی نگاہ زرش پر ڈال کر لاریب نے کہا۔

"اور سناؤ تمہارے مسٹر رائٹ کیسے ہیں۔" کام سے فارغ ہو کر اس نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہیں، تم بتاؤ مجھے بھی سوال کرنے کا موقع کب عنایت کرو گی۔" لاریب نے چبھتے لہجے میں دریافت کیا۔

"لاریب کائنڈلی اب باقی سب کی طرح تم بھی یہی ٹاپک کھول کر مت بیٹھ جانا۔" وہ کوفت میں مبتلا بے زردی سے بولی۔

"تم کس کے انتظار میں ہو زرش، خود کو دھوکہ مت دو، اپنی نام نہاد انا کے پیچھے اس معصوم شخص کی اور اپنی زندگی برباد مت کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب بالکل صاف ہے تم بھی فرحال سے محبت کرتی ہو مگر تم نے اپنے ذہن میں یہ بات بیٹھ لی ہے کہ تم تو اماں ہو اس کی تم کبھی ایسے تعلق کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی، تم نے میرے بھائی پر فرحال کو فوقیت دی، تم اس سے اس قدر محبت کرتی ہو کہ اس کے سامنے تمہیں سب مس فٹ لگتے ہیں، پچھلے پانچ سالوں سے تم بلا ناغہ خود اس کا کمرہ صاف کرتی ہو، اس کے اصولوں کو تم نے خود پر مسلط کر رکھا ہے اور ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں ہو تو پھر اقرار سے ڈر گیا زرش۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" اس نے پرزور نفی کی۔

"یہ سچ ہے زرش، تم خود کو اور فرحال کو برباد کر رہی ہو، اپنے ساتھ ساتھ تم دونوں اپنے پیرنٹس کو بھی پریشان کر رہے ہو۔" لاریب نے رسانیت سے کہا۔

"میں نے اس کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچا۔" وہ جیسے ہار رہی تھی۔

"جس سے ہم نے شادی کرتے ہے ہم بچپن سے ہی اس کے بارے میں ایسا سوچنا شروع نہیں کر دیتے، عمر کے کسی خاص حصے میں جا کر ہی ہم اس رشتے کو سمجھنے اور ہینڈل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔"

"نہیں ایسا کچھ بھی نہیں جیسا تم کہہ رہی ہو۔" اس نے سختی سے اس کی بات رد کی۔

"اپنی شکل دیکھو آئینے میں زرش، تمہیں دیکھ کر سب تمہاری اداسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں، تمہاری آنکھوں میں ٹھہری ویرانی ہر راز کو منکشف کرنے کے لئے کافی ہے مگر تم ہی خود کو سمجھنا نہیں چاہتی۔" اب کی بار وہ برہمی سے بولی۔

"اسے واپس بلا لو زرش، وہ صرف تمہاری پکار کا منتظر ہے۔" لوہا گرم دیکھ کر لاریب نے مزید چوٹ ماری۔

"افطار کا ٹائم ہونے والا ہے چلو کچن میں کچھ بنا لیتے ہیں۔" اس نے بات پلٹی تو لاریب سر پیٹ کر رہ گئی۔

☆☆☆

فرحال مشاہد کے جانے کے بعد زرش مطیب کی زندگی سے ہر ہلچل ختم ہو گئی، وہ بے جا مسکرانا بھی بھول گئی تھی، وہ اس کے لئے سب سے اہم تھا مگر اس سے محبت کا اقرار زرش مطیب کے لئے ناممکن امر تھا۔

وہ آج بھی خود پر اس کا حق تسلیم کرتی تھی، مگر کسی اور زاویے اسے تسلیم کرنا ناممکن تھا۔

"زرش!"

"جی مما!"

"تمہاری چھوٹی مما کا فون ہے۔"

"تو۔" اس نے سوالیہ نظریں ریحانہ کے چہرے پر مرکوز کیں، گزشتہ پانچ سالوں سے زرش نے کبھی ان سے بات نہیں کی تھی۔

"اذکاء کی شادی ہے وہ ہمیں انوائیٹ کرنا چاہتی ہیں۔" ریحانہ نے کہا تو اس نے بات سمجھ کر موبائل ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"السلام علیکم چھوٹی مما۔" اس کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی۔

"وعلیکم السلام، میری بیٹی کو رمضان کی خوشیاں مبارک ہوں۔"

"آپ کو اب یاد ہے چھوٹی مما پانچ سال بعد کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی ہے۔" آنسوؤں کے ساتھ ساتھ شکوہ بھی اس کی زبان سے پھسلا۔

"میں تم سے جدا تو نہیں ہوں زرش، بس تمہارے جذبات کا خیال کر کے کبھی تمہیں تنگ نہیں کیا، ورنہ چھوٹی مما کا دھیان اپنے بچوں میں ہی رہتا ہے۔" ان کے لہجے کی تھکاوٹ ان کے الفاظ کی سچائی کی ترجمان تھی۔

"اذکاء کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے، عید کی شام کو اس کا نکاح ہے یہ دوریاں سمیٹ لو بیٹا، میں نے بھابھی کو ایڈریس دے دیا ہے اپنی بہن کی شادی میں ضرور آنا، سب کچھ بھلا کر میری بیٹی زرش بن کر آنا۔"

"جی چھوٹی مما، میں ضرور آؤں گی۔" آنسوؤں کے درمیان مسکراتے ہوئے پرعزم لہجے میں بولی، پھر چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے کال بند کر دی۔

سبین سحر نے ایک قدم بڑھایا تو افغان پیراڈائز کے مکین دس قدم آگے بڑھ کر ملے۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی اور سبین سحر کے بے حد اصرار پر سب لوگ آج ہی گلبرگ ان کے گھر جا چکے تھے، زرش نے طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا تھا۔

"میں حنان کے ساتھ صبح آ جاؤں گی۔" اس نے کہا تو ریحانہ اور مطیب نے مزید اصرار مناسب نہیں سمجھا، وہ وہیں لان کے اوپری حصے میں بنے سوئمنگ پول میں پاؤں ڈال کر بیٹھ گئی، سوڈیم لائٹ کی نیلگوں روشنی نے تاریکی اور روشنی کا عجیب سا تال میل چھیڑ دیا تھا ہر شے پر گہرا سکون تھا، آج پھر پہلی رات کا چاند آسمان کی باہوں میں عازم سفر ہوا، دنیا بھر کی اداسیوں زرش مطیب کو اپنے وجود کا گھیراؤ کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کاش تم کہیں سے آ جاؤ، سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔" اس نے بڑی شدت سے خواہش کی، اس کی آنکھوں سے آنسو سیل بن کر رواں ہو گئے، درد کا احساس آکٹوپس کی طرح اسے جکڑنے لگا تھا اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں، اچانک اسے پانی میں ہلچل کا احساس ہوا تھا، اس نے نیم خوابیدہ آنکھیں وا کیں، گردن گھما کر دیکھا تو برابر ہی فرحال مشاہد پاؤں سوئمنگ پول کے نیلے پانی میں پاؤں ڈالے اس کے ساتھ بیٹھا تھا، وہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے

اسے دیکھ رہی تھی۔

بلیک پینٹ اور گرے لائننگ والی شرٹ میں وہ ساحر بے حد پرکشش لگ رہا تھا، اس کے چوڑے اور بھرے بھرے شانے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہے تھے اس کی شرٹ کا اوپری بٹن کھلا تھا، کف کہنیوں تک مڑے تھے عنابی ہونٹ مسلسل مسکرا رہے تھے۔

اس کے ہونے کا یقین کر لینے کے بعد وہ ناگواری سے اٹھ کھڑی ہوئی، پانچ سال تک وہ اسے ستاتا رہا تھا، تنہائی کی اذیت کا اسے حصے دار بنایا تھا اتنی جلدی کیسی بھول جاتی، کچھ ناراضگی کا اظہار بھی تو مقصود تھا، دل البتہ شدتوں سے دھڑک اٹھا تھا، ننگے پاؤں وہ گھاس پر چلنے لگی تھی۔

''بس ہر وقت میرا خیال ہی مت رکھا کرو، کبھی اپنے بارے میں بھی سوچ لیا کرو، اتنے نازک پیروں کا کیا قصور ہے جو انہیں نوکیلی گھاس پر رگید رہی ہو۔'' مسکراتے ہوئے کھنک دار لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کے پیچھے ہولیا۔

''تمہیں اس سے مطلب۔'' وہ غصے سے پھنکاری۔

''چلو یار بیٹھ کر صلح کرتے ہیں۔'' اس کا انداز صلح جو تھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''سوچ لو، اب کی بار تم نے مجھے اپنی زندگی سے نکالا تو لوٹ کر واپس نہیں آؤں گا۔''

''دھمکی دے رہے ہو۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''نہیں میں جاننا چاہتا ہوں، گذشتہ پانچ سالوں نے میرے متعلق تمہارے دل کو کس انداز میں دھڑکنا سکھایا ہے، تم مجھ سے نفرت کرتی ہو یا اب بھی مجھے اپنے جذبات کے غلط ہونے کا احساس دلانا چاہتی ہو، یا میری سوچی ہر بات غلط ہے تمہارے وجود میں میرا کوئی حصہ نہیں، وہ بس ایک یتیم پر نظر کرم تھا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا اور زرش مطیب تڑپ کر رہ گئی۔

''ہاں جو سمجھنا ہے سمجھ لو، ان گزرے پانچ سالوں میں ایک لمحہ تمہیں بھول نہیں پائی، تمہارے کمرے کی ہر شے میں تمہیں تلاشتی رہی، دہلیز پر نگاہیں جمائے تمہاری آہٹ پہچانتی رہی، ہر رات سونے سے پہلے ڈھیروں باتیں تم سے کرتی رہی، آج تک تمہارے علاوہ کبھی کسی کے بارے میں، میں سوچ نہیں پائی، پہروں تمہاری یاد میں آنسو بہائے ہیں میں نے، دعا میں سب سے پہلے تمہاری خوشیوں کی دعا مانگی، تمہیں کبھی خود سے الگ نہیں کر پائی، خود پر تمہارے حق کو فراموش نہیں کر پائی، اگر یہ ایک یتیم پر صلہ رحمی ہے تو ٹھیک ہے ایسے ہی سہی۔'' وہ دھیرے دھیرے لبوں پر لگے قفل توڑ رہی تھی اور وہ مسکراہٹ دبائے اس کے ہر اقرار کو دل میں اتار رہا تھا، دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے بہت دلچسپی سے وہ روئی بسورتی زرش کو دیکھ رہا تھا۔

''اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔'' وہ غصے سے چلائی اور ساتھ ہی اس کے بازو پر مکا رسید کیا۔

''کچھ نہیں ادھر آؤ۔'' اپنے لبوں پر مچلتی مسکراہٹ کو دھکیلتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا، اسے واپس اسی جگہ پر بیٹھایا اور خود قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

''تم جانتی ہو یہ سب کیا ہے زرش۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے اس کا دودھیا پاؤں اٹھا کر اپنی گود میں رکھا، زرش کے وجود میں جیسے چیونٹیاں رینگنے لگیں، اس نے پاؤں چھڑوانا چاہا مگر اس نے تنبیہی نگاہوں سے دیکھ کر تمام مزاحمتیں رد کر دیں۔

''یہ محبت ہے زرش، یہ اس احساس اور جذبے سے کہیں خوبصورت اور ماورائی ہے، جس پر ابھی تک تم نے خود کو کاربند کر رکھا ہے۔'' گھمبیرتا سے کہتے ہوئے اس نے سینڈل اس کے پاؤں میں ڈالا اور اسٹریپ بند کیا۔

''صرف ایک بار میرے ساتھ اس احساس کو محسوس کرو زرش اس کے بعد بھی انکار کیا تو میں دوبارہ اس موضوع کو بھی نہیں چھیڑوں گا۔'' اس کے دوسرے پیر کو سینڈل میں مقید کرتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا اور زرش مطیب کو سانس لینا مشکل لگنے لگا، پہلی بار اس نے خود کو یہ سوچنے پر مجبور کیا تھا کہ وہ فرحال مشاہد سے محبت کرتی ہے۔

''مگر تم مجھ سے چھوٹے ہو۔'' اس نے خدشہ بیان کیا۔

''جی جانتا ہوں اور اس کم بخت ایج ڈفرینس نے ہمیشہ تمہیں دادی اماں بننے پر مجبور کیا ہے۔'' اس نے باقاعدہ سر پر ہاتھ مارا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''اٹ ڈزنٹ میٹر زرش، پلیز یہ فضول باتیں سوچنا بند کرو بولو کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔''

وہ اقرار مانگ رہا تھا تو اس نے دھیرے سے قدم آگے بڑھائے، فرحال مشاہد بھی اس کے ساتھ تھا، چلتے چلتے اس نے زرش مطیب کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہونے لگے تھے، مگر وہ خاموشی سے چلتی رہی۔

''تمہیں نہیں جانا چاہیے تھا فرحال، تم نے مجھے بہت تڑپایا ہے۔''

''نہیں جاتا تو تمہیں احساس کیسے ہوتا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور ویسے بھی دو متضاد کیفیات کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنا مشکل تھا۔''

''اب کہیں مت جانا۔'' اس نے فرمائش کی۔

''اب چلنے کی باری تمہاری ہے مادام۔'' وہ شوخ ہوا اس کے لبوں کے کٹاؤ میں بڑی شریر مسکان مچل اٹھی۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی تو فرحال مشاہد ٹھٹک کر رک گیا، اس کے چہرے پر اضطراب اور ناسمجھی کا عالم تھا۔

''ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں فرحال، تم واپس آؤ، اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے، دعا، ولید، حنان سب اپنی اپنی جگہ سیٹل ہو گئے ہیں اور اس گھر میں اداسیوں کے ڈیرے ہیں، میں چاہتی ہوں ہم ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ رہیں اور افغان پیراڈائز کی خوشیاں واپس لوٹا دیں۔''

اپنی خوبصورت شہد آگیں نگاہوں میں اس وجیہہ انسان کا سراپا بھر کر وہ بہت پرامید سی لو رہی تھی اور زرش مطیب کا ہر لفظ فرحال مشاہد کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔

''تم ایسا چاہتی ہو۔''

''بالکل۔''

''تو ٹھیک ہے۔'' وہ لمحوں میں مان گیا، تو زرش کو اس پر بے ساختہ فخر محسوس ہوا۔

''تم نے مہندی نہیں لگائی۔'' اس کے شفاف ہاتھوں کو دیکھ کر وہ حیرت سے چلایا۔

''کس کے لئے لگاتی مہندی۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''میرے لئے۔'' اس نے برجستہ کہا۔

''چلو میں تمہارے مہندی لگا دیتا ہوں۔'' اس نے کون نکال کر کہا، وہ جیسے تمام تیاریاں

کر کے آیا تھا، زرش نے اپنی گلابی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی اور وہ بڑی مہارت سے ڈائزین بنانے لگا۔

"کیا ڈاکٹرز مہندی بھی لگا لیتے ہیں۔"

"ڈاکٹرز اور بھی بہت کچھ کر لیتے ہیں اگر کوئی اجازت دے تو۔" اس نے شرارت سے کہا تو زرش خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"اور جناب آپ کا غلام اب ہارٹ اسپیشلسٹ پلس سرجن بننے کے لئے آسٹریلیا جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"تمہارے لئے ڈاکٹر بنا ہوں۔"

"جانتی ہوں۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"لڑکی بہت باتونی ہو تم، میری بہن کی شادی ہے تمام انتظامات مجھے ہی دیکھنے ہیں، بہن کی بھابھی کو لینے آیا تھا مگر اس نے تو رات یہیں گزارنے کا بندوبست کیا ہوا ہے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

"فرحال پلیز ایسی باتیں مت کرو۔" وہ گھبرائی۔

"اب تو ایسی ہی باتیں کروں گا، عادت ڈال لو۔" اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

"چلو اب چلیں آپ کی ساسو ماں بے صبری سے اپنی ہونے والی بہو کا انتظار کر رہی ہیں۔" اس کی شوخیاں حدوں پر تھیں۔

"کیا خیال ہے کل ہی نکاح نہ پڑھوا لیں۔" اس نے آنکھیں گھما کر شرارت سے کہا۔

"منہ دھو رکھو۔" زرش نے اسے چڑایا، پھر سارے راستے وہ اسے چھیڑتا رہا تھا۔

"سنو فرحال۔" گھر کے گیٹ پر اتر کر زرش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ہاں بولو۔"

"چاند رات مبارک۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"وش تو میں بھی کرنا چاہتا ہوں مگر تم ناراض ہو جاؤ گی۔" اس نے کان کھجا کر قدرے اس کی طرف جھک کر کہا۔

"رہنے دو پھر۔" وہ گھبرائی۔

"سنو کان قریب کرو۔"

"کان کیوں میڈم پورا کا پورا فرحال مشاہد آپ کے قریب ہو جاتا ہے۔"

"فرحال پلیز تنگ مت کرو۔" وہ ازلی لاپرواہی سے بولی۔

"آئی لو یو۔"

اس کے کان میں کہہ کر زرش نے اس کے بال بگاڑے اور بھاگتی ہوئی گیٹ عبور کر گئی، وہ زرش مطیب تھی فرحال مشاہد کے دھڑکنوں کے راز بھی جانتی تھی۔

اس کا دل کس قدرے بے قرار تھا اس اظہار کے لئے وہ خوب سمجھتی تھی اور جو شخص ہمارے لئے سب کچھ تیاگ دے اس کے لئے یہ الفاظ ادا کر دینے میں کوئی حرج نہیں، فرحال مشاہد کے رگ و پے میں عجیب سی طمانیت بکھر گئی اور وہ مسکراتے چاند کو دیکھ کر خود بھی مسکرا دیا، جو اس حسین اور پاکیزہ ملن پر خود بھی کافی سرشار تھا۔

☆☆☆

میں نے اسے زار و قطار روتے دیکھا تھا اس کی آنکھیں شدت گریہ سے ہلکی سرخ ہو رہی تھیں ہاتھ میں جھاڑو پکڑے وہ خود کو کام کی طرف مائل کرنے کی کوشش میں سرگرداں نظر آ رہی تھی، یکا یک نجانے کیوں مگر میرے حساس دل کو کچھ ہوا تھا میں بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھی۔

''کیا ہوا نازی، رو کیوں رہی ہو؟'' میں نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے اس سے پوچھا۔

''جس کے نصیب میں رونا لکھا ہو باجی! وہ رونے کے علاوہ اور کرے بھی کیا۔'' اس نے سوں سوں کی آواز نکالتے اپنی ناک کو رگڑا۔

''پھر بھی کچھ تو بتاؤ، مجھے پریشانی ہو رہی ہے تمہیں روتا دیکھ کے؟''

''جو نصیب کی مار کھا جائیں باجی، وہ بیٹیاں یونہی زمانے کی ٹھوکروں کی زد میں رہتی ہیں کون سی نئی بات ہے۔''

''کیا ماں سے جھگڑا ہوا ہے؟'' میں نے قیاس آرائی کی اس نے سر کو اثبات میں جنبش دے کر میرے قیاس پر یقین کی مہر ثبت کر دی۔

''اوہ!'' میرے لبوں سے ٹھنڈی آہ نکلی۔

''سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہوں کام میں، باقی بہنیں صرف چارپائیاں توڑتی رہتی ہیں میرے بھی تو بچے ہیں میں نے تو انہیں کبھی نہیں ہر وقت سینے پر لٹایا سارا دن گھر کے کام کاج کے علاوہ خانزادیوں کے گھروں کے بھی کام کرتی ہوں تاکہ میکے والوں پر بوجھ نہ بنوں اپنے اور اپنے بچوں کو دو وقت کی عزت کی روٹی مہیا کر سکوں، مگر پھر بھی اماں کی لعن طعن سننے کو ملتی رہتی ہے ہر وقت سسرال اور شوہر کے طعنے دیتی رہتی ہیں مجھے بتائیں باجی اگر میرا شوہر کسی لڑکی کو بھگا کر لے گیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے اسے میں نے تو مجبور نہیں کیا تھا بھلا میں بھی ایسا چاہتی تھی؟'' نازی کی باتیں سن کر میرے دل پر پھپھولے پڑنے لگے ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ بھلا کس عورت کا دل چاہتا ہے کہ اس کا شوہر اس کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھے بھی۔

''مانو کا کچھ پتہ چلا؟'' میں نے اس کے آنسو صاف کرتے نرمی سے پوچھا تھا۔

''وہ واپس آنے کے لئے تھوڑی گیا ہے؟''

اس کے آنسو بھل بھل گرنے لگے تھے۔

''وہ لوٹ آئے گا میرا دل کہتا ہے؟'' میں نے اسے تسلی دی۔

''وہ نہیں آئے گا باجی! کس کی خاطر آئے گا وہ یہاں، مجھ سے تو اسے نفرت ہے سو ہے اپنے بچوں تک سے انسیت نہیں رکھتا وہ۔'' میں نے تھک کر گہری سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

''اماں نے زبردستی مجھے اس کے پلو سے باندھ کر بڑی زیادتی کی باجی! آج نہ میں جی سکتی ہوں نہ ہی مر سکتی ہوں، میرے لئے تو دونوں طرف ہی موت ہے؟'' اس نے جھک کر جھاڑو لگاتے دکھ سے کہا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ تم بس اپنے رب پر بھروسہ رکھو اور اپنے حق میں دعا کیا کرو۔'' میں نے اس کی مخدوش حالت کی طرف دیکھتے تسلی آمیز لہجہ اختیار کیا تھا، ابھی کل کی ہی تو بات تھی نازی چھوٹی سی میرے آنگن میں آ کر کھیلا کرتی تھی، میری وشمہ سے کوئی سال بھر چھوٹی ہی ہو گی ابھی چودھواں سن عبور کیا ہی ہو گا کہ اس کی ماں نے دیور کے وٹے میں اسے بیاہ دیا تھا میں نے تو خوب روکا بھی مگر اسے سمجھ نہیں آیا ویسے بھی وہ خاصی بدلحاظ خاتون تھی اسے لگا شاید میں کام کاج کی غرض سے اسے بیاہنے سے روک رہی ہوں صاف بدلحاظی سے کہہ دیا کہ میری بیٹی کی عمر نکلی جا رہی ہے پھر اچھے رشتے بار بار کہاں ملا کرتے ہیں، میں چپ ہو رہی کہ نوکروں کی مجھے کوئی کمی نہ تھی میں تو فقط نازی کی کم سنی کے خیال سے کہہ رہی تھی، میں نے نازی کو خود جہیز کا سارا سامان دے کر اپنے گھر سے رخصت کیا تھا پہلے چند ماہ تو وہ خوب خوش رہی ایک دو بار ملنے بھی آئی تو مجھے بھی اسے دیکھ کر اطمینان ہوا میں نے بہت کچھ دے دلا کر اسے رخصت کیا کہ وہ میری بیٹی کی طرح ہی تھی اور بیٹیوں کو میکے پر بڑا مان ہوتا ہے ان کا مان ہمیشہ سلامت رہنا چاہیے۔

کافی ماہ وہ دوبارہ نہیں آ سکی تھی سنا تھا اس کے گھر خوشخبری ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے بھی سنا کہ اس کا شوہر اپنے ساتھی راج گیر کی بیٹی کے چکر میں الجھا ہوا ہے اور اسی سے شادی کا خواہش مند بھی تھا مگر اپنی بہن کی زندگی بچانے کی خاطر اسے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑا تھا، مگر اب وہ دوبارہ اسی کے چکر میں پھرتا نازی کے حالات خاصے بدتر ہو گئے تھے کئی بار اس کے شوہر نے اسے طلاق کی دھمکی بھی دی تنگ آ کر ماں اسے اپنے گھر لے آئی نازی پھر میرے گھر کام کرنے لگی اس کے دن نزدیک آئے تو میں نے اسے تین ماہ کی تنخواہ ایڈوانس میں دے کر آرام کرنے کو بھیج دیا، اس کے گھر صحت مند سا خوب گورا چٹا بیٹا پیدا ہوا تھا، میں بچے اور نازی کے کپڑے لے کر اس کے گھر اس کے بچے کو دیکھنے گئی تھی۔

''تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے نازی!'' میں نے اس کے مندی مندی پلکوں والے بیٹے کو بغور دیکھتے توصیفی لہجہ اختیار کیا۔

''بالکل مانو پہ گیا ہے جی!'' نازی نے شرماتے ہوئے بتایا تو مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی تھی۔

''مانو سے یاد آیا نازی، وہ آیا بیٹے کو دیکھنے کے لئے کہ نہیں؟'' نازی کے چہرے پر اپنی بات سن کر میں نے تاریک سایہ پھیلتے دیکھا تھا۔

''اچھے کی امید تو اچھوں سے ہی رکھی جاتی ہے ناں باجی! اور مانو سے مجھے کسی بھی اچھائی کی امید تو کیا توقع بھی نہیں ہے وہ کیوں آنے لگا؟'' میں نے دیکھا نازی نے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

''تمہارے لئے نہ سہی پر اپنے بیٹے کے لئے تو آنا ہی چاہیے تھا اور پھر تمہارے لئے بھی وہ کیوں نہ آئے جبکہ تم شرعی طور پر اس کی بیوی ہو تمہارے حقوق لاگو ہوتے ہیں اس پر۔''

''ہم غریب لوگ اپنے حق حقوق کی باتیں کس سے کریں بیگم صاحبہ! ہماری جگہ کون بولے گا ہمارے حق کے لئے کون لڑے گا۔'' نازی کی ماں دوپٹہ منہ پہ ڈال کے سسک اٹھی تھی۔

''اپنے حق کے لئے آواز خود ہی بلند کرنا پڑتی ہے کوئی کسی کے لئے نہیں لڑا کرتا بات امیری غریبی کی نہیں انصاف کی ہے؟'' میں نے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

''ساری میری غلطی ہے بیگم صاحبہ! میں ہی اندھی ہو گئی تھی کچھ سمجھ ہی نہیں سکی اور لے کے بچی بے چاری کو اذیت کی بھٹی میں جھونک دیا۔'' وہ پھپھک کے روتے اپنے آنسو ساتھ ساتھ میرے بھی دل پر گرا رہی تھی۔

''کیوں پچھتا رہی ہو اماں، اس میں تمہارا کیا قصور یہ تو میرے نصیب کے کھیل ہیں۔'' نازی نے تسلی آمیز لہجہ اختیار کرتے ماں کو چپ کروایا تھا میں بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ

آئی تھی چند روز بعد سننے کو ملا تھا کہ نازی کی ساس سسر آ کر نازی کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

چند ماہ یونہی گزر گئے وشمہ کا ایڈمیشن چونکہ میڈیکل کالج میں ہو گیا تھا سو ہم لوگ اکثر و بیشتر اس سے ملنے کو لاہور جاتے ہی رہتے ایک دو بار نازی کہیں گاؤں آئی بھی مگر میری اس سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی ان دنوں میں اپنی فیملی کے ساتھ لاہور وشمہ سے ملنے کے لئے گئی ہوئی تھی اور اب پچھلے ڈیڑھ سال سے نازی میرے پاس ہی تھی اس کے شوہر نے اسے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تھا ان دنوں نازی پھر ماں بننے کے دور میں داخل ہو چکی تھی اسے دیکھ کر میں تو سر پیٹ کر رہ گئی۔

ابھی اس کا پہلا بچہ چھ ماہ کا تھا اور وہ پھر حاملہ ہو گئی تھی چند لمحوں کی بھول اس کے لئے تو ساری زندگی کا وبال تھی ناں، مگر یہ بات میں اس کم عقل لڑکی کو کیسے سمجھاتی کہ جو لڑکی اپنی عمر سے زیادہ بڑے دکھوں کا بار اٹھانے لگی تھی، اس دفعہ اس نے پھر میرے ہاں کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے منع کر دیا کہ اب اس کا چھوٹا سا بچہ تھا اور میں بالکل بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بچے صحت کے ساتھ ساتھ نازی کو کسی دقت کا سامنا ہو، لیکن میں بساط بھر اس کی مدد کرتی ہی رہا کرتی تھی، اس کے دوسرے بچے کی پیدائش پر بھی میں نے اسے اور اس کے دونوں بچوں کو کپڑے اور کھلونے لے کر دیئے تھے بچے کو دیکھنے بھی گئی تھی تب چھلہ ختم ہوتے ہی اس نے کام کی خواہش کا دوبارہ اظہار کیا تو میں اسے روک نہیں پائی تھی اس کا شوہر دوسرے بچے کی پیدائش پر بھی نہیں آیا تھا۔

عجیب بے حس بندہ تھا مجھے تو سوچ کر ہی کوفت ہونے لگتی تھی اور اب تو خیر سے وہ اسی راج گیر کی بیٹی کو بھگا کر لے گیا تھا اپنے ساتھ جانے کہاں، مہینوں ہو گئے کچھ پتہ ہی نہ چلا ذات برادری کا مسئلہ تھا راج گیر ذات کے کمیار ہی تھے انہوں نے بیٹی کے بدلے مانو کی بیوی بچوں کو مانگا مگر نازی اڑ گئی کہ جانتی تھی کہ مانو ان کے عوض تو واپس نہیں آئے گا تھک ہار کر وہ چپکے بیٹھے رہے۔

زندگی نازی پر دن بدن مشکل ہی ہوتی جا رہی تھی، بے شک خود کما کر ماں کو بھی کھلاتی تھی مگر پھر بھی اس کا وجود سب کے لئے بوجھ ہی تھا، یہ دنیا اور اس کے لوگ، اکثر ہی مجھے دکھی کر دیتے ہیں، میں نے کچھ سوچ کر ایک فیصلہ کیا اور اپنے بھائی کو کال ملائی بیل جا رہی تھی۔

☆☆☆

ماہ رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہوتے ہی میری عبادات کا سلسلہ خاص شروع ہو گیا تھا، میں دن بھر وظائف میں مگن رہتی اور نازی گھر کے کام کاج میں، آج پندرھواں روزہ تھا اور نازی افطاری کے لئے پکوڑوں کا آمیزہ تیار کر رہی تھی میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"مانو سے رابطہ یا کوئی سنی سنائی۔" نازی کے ہاتھ آلو چھیلتے لمحہ بھر کو تھمے پھر دوبارہ حرکت میں آ گئے۔

"پچھلے دنوں سنا تھا کہ اس نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا ہے اب تو شاید خوشخبری بھی ہو گی۔" نازی کے لہجے میں افسردگی رچی ہوئی تھی مجھے سارا ماحول افسردہ محسوس ہونے لگا۔

"سنی سنائی باتوں پر دھیان نہیں دیتے نازی اور پھر تمہیں اس سے رابطہ تو کرنا ہی چاہیے تھا آخر وہ تمہارے بچوں کا باپ ہے وہ تمہاری ذمہ داری نہ اٹھائے مگر بچوں کو خرچ تو دے۔"

"وہ نہیں آئے گا باجی، میں جانتی ہوں۔" اس کے یقین پر میں دھیمے سے مسکرائی۔

"اور اگر وہ آ جائے تو پھر؟" نازی میرے مسکراتے چہرے کو بغور دیکھا اور پھر سر جھکا۔

"وہ واپسی کا رستہ بھول چکا ہے باجی، جو ایک دفعہ بھٹک جائیں انہیں واپسی کے کھلے دروازے نظر نہیں آیا کرتے؟"

"تم دروازہ کھول کر رکھو وہ ضرور لوٹے گا، بس اپنا ظرف وسیع رکھنا۔" میں نے اسے سمجھایا تھا۔

☆☆☆

چاند نظر آ گیا تھا فضا میں بچوں کی کھلکھلاہٹیں اور پٹاخوں کا شور رچا بسا تھا میں نے عشاء کی نماز کے لئے وضو کیا اور جاء نماز اٹھائی ہی تھی کہ نازی کو تیزی سے اپنی جانب آتا پایا، میں کچھ کچھ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی جس کا چہرہ کسی انجانے احساس کے تحت تمتمایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا باجی، وہ لوٹ آیا ہے اسے واپسی کا راستہ یاد تھا۔" وہ آتے ہی جوش و خروش سے میرے ساتھ لپٹ گئی تھی۔

"کون آیا ہے؟" مجھے حیرت سی ہوئی تھی۔

"مانو آیا ہے باجی، آپ نے کہا تھا ناں کہ نازی دروازہ کھلا رکھنا، میں نے اس کا انتظار بھی کیا اور دروازہ بھی کھولے رکھا اور وہ لوٹ آیا بہت شرمندہ بولا کہ وہ اس کی بھول تھی کہ اس نے اس لڑکی کو چاہنے کی غلطی کی، وہ لڑکی اس کا سارا جمع جتھا لے کر بھاگ نکلی باجی اور اپنے ساتھیوں سے مانو کی خوب پٹائی بھی لگوائی مانو کی ٹانگ ٹوٹ گئی کئی ماہ چارپائی پر پڑا سسکتا رہا پھر میرے سامنے آنے کی ہمت بھی نہیں تھی اس میں، اب بھی بڑی مشکلوں سے ڈرتا جھجکتا ملنے آیا ہے،

"تو معاف کر دو، صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے؟ اسے ایک موقع دو سنبھلنے کا، اپنی غلطیوں کی تلافی کرنے کا، اب وہ آیا ہے تو اسے اپنا اسیر کر لو اس طرح کہ کہیں اور لوٹ کر نہ جا سکے کسی اور کی محبت میں سنا اثر نہ ہو کہ وہ تمہاری محبت پر فوقیت حاصل کر لے، جاؤ وہ تمہارا منتظر ہے اور اسے معاف کر دو۔" میں نے اس کا ماتھا چومتے اسے دعا دیتے سمجھایا تھا۔

"پچھلے تین سال سے ہر عید تمہاری روتے ہوئے گزری ہے نازی، اس بار تمہاری عید سب سے زیادہ اچھی اور انوکھی ہو گی اللہ کرے اب آنے والی ہر عید تمہاری زندگی میں خوشیوں کا بسیرا لے کر آئے، ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔" میں اسے روک کر فوراً کمرے کی جانب بڑھی اور پرس سے چند نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھائے۔

"یہ رکھ لو تمہاری عیدی کے ہیں اور بازار جا کر اپنے اور بچوں کے ساتھ ساتھ مانو کے لئے بھی شاپنگ کر لو۔"

"اس کی ضرورت نہیں باجی! مانو ہمارے لئے عید کی شاپنگ کر کے لایا ہے، ابھی میں چلتی ہوں وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا اس نے کہا تھا کہ جلدی آنا۔" وہ چہک سے کہتی واپس کو مڑ گئی تھی اور میں بھی شکرانے کے نوافل ادا کرنے کو بڑھی تھی کہ میرے رب نے میری مدد فرماتے مجھے سرخرو کیا تھا اور میں نازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور ابھی تو مجھے اپنے بھائی کا بھی شکریہ ادا کرنا تھا جس نے مانو کو ڈھونڈنے کے ساتھ ساتھ واپسی کا راستہ بھی دکھایا تھا ورنہ تو نازی نے سچ ہی کہا تھا جو ایک دفعہ راستے سے بھٹک جائیں وہ اکثر واپسی کا راستہ بھول جایا کرتے ہیں۔

☆☆☆

بارہویں قسط

''علینہ احمر مغل'' کی شخصیت لاتعداد متضاد مجموعوں کی پیکر تھی، وہ اس وقت بیس سال کی تھی اور گریجویشن کے ایگزامز دے چکی تھی اور عجیب بات تھی کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا وہ اس بات پہ حیران تھی کہ وہ اسے اتنا اچھا کیوں لگتا تھا؟ اور کیا اس کی دلکش شہد رنگ آنکھیں سب کو اپنے حصار میں اسی طرح جکڑ لیتی تھیں جس طرح علینہ کو، ایسی کیا سحر کاری تھی کہ وہ بچ نہیں پاتی تھی۔

مگر پتا نہیں کب اور کیسے وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتی تھی کہ وہ گھر بھر کا لاڈلا اور چہیتا تھا اور وجہ پتا نہیں کیا تھی، شاید اس کی حد سے بڑھی ہوئی حساسیت یا پھر، یا پھر وقار، ہاں ایسا ہی تھا یا شاید اسے لگتا تھا کہ گھر میں اس کی مقبولیت کی وجہ صرف وقار تھے اس میں ذاتی طور پر ایسی

ناولٹ

کوئی خوبی نہ تھی کہ اسے اتنا چاہا جاتا، ہاں وہ ذہین تھا مگر ذہین تو عباس بھی تھا، وہ ہینڈسم تھا مگر ہینڈسم تو مغل ہاؤس کے سارے بیٹے تھے، پھر کیا بات تھی، وہ جان نہیں پاتی تھی مگر وہ اس کی طرف کھینچتی تھی، مگر اپنی طبیعت اور مزاج کے برعکس اس نے خود کو مضبوطی سے دبایا تھا، اس کے قریب جانے سے روکا تھا، اس نے لاکھ چاہا کہ علینہ سے فرینک ہو سکے مگر علینہ نے ہر بار خود کو چکنا گھڑا بنا لیا، وہ شپٹا کر رہ جاتا، لیکن اصل حقیقت کچھ اور تھی، سچ یہ تھا کہ علینہ احمر مغل قطعاً ایک نارمل لڑکی نہیں تھی۔

سب نارمل لوگوں کی طرح اسے بھی غصہ آتا تھا مگر وہ اسے نکالتی نہیں تھی نہ ظاہر کرتی تھی، اندر ہی اندر دباتی رہتی تھی، نارمل لوگوں کی طرح وہ بھی احساسات وجذبات سے

بھرپور تھی مگر ان کے اظہار سے ہمیشہ کتراتی تھی اور اسے بھی بروقت اپنے احساسات کو بیان کرنا نہ آیا، عام لوگوں کی طرح اسے بھی بہت سی باتیں بری لگتی تھیں مگر وہ انہیں ڈسکس کرنے کی بجائے اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی۔

بہت بار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ شاہ بخت سے پوچھے کہ وہ اس کی تصویر کیوں بنانا چاہتا تھا؟

بہت بار اس نے سوچا کہ وہ شاہ بخت سے پوچھے کہ آخر وہ اسے گفٹ کیوں دینا چاہتا تھا، خواہ ایک گھڑی ہی سہی۔

وہ شاہ بخت سے سوال کرے کہ وہ اتنا ہائپر کیوں تھا؟

اور وہ شاہ نواز کے نام پہ اتنا ہائپر کیوں ہوجاتا تھا؟

کیا Obssession اسے اس نام سے؟؟؟

کتنی ہی دفعہ اس نے سوچا کہ وہ اس سے دریافت کرے کہ آخر رمشہ اور شاہ بخت کے جھگڑے میں اس کا نام کیوں آیا اور کہاں سے آیا تھا۔

آخر علینہ کا کیا لنک تھا، اس کی تو کوئی دوستی ہی نہ تھی ان دونوں سے تو پھر، وہ اس سے جاننا چاہتی تھی کہ وہ اسے ایکدم سے یوں نظر انداز کیوں کرنے لگا تھا، یوں جیسے وہ موجود ہی نہ ہو مگر، درحقیقت وہ خود بھی اسے یوں ہی نظر انداز کرتی تھی تو پھر جب وہ کررہا تھا تو برا کیا ماننا، مگر انسانی فطرت، عجیب ہے، خود کو حق پہ پاتی تھی اور دوسرے کو غلط سمجھتی تھی۔

وہ حیران تھی کہ شاہ بخت کا ردعمل، شاہ نواز کی موت پہ بہت ٹھٹکا دینے والا تھا اور غیر متوقع بھی اور جو اس کے بعد ہوا وہ علینہ احمر مغل کے لئے اس قدر خوفناک اور دل دہلا دینے والا تھا کہ وہ دو دن بعد بھی اس سہم کے حصار سے نکل نہ پائی تھی، یہ شاہ بخت تھا، کس قدر ناقابل یقین سی بات تھی، وہ ششدر سی تھی، اس شخص کی جرأت حیران کن ہی نہیں تباہ کن بھی تھی، یہ تو وہ ہمیشہ سے جانتی تھی کہ وہ نڈر تھا مگر اس قدر بے خوف ہوگا اس کا اندازہ اسے اب ہورہا تھا۔

اور طرہ یہ کہ اسے دھمکا بھی دیا تھا اس ہاتھ سے اب تک جلن اٹھتی محسوس ہوتی تھی کہ یہ ہاتھ شاہ بخت پہ اٹھا تھا، وہ حیران سی تھی اپنی اس قدر اضطراری حرکت پہ، اپنی ہمت پہ، اس نے اس شخص پہ ہاتھ اٹھایا تھا جس پہ شاید اس کا باپ بھی نہیں اٹھا سکا تھا، کیسا ستم تھا بلکہ ستم بالائے ستم تھا۔

اور اب وہ اپنی رکتی دھڑکنوں کے ساتھ لحہ بہ لحہ سوچ سوچ کر مر رہی تھی کہ وہ کیا کرے گا، اس نے امکانات پہ غور کرنا شروع کردیا تھا۔

''کیا کرے گا زیادہ سے زیادہ، بھائی کو بتادے گا تو بتادے میں بھی انہیں بتاؤں گی کہ اس نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی۔'' اس نے پہلا امکان ذہن میں لا کے خود کو تسلی دی تھی۔

''لیکن وہ کیسے بتا پائے گا اس سے تو اس کی انسلٹ ہوگی۔'' ظاہر ہے ایک لڑکی سے تھپڑ کھانا کوئی قابل عزت بات تو نہ تھی، اور اگر وہ تھپڑ کا بتاتا تو لازماً اس کی وجہ بھی بتانا پڑتی اور یقیناً اس کے لئے ٹھوس وجہ کا ہونا ضروری تھا، پھر تو اسے ساری بات بتانا پڑے گی، اس نے دوسرے امکان کو بھی رد کردیا۔

یوں ایک کے بعد ایک خیال رد کرتے ہوئے اس کو یقین ہوگیا کہ وہ قطعاً کسی کے علم میں یہ واقعہ لانے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس صورت میں جبکہ کچھ عرصہ پہلے اس نے رمشہ پر خود ہاتھ اٹھایا تھا اور یہ بعید از گمان ہی لگتا تھا کہ کوئی اس کی بات کا یقین کرتا جبکہ علینہ کا سابقہ ریکارڈ یکسر اس قسم کی بدتمیزیوں سے مبرا تھا، بہت دیر تک اس معاملے پہ سر کھپانے کے بعد وہ بالکل مطمئن ہوگئی تھی کہ شاہ بخت نے صرف اسے دھمکایا تھا، حقیقتاً وہ ایسا کوئی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

مگر وائے قسمت کہ وہ اپنی معصومیت، بچپنے، کم علمی اور سادگی میں اس کے سب سے اہم جملے کو بھول گئی تھی، شاہ بخت نے کہا تھا۔

''اور اگر یہ خود غرض شخص تمہیں ساری زندگی جھیلنا پڑ جائے تو؟'' وہ یہ دھمکی یکسر فراموش کرگئی تھی۔

☆☆☆

شاہ نواز کی وفات کو دس روز ہو چکے تھے، مغل ہاؤس پھر سے اپنی روٹین پہ جا چکا تھا، ایاز تا حال پاکستان میں ہی تھا اور سب گھر والوں کی بے نیازی اور بے رخی اس کے اعصاب کو اچھا خاصا توڑ رہی تھی اس وقت وہ سب رات کا کھانا کھا رہے تھے، ترتیب بدل چکی تھی، سیین اب عباس کے ساتھ بیٹھی تھی، جبکہ اس کے بالکل سامنے ایاز بیٹھا تھا، اس نے عباس کی پلیٹ تیار کرکے اس کی طرف بڑھائی تھی، جبھی ایاز نے اسے سلاد پکڑانے کو کہا۔

سیین نے نظر اٹھائے بغیر سلاد کی ڈش اس کی طرف کھسکا دی البتہ اس دوران اس کے چہرے پہ پھیلتی ناگواری، عباس کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی، کچھ دیر بعد ایاز نے اسے پھر مخاطب کرلیا۔

''سیین! پلیز پانی۔'' سیین نے ناگوار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور چیئر دھکیل کر کھڑی ہوگئی، سب بے اختیار چونکے، اس نے قدم آگے بڑھائے اور ایک لفظ کہے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی، عباس سن سا وہیں بیٹھا رہ گیا۔

''بابا آئم سوری، پلیز آپ کھانا کھائیے میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے مدافعانہ انداز میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا، یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈز میں ہی وقوع پذیر ہوگیا تھا، وہ اپنے کمرے میں آیا تو سیین بیڈ پہ بیٹھی تھی، اس کا چہرہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑ رہا تھا اور آنکھیں نم لگ رہی تھیں، عباس کے ذہن میں ایک دم سے ایک منظر ری کال ہوا تھا، جب وہ اور وقار سیین کی عدت کے دوران ان کے گھر گئے تھے تب بھی وہ یوں ہی بیڈ پہ بیٹھی رو رہی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ تب وہ اپنے گھر تھی، عباس کے اختیار و دسترس سے دور تھی مگر اب وہ اس کے ذاتی کمرے میں تھی اس کی اپنی ملکیت تھی، ایک اور مماثلت ضرور تھی، تب بھی اس کی تکلیف کا سبب ایاز تھا اب بھی وہی شخص اسے ایذا پہنچانے کی وجہ تھا، عباس کا غصہ اس وقت سیین کی بدتہذیبی پہ بری طرح بیٹھ گیا، وہ آگے بڑھا۔

''اس طرح کھانا چھوڑ کے آنے کا فائدہ؟'' اس نے نرمی سے کہا، سیین نے ہونٹ چباتے ہوئے اسے دیکھا اور خود پہ ضبط نہ پا کے بے ساختہ بکھر گئی۔

''میں اس شخص کو ایک منٹ بھی

برداشت نہیں کر سکتی عباس۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔

عباس نے اسے ساتھ لگا لیا، نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے اور اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

"آپ نے ایسا کرنے کو کوئی بھی نہیں کہہ رہا۔" اس کا تسلی بھرا لہجہ سبین کو ڈھارس ملی۔

"وہ شخص مجھے پریشان کرنے کی کوشش کر رہا ہے عباس! کل بھی جب میں کچن میں تھی، مجھے چائے کا کہہ گیا، میں امی جان کی وجہ سے انکار نہیں کر سکی مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ مجھے اپنی ملازمہ سمجھ کر ایکسپلائٹ کرتا پھرے، مجھے یہاں نہیں رہنا، مجھے اماں کی طرف بھجوا دیں، کم از کم تب تک جب تک وہ یہاں ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

عباس ملائمت سے اسے تھپکتا رہا، مگر اندر ہی اندر ایاز کے لئے پلتا غصہ کچھ اور بڑھا تھا۔

"بے وقوفی مت کریں، یہ آپ کا گھر ہے، ویسے بھی مجھے امید ہے کہ وہ چند دنوں تک ویسے ہی دفع ہو جائے گا یہاں سے۔" اس نے سمجھایا۔

"مگر میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ اس بار قدرے بلند آواز میں بولی، عباس نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"کس بات کا ڈر ہے؟ یہ میرے دل کا فیصلہ ہے سبین، میں نے تجھے اپنی آمادگی کے ساتھ اپنایا تھا جبکہ اس وقت میں اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ یہ پیپر میرج تھی، تمہیں میرا یقین کیوں نہیں آتا، تو صرف میری ہے، صرف میری سبین تجھے دل و دماغ کی بھرپور آمادگی کے ساتھ اپنایا ہے میں نے، تم سر سے پیر تک میری ملکیت ہے، حرف حرف پڑھ چکا ہوں تجھے اور جان لے کہ ہر مرد یہ کھوج رکھتا ہے کہ کہیں وہ صرف جسم کی سلطنت کا فاتح تو نہیں، کہیں دل کا علاقہ کسی اور کے قبضے میں تو نہیں، یہ کھوٹ مرد کی برداشت اور مردانگی کا امتحان ہوتا ہے میری جان، تجھے سر سے پیر تک جان چکا ہوں تو ان چھوئی کلی سے زیادہ پاک اور حیادار ہے، میں تیرا شوہر ہوں، میں قسم کواہی دیتا ہوں، کیونکہ میں بدباطن مرد نہیں ہوں، میں نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا اور تیری سچائی اور پاکیزگی میرا انعام ہیں۔" بے تکلف لہجے میں کہے الفاظ کیا تھے ٹھنڈے پھاہے تھے جو سبین کے دل کو نرمی سے چھو گئے اور کانوں میں کسی امرت کی طرح انڈیل دیئے گئے جو اس کی نس نس میں پھیل کر اس کے تنے ہوئے اعصاب پر سکون کر گئے تھے۔

اس کے ہم سفر نے کتنی چاہت سے اسے معتبر کر دیا تھا، اسے سرخرو ہونے کا مان بخشا تھا، سبین نے بے ساختہ اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور خود کو اسے کے سہارے چھوڑ دیا، عباس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اس نے بڑی محبت اور احتیاط سے اسے سنبھالا تھا۔

محبت کی کہانی یہ
محبت کی زبانی ہے
محبت کا میں راجہ ہوں
محبت تم سی رانی ہے
تمہیں کیسے بتاؤں میں
مجھے تم سے محبت ہے

☆☆☆

بہت دنوں سے اسے بخار ہو رہا تھا اور اس بات سے اسید مصطفیٰ بے خبر نہیں تھا، اس غضب کی سردی میں ناکافی بستر کے ساتھ فرش پہ سونے کا کوئی تو نتیجہ نکلنا تھا، لیکن صرف ایک وجہ تو شاید ناکافی ہو، کم خوراکی، مسلسل ٹینشن، رونا دھونا، رات دیر تک جاگنا، تذلیل اور سب سے بڑھ کر اس کوٹھری کی تنہائی، اتنے سارے عناصر کے ساتھ تو کوئی آہنی اعصاب کا مالک شخص بھی ڈھے جاتا وہ تو پھر ناز و نعم میں پلی لڑکی تھی، کب تک مقابلہ کرتی۔

ایسا نہیں تھا کہ اس نے یہ سب بڑی آسانی سے قبول کر لیا تھا، ایڈجسٹ ہو گئی تھی، اس نے اپنے ضبط اور حوصلے کو آخری حد تک آزمایا تھا، اس نے مزاحمت کا حق ادا کر دیا تھا، اس نے بہت مار کھائی تھی مگر اپنے موقف سے نہ ہٹی تھی، مگر کب تک، آخر کار اس نے مان لیا، اس نے تسلیم کر لیا، بھلے ہی وہ ایک پر آسائش زندگی گزار کر آئی تھی مگر جب سب کچھ نہ رہا تو اس نے بھی اس زندگی سے سمجھوتہ کر لیا جس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، وہ بہت عام سی لڑکی نکلی تھی، کمزور اور بزدل یا شاید بن گئی تھی یا پھر بنا دی گئی تھی، اس نے ماضی کو یاد کرنا چھوڑ دیا، اس نے بولنا چھوڑ دیا، اس نے یہ بھول جانے کی کوشش بھی شروع کر لی تھی کہ وہ کیا تھی اور اب کیا بن گئی، مگر اس سارے سمجھوتے، جھکاؤ اور خاموشی کے باوجود بھی اسے معافی نہیں ملی تھی، اس کی سزا میں کمی نہیں آئی تھی اور کچھ بھی نہ بدلا تھا، البتہ وہ بہت بدل گئی تھی اور اس وقت وہ فرش پہ بچھے قالین پہ کمبل اوڑھے لیٹی تھی جو اسید پتا نہیں کہاں سے لایا تھا، شاید یہ دونوں چیزیں سیکنڈ ہینڈ خریدی گئی تھیں کیونکہ وہ استعمال شدہ لگتی تھیں اور انہیں حبا کی طرف پھینکتے ہوئے اس نے بڑے زہرخند انداز میں کہا تھا۔

"میں نہیں چاہتا کسی دن مجھے تمہاری ٹھنڈ میں اکڑی ہوئی لاش ملے، پھر میرے انتقامی پلان کا کیا ہوگا اور میں قطعاً تمہیں اتنی آسان موت مرنے نہیں دے سکتا۔" اس کے لہجے کی سفاکی حبا کے اندر کسی زہریلی سوئی کی طرح پیوست ہو گئی تھی اور ایسی پتا نہیں کتنی سوئیاں اس کے ہاتھوں سے حبا کے جسم میں اتاری گئی تھیں، اسے تو تعداد بھی یاد نہ رہی تھی۔

البتہ اس وقت بخار کی شدت سے تڑپتے ہوئے اس کا ذہن بالکل خالی تھا، اس نے کمبل سر تک اوڑھ رکھا تھا جس کے سبب اس کے حلق سے نکلتی کراہیں کمرے کی فضا میں نہیں پھیل رہی تھیں، اسے شدید پیاس لگ رہی تھی، ناچار وہ خود کو سنبھالتی اٹھی کمبل ایک طرف ہٹایا تو دھک سے رہ گئی، اسید جاگ رہا تھا اور ہاتھ میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا، وہ نظریں چراتی ہوئی پانی پینے بڑھ گئی، واپس مڑی تھی جب اسید کی آواز کانوں میں گونجی۔

"ادھر آؤ۔" حبا کی ٹانگیں لرز اٹھیں، وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ آئی۔

"ادھر لیٹ جاؤ۔" اسید نے اپنے پہلو کی طرف اشارہ کیا، حبا کا سرخ چہرہ پل میں زرد پڑ گیا وہ اس کو نہ نہیں کہہ سکتی تھی، ورنہ اسے غصہ آ جاتا جو یقیناً بہت بھیانک طریقے سے اس پہ نکلتا اور وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اتنی نڈھال ہو رہی تھی کہ قطعاً اس پوزیشن میں نہ تھی کہ اس کی جارحیت برداشت کر پاتی، البتہ اس وقت اس کا ارادہ کیا تھا، وہ جان نہیں

سکی تھی۔
"سنا نہیں تم نے۔" اسید نے بلند آواز میں کہتے ہوئے اس کے لئے لحاف اٹھا کر جگہ بنائی تھی، حبا کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا، اس نے قدم آگے بڑھایا اور لیٹ گئی، اگلے ہی پل اسید نے کروٹ لیتے ہوئے لحاف برابر کر دیا، حبا کا دل کسی پاتال میں گرنے لگا، اس کا ارادہ کیا تھا وہ جان چکی تھی، وہ اسے اذیت دینا چاہتا تھا، ایسا کون سا پہلی بار ہو رہا تھا، اس سے پہلے بھی وہ ایسا ہی کرتا رہا تھا، اسے اپنے پاس بلاتا، اسے جی بھر کے نوچتا کھسوٹتا اور جب دل بھر جاتا تو اسے کسی دھتکارے ہوئے جانور کی طرح پرے دھکا دے دیتا تھا۔
"اسید، پلیز میں ٹھیک نہیں ہوں۔" اس کے کپکپاتے لبوں سے ایک سسکی آزاد ہوئی تھی جواباً اسید نے کچھ کہنے کی بجائے سگریٹ لبوں میں دبایا اور دائیں ہاتھ سے اس کا ماتھا چھوا پھر گال اور پھر گردن، وہ واقعی آگ کی مانند جھلس رہی تھی۔
"واقعی بہت آگ ہے تمہارے اندر، اسے ٹھنڈا کر دوں؟" اس کا لہجہ خونی تھا، حبا کا تنفس تیز ہو گیا اور آنکھیں پھیل گئیں۔
اسید نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا اور دھواں اس کے چہرے پہ چھوڑ دیا، وہ بری طرح کھانسنے لگی، دونوں ہاتھ منہ پہ رکھے، آنکھوں سے نکلتے پانی کو روکنے میں ناکام رہی تھی جبھی ہاتھ ہٹا لئے، اس کا سانس بری طرح بگڑ گیا، اس نے زور زور سے سینے پہ ہاتھ مسلتے ہوئے رحم کی آس میں اس کی طرف دیکھا تھا۔
"پانی، اللہ کے واسطے تھوڑا پانی۔" وہ زور زور سے رو رہی تھی اور بمشکل بول پا رہی تھی، اسید بڑے سکون سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا یوں بھی یہ منظر اس کی تسکین کا سامان تھا اس نے حبا پر سے نظر ہٹائے بغیر ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا گلاس اٹھایا اور اسے پکڑانے کی بجائے اس کے چہرے پہ الٹ دیا، یخ بستہ پانی اس کا چہرہ بھگوتا ہوا اطراف میں بہہ گیا، وہ چند لمحے کے لئے سناٹے میں آ گئی تھی، پھر لرزتے ہوئے ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے۔
"اللہ کا واسطہ مجھے معاف کر دو، میں بیمار ہوں اسید، مجھ سے سہا نہیں جا رہا، مجھ پہ رحم کرو، مجھ پر ترس کھاؤ، صرف آج مجھے جانے دو، تمہیں تمہاری ماں کا واسطہ۔" وہ کربناک آواز میں بولی تھی، اسید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے بہرہ ہو گیا ہو، حبا کو یاد آیا ایسی حیوانی چمک اس نے اسید کے چہرے پہ کب دیکھی تھی جب آج سے دس سال پہلے اسید نے اس کے ہاتھ گرم چائے سے جلا دیئے تھے اور اسے سیڑھیوں سے دھکا دے دیا تھا۔
"میں مر جاؤں گی۔" اس نے جیسے سرگوشی کی تھی۔
"کاش۔" وہ یوں بولا جیسے کہہ رہا ہو مر کے دکھاؤ۔
"کاش تم مر جاتیں حبا تیمور! تم جیسی بدکردار عورت نے مجھے تو تباہ کر ہی دیا پتا نہیں اور کتنوں کو کرو گی۔" اس کے لہجے کا زہر حبا کی رگ رگ میں اتر گیا، ہاں اس نے بہتان لگایا تھا مگر وہ اس کی سزا بھگت چکی تھی، اسید کا لیدر بیلٹ پتا نہیں کتنی بار اس کی کھال ادھیڑ چکا تھا اور 80 کوڑوں کی سزا پتا نہیں کتنی بار دہرائی جا چکی تھی، مگر پھر بھی وہ معطون و معضوب تھی۔
"اور اگر میں مر جاؤں اسید تو تم مجھے

اپنے ہاتھوں سے دفن کرو گے نا؟" وہ بہت عجیب سے لہجے میں پوچھ رہی تھی، اس کے آنسو ٹھہر گئے تھے۔
"نہیں میں تمہیں راوی کے پل پہ پھینک دوں گا جہاں سے گزرنے والی گاڑیاں تمہارے اس بدبودار غلیظ اور نجس وجود کو سینکڑوں ٹکڑوں میں بدل دیں گے، تمہارے اس بدصورت چہرے کو ناقابل شناخت بنا دیں گیں۔" اس کے لبوں سے نکلتے الفاظ کسی تیزاب کی مانند اس کو جلا گئے، اس نے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے، اس کے اندر اس پل مرنے کی خواہش بہت شدید ہو رہی تھی، اس نے مزاحمت ترک کر دی اور پھر، کمرے کی دیواریں تنگ پڑنے لگیں اور نیچی چھت اس پہ گرنے لگی، وہ بے جان کھلونے کی مانند اس کے وجود سے کھیلتا رہا اور پھر ہمیشہ کی طرح بے زار ہو کر اسے پرے دھکیل دیا اور خود کروٹ لے کے سو گیا۔
وہ روم روم سے ابلتے درد کے ساتھ اٹھی اور دیوار کا سہارا لے کر لڑکھڑاتی ہوئی بیسن کے آگے لگے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، بکھرے بالوں والی اور سوجی متورم آنکھیں لئے زخم زخم وجود کے ساتھ یہ حبا تیمور پتا نہیں کون تھی۔
"بدکردار، ناپاک، نجس، غلیظ۔" گالیاں سنگریزوں کی صورت اس پہ برسنے لگیں اور وہ لہولہان ہونے لگی اور کمرے کی ہر بے جان شے اسے بدصورت پکارنے لگی۔
"جینے کا کوئی حق میرے پاس نہیں، مگر مرنے کا حق میرے پاس ہے۔" اس نے جنونی کیفیت میں اسید کا شیونگ ریزر اٹھایا اور بلیڈ نکال لیا، اگلے ہی پل دائیں ہاتھ سے اسے مضبوطی سے پکڑا اور بائیں کلائی پہ پھیر دیا، سرخ سرخ خون کی ایک دھار چھوٹی، وہ تو پہلے ہی دیوار کے سہارے کھڑی تھی اب جھٹکے سے نیچے گری، بایاں ہاتھ سامنے گرا اور خون ایک لمبی لکیر بناتا بہنے لگا۔
حبا کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، وہ جانتی تھی اسید گہری نیند میں تھا اور جب تک وہ جاگے گا حبا ہمیشہ کے لئے سو چکی ہو گی، اس نے آخری بار ماما، پاپا کے چہرے تصور میں لانے کی۔

میری خواہشوں کا مزار ہے
یہ کیسا وصل یار ہے!

کوشش کی وہ ناکام رہی اس کے ذہن کے پردے پر بس ایک چہرہ ساکن تھا اور وہ چہرہ اسید کا چہرہ تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر حیدر نے ستارہ کے آگے ایک فائل کھسکائی اور خود بھی اپنے آگے پڑی فائل کھول لی۔
"میں چاہتا ہوں مس ستارہ، اس کیس کو میرے ساتھ آپ ہینڈل کریں۔"
"ضرور سر، مجھے فیلڈ ورک کر کے دلی خوشی ہو گی مگر مجھے کرنا کیا ہو گا؟" وہ مسکرائی۔
"آپ کو اس ایس پی کی وائف سے ملنا ہو گا، ان سے ڈسکشنز کریں، خاص طور پر دونوں کی ذاتی زندگی کے بارے، یہ پتا لگانے کی کوشش کریں کہ آخر ایسا کیا ہوا ہے ان کی زندگی میں؟ اور یہ سب اگلوانے کے لئے آپ کو ایک سائیکاٹرسٹ سے زیادہ خود کو ان کا دوست ثابت کرنا ہو گا کیونکہ بہرحال اتنے اعلیٰ عہدے پر فائز شخص کی وائف کوئی معمولی خاتون قطعاً نہیں ہوں گی اور میں ہرگز نہیں

چاہوں گا کہ وہ آپ کی اصل شناخت سے واقف ہوں۔'' وہ اسے بریف کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، سر آپ کی ہدایات یاد رکھوں گی میں، مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کے کیس کی Basics کیا ہیں؟''

''ڈونٹ وری، اس فائل میں سب کچھ موجود ہے، اس کو اچھی طرح اسٹڈی کریں اور پھر اپنا لائحہ عمل طے کیجئے۔''

''او کے آئی ول ٹرائے مائے بیسٹ۔''

''گڈ آپ یہ فائل لے جایئے۔'' ڈاکٹر حیدر نے کہا۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے فائل اٹھائی اور باہر نکل گئی، رات اس فائل کی اسٹڈی کرنے بیٹھی تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اس پہ۔

ایس پی نے سول سپرئیر سروس کے امتحان میں سیکنڈ پوزیشن لی تھی اور اپنی مرضی سے پولیس ڈیپارٹمنٹ منتخب کرنے کے بعد براہ راست ایس پی کے عہدے پہ فائز ہو کر آیا تھا، اس کا سروس ریکارڈ بے حد شاندار تھا، وہ ملک دشمن عناصر کے لئے موت کا فرشتہ تھا، مجرموں کے ساتھ بے حد ظالم، سنگدل اور سفاک تھا، جو بھی اس کے شکنجے میں آیا بچ کر نہیں نکلا، دو ناجائز اسلحہ ڈیلرز کے اڈوں پر جب ریڈ کیا گیا تو انہوں نے پکڑے جانے کے خوف سے خودکشی کر لی تھی، وہ اپنے سینئرز کا بہت چہیتا تھا اور بہت سے کیس صرف اسی وجہ سے اسے ریفر کیے گئے تھے۔

Maritial state میں اس کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے اور وہ ایک بیٹی کا باپ تھا۔

ستارہ نے ایک طویل سانس لے کر فائل بند کر دی، وہ بے حد حیران تھی ایک بے حد ہینڈسم اور چارمنگ پرسنالٹی رکھنے والا یہ شخص جس کا کیرئیر عروج پہ تھا کیسے ایک نفسیاتی عارضے کا شکار ہو گیا تھا، یہ دنیا عجائبات کا گھر ہے، اس نے سوچا اس کی اپنی کہانی کیا کم عجیب تھی، کوئی سنتا تو مانتا ہی نہ، اسے پھر سے کوئی یاد آیا تھا، وہ فائل لے کر اٹھی اور اسے احتیاط سے دراز میں رکھ دیا، اسی دم عینی نے اندر قدم رکھا، وہ شاپروں سے لدی پھندی تھی، اس کی شادی کے دن قریب تھے جبھی روز مارکیٹس کھنگالی جاتیں۔

''عینی! اتنا کچھ کیا خرید لاتی ہو؟'' وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں اپنی ڈاکٹری سے فرصت ملے تب نا۔'' وہ جل کر بولی، ستارہ ہنس پڑی۔

''اچھا دکھاؤ تو۔''

''وہ تو دکھا ہی دوں گی، مگر تمہیں ذرا بھی یاد ہے کہ تمہاری بہن کی شادی ہے اور بجائے تم میری مدد کرنے کے، الٹا تمہارے ڈریسز کی شاپنگ بھی مجھے ہی کرنا پڑ رہی ہے، حد ہے نا۔'' وہ شاپروں میں سے چیزیں نکال رہی تھی۔

''سوری پیاری بہنا، تم فکر مت کرو، تمہارے لئے میں پورے ایک ہفتے کی چھٹی لوں گی۔'' ستارہ نے اسے بہلایا۔

عینی خوش خوش اسے شاپنگ دکھانے لگی، ستارہ بظاہر تو مگن تھی مگر در پردہ اس کا دھیان اب بھی ایس پی کیس کی طرف تھا۔

☆☆☆

لاؤنج میں سبین، کومل اور علینہ بیٹھی تھیں، رمشہ ریڈیو گئی ہوئی تھی، جب شاہ بخت قدرے بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ نیچے آیا۔

''کیا تم سب بہری ہو، کب سے فون بج رہا ہے۔'' اس نے بلند آواز میں کہا، وہ تینوں چونک کر متوجہ ہوئیں اور ساتھ ہی شرمندہ بھی کیونکہ ٹی وی چل رہا تھا جبھی کسی کو بھی پتا نہیں چل سکا تھا کچھ وہ بری طرح باتوں میں مصروف تھیں، جبکہ شاہ بخت نے ناگواری سے فون اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' اس نے کہا، پھر دوسری طرف سے بات سنتا رہا، پھر اس نے فون ایک طرف ڈال دیا۔

''علینہ تمہارا فون ہے۔'' علینہ بے ساختہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

''میرا فون؟''

''کوئی علشبہ ہے۔'' وہ سرسری انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا، علینہ نے الجھتے ہوئے فون اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' اس نے کہا۔

''کیسی ہو لینا؟'' ایک نرم اور مہربان آواز اس کے کانوں میں پڑی، وہ جیسے سکتے میں چلی گئی، حیدر؟

''پریشان مت ہو، میں نے ہی علشبہ سے فون کروایا ہے۔'' حیدر نے اسے تسلی دی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں اور تم۔'' وہ بدقت بول پائی۔

''فائن، تم سناؤ سب کیسا جا رہا ہے، فون شاہ بخت نے اٹھایا تھا نا؟'' وہ مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔'' علینہ نے ایک طویل سانس بھری، ظاہر ہے اس دن وہ اور مصعب، شاہ بخت سے مل چکے تھے۔

''فون کیسے کیا؟'' اس نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

حیدر چند لمحے خاموش رہا، شاید اسے اس سوال کی توقع نہ تھی۔

''تمہاری خیریت جاننے کے لئے۔'' کچھ توقف کے بعد وہ آہستگی سے بولا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، دوبارہ زحمت مت کرنا۔'' اس بار لہجہ سرد تھا۔

''تم ناراض ہو؟'' حیدر ٹھٹک گیا۔

''نہیں کیونکہ ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''تو تم اس طرح بات کیوں کر رہی ہو علینہ، ہم اچھے دوست ہیں۔'' وہ الجھ کر کہہ رہا تھا۔

''ہم اچھے دوست تھے۔'' علینہ نے تصحیح کی۔

''پھر بھی، تمہارے اس رویے سے میں کیا سمجھوں۔'' وہ افسردہ ہوا۔

''یہی کہ دوستی کی یہ گاڑی مزید نہیں چل سکتی۔'' اس کا انداز اب بھی دوٹوک تھا۔

''علینہ!'' وہ جیسے ساکت رہ گیا۔

''میں نے بہلاوؤں سے بہلنا چھوڑ دیا ہے، امید کرتی ہوں تم میری بات سمجھ جاؤ۔'' اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا، کنپٹیاں جیسے سلگ رہی تھیں، شاہ بخت اب کومل کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا، جبکہ سبین وہاں نہیں تھیں، غالباً کسی کام سے گئی تھیں، وہ بھی اٹھ گئی۔

''علینہ!'' شاہ بخت کی آواز پہ وہ رک گئی پھر مڑی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک کپ کافی۔'' وہ بڑے سکون سے

آرڈر کر کے کھڑا ہو گیا۔
"میرے کمرے میں دے جانا۔" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا، علینہ وہیں کھڑی اس کی پشت کو گھورتی رہی، وہ کیا کرنا چاہ رہا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر تھی، پھر سر جھٹک کر خود کو سنبھال کر مڑی اور کچن کی طرف بڑھ گئی، غائب دماغی سے کافی پھینٹ رہی تھی جب رمشہ اندر آئی، فریج سے بوتل نکالی اور وہیں کھڑے کھڑے پینے لگی۔
"علینہ کیا کر رہی ہو؟"
"شاہ بخت کی کافی بنا رہی ہوں۔" اس نے پلٹے بغیر جواب دیا۔
"اوہ اچھا۔" رمشہ نے معنی خیزی سے کہا اور باہر نکل گئی۔
وہ اپنے دھیان میں الجھی ہوئی تھی، غور نہ کر سکی کہ شاہ بخت کی بات پہ وہ اس طرح معنی خیزی سے بات کیوں کر کے گئی تھی، اس نے کافی بنائی اور اس کے مخصوص خوب بڑے سے سیاہ مگ میں انڈیلی، شاہ بخت کی طرح اس کی استعمال میں آنے والی چیزیں بھی خاص تھیں، جیسے اس کا یہ مخصوص سیاہ مگ، اسے سیاہ اور سرخ رنگ پسند تھے اور اس کے پاس موجود چیزوں میں ان دو رنگوں کی کثرت تھی جبکہ علینہ کو اس کے برعکس سفید اور گلابی رنگ پسند تھے۔
مزاج کا یہ نمایاں فرق رنگوں کے انتخاب سے ہی نظر آتا تھا، اس نے مگ ٹرے میں رکھا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی، راستے میں سیمین بھابھی ملیں۔
"کہاں جا رہی ہو؟ اور یہ کافی؟"
"شاہ بخت کی ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا البتہ اندر ہی اندر جلا پڑی تھی، یوں لگتا تھا سب کو ساری پوچھ پڑتال آج ہی کرنا ہے، اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تو اس کی آواز آئی۔
"دروازہ کھلا ہے۔"
وہ کچھ اور سٹپٹائی کہ ہمیشہ کی طرح اس کا جواب یس کی بجائے آج مختلف تھا، وہ اس کے کمرے میں جانا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے اس جواب کا مطلب یہی تھا کہ اندر جانا پڑے گا، ناچار اس نے قدم اندر کی طرف بڑھا دیئے۔
دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو باتھ کا دروازہ ٹھک سے بند ہونے کی آواز آئی، اس نے اطمینان بھرا سانس لیا یقیناً وہ شاور لے رہا تھا، اس نے مگ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور پرچ سے ڈھک دیا، واپس مڑی ہی تھی جب نظر اس کے کمپیوٹر ٹیبل پہ پڑے بلکہ بکھرے انبار پہ پڑی، فائلز، کاغذات اور وہ میگزین جو اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا، نیچے دبے ہونے کی وجہ سے علینہ بس اس کا معمولی سا حصہ ہی دیکھ پائی تھی جس پہ شاہ بخت کی فوٹو نظر آ رہی تھی، اس نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے ساختہ وہ میگزین کھینچا اور پورے ٹائٹل پہ نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی، وہاں ایک شاندار کپل شوٹ کی پہلی شاہکار تصویر نظر آ رہی تھی، بلیک تھری پیس میں شاہ بخت اپنی ماڈل کے ساتھ کھڑا تھا اور ساتھ ہی بڑا سا کیپشن لگا تھا۔
The new face of the year, mr, shaw bahkat with nanci malkum یہ امریکہ کا بڑا مشہور ویکلی میگزین تھا۔
علینہ کا تجسس اپنے عروج پہ پہنچ گیا اس نے تیزی سے اگلا صفحہ الٹنا چاہا مگر اسی تیزی سے اسکی کلائی کسی کی مضبوط گرفت میں آ گئی، وہ شاہ بخت تھا علینہ کا رنگ اڑ گیا، اس نے ایک لفظ کہے بغیر وہ میگزین اس سے چھینا اور میز کے دراز میں ڈال دیا، علینہ کی کلائی ابھی تک اس نے جکڑی ہوئی تھی، اب وہ اس کی طرف پلٹا، علینہ نے نظر چرا لی وہ بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"So, princess alina! where are your manners and moral values?" اس کے چبھتے سوال پہ وہ کچھ اور شرمندہ ہوئی۔
"I am sorry i was just curious" اس نے وضاحت دینا چاہی، مگر شاہ بخت نے اس کی بات کاٹی۔
"Stop it just for the sack of your curiosity you were checking my personals" اس نے تڑپ کر کہا تھا ساتھ ہی اس کی کلائی کو جھٹکا دیا، وہ ہل کر رہ گئی۔
"Im extremely sorry pleace let me go" وہ بے حد شرمندہ لگ رہی تھی، شاہ بخت نے اس کی کلائی چھوڑ دی، علینہ نے ڈرتے ڈرتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا جو کہ بھیگا ہوا تھا، یقیناً وہ بس منہ دھونے گیا تھا جبکہ علینہ نے اپنی غلط فہمی میں سمجھا کہ شاید وہ شاور لینے گیا تھا اور اپنی لاپرواہی سے اب وہ بڑی طرح شرمندہ تھی، وہ اب آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا علینہ نے عافیت اسی میں سمجھی کہ بھاگ نکلے، لعنت ہو اس تجسس پہ۔
اپنے کمرے میں آ کر کتنی ہی دیر وہ سوچتی رہی، کلائی جیسے جل رہی تھی، مگر آخر اس میگزین میں ایسا کیا تھا، جو اس نے یوں ری ایکٹ کیا اس سے پہلے بھی تو وہ اس کے شوٹس دیکھتے رہتے تھے۔
☆☆☆
تیمور احمد کو کسی اہم سیمینار کے سلسلے میں لاہور آنا تا، مرینہ بھی آنا چاہتی تھیں مگر اس میں دو رکاوٹیں حائل تھیں، ایک یہ کہ تیمور کو ٹور بس ایک دن کا تھا، انہیں فوراً واپس اسلام آباد آنا تھا، دوسرے یہ کہ کئی ماہ گزر چکے تھے اور اسد کی سر توڑ کوششوں کے باوجود وہ حبا اور اسید کا پتا نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔
سوان کا آنا بے کار ہی تھا، دوسری طرف اسد اب از حد تشویش میں مبتلا تھا، وہ اسید کو جانتا تھا سمجھتا تھا ایسا اسے لگتا تھا مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر بے خبر و بے وقوف تھا، اسید کو تو وہ سرے سے سمجھ ہی نہ پایا تھا، اس کی یوں حبا کو لے کر پراسرار روپوشی اور اسد کی جاں توڑ محنت کے باوجود بھی اسے ڈھونڈنے میں ناکامی نے اسے خطرناک حد تک خوفزدہ کر دیا تھا، آخر یوں کرنے کا مطلب کیا تھا۔
تیمور اور مرینہ کی تشویش کا تو تذکرہ ہی کیا، کتنی بار مرینہ ہاسپٹلائز ہو چکی تھیں، ٹینشن لینے سے ان کا بی پی شوٹ کر جاتا تھا اور اب تو ان کے معالج نے انہیں وارننگ دے دی تھی کہ اگر انہوں نے اپنا بی پی نارمل رکھنے کے اقدامات نہ کیے اور ٹینشن لینا نہ چھوڑا تو انہیں ہارٹ پرابلم بھی ہو سکتی تھی۔
تیمور دہری مصیبت میں تھے ایک حبا کی گمشدگی اور دوسرے مرینہ کی بیماری، وہ جیسے

چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے، اس وقت بھی وہ اسد کے سامنے بیٹھے تھے۔

''میں اتنا پریشان ہوں انکل کہ بتا نہیں سکتا، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ لاہور میں ہے ہی نہیں، ورنہ اب تک میں اسے ڈھونڈ چکا ہوتا۔'' اسد نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اسد! مگر تم اس کے دوستوں سے پوچھو، ذرا دوستانہ ماحول میں، کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں وہ کسی کی مدد کے بغیر ادھر سٹ ہو سکتا۔'' تیمور نے دوٹوک کہا۔

''شاید آپ کی بات ٹھیک ہو انکل! مگر اس کے ادھر کوئی خاص دوست نہیں ہیں میرے توسط سے چند شناسا تھے، ان سے میں آل ریڈی معلومات لے چکا ہوں وہ قطعاً بے خبر ہیں۔'' اسد نے کہا۔

''ہو سکتا ہے اس نے انہیں پابند کر دیا ہو۔''

''یہ ممکن نہیں ہے اور آپ ایک بات بھول رہے ہیں انکل! اسید یہاں بچپن سے آ رہا ہے لاہور اس کے لئے قطعاً اجنبی نہیں ہے، اسے اگر یہاں کہیں ایڈجسٹ ہونا ہے تو اسے میری مدد کی بھی ضرورت نہیں پڑ سکتی۔'' اسد نے ان کی خوش فہمی دور کی، تیمور کچھ مزید متفکر ہو گئے۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، اسد بیٹا! پلیز آپ کچھ کرو، اس بار بھی میں ناکام لوٹا تو شاید مرینہ برداشت نہ کر پائیں۔''

''میں کوشش کرتا ہوں انکل کہ کوئی حل نکل آئے۔''

کچھ دیر مزید اسی موضوع پہ گفتگو کرنے کے بعد وہ دونوں اٹھ گئے، تیمور احمد نے اپنے سیمینار میں شرکت کی اور واپس جانا چاہتے تھے یہاں سے انہیں عمر کے ہاں (مرینہ کے بھائی) کی طرف جانا تھا، جہاں سے ڈنر کے بعد رات دس بجے کے قریب ان کی فلائٹ تھی۔

مگر سوئے اتفاق انہیں سیمینار روم سے باہر آتے ہوئے اسی ہوٹل کی لابی میں اپنے ایک پرانے دوست مل گئے، یہ ڈاکٹر سلطان تھے، وہ اسی ہوٹل کے ہال میں آ گئے، چائے پینے کے ساتھ ڈھیروں باتیں ہوتی رہیں۔

''تمہاری ایک ہی بیٹی تھی تیمور! کیسی ہے وہ، پڑھ رہی ہے۔'' سلطان نے یاد آنے پہ پوچھا۔

''ہاں شادی کر دی اس کی۔'' وہ سنبھل کر بولے۔

''بہت اچھی بات ہے مبارک ہو، یہاں پاس میں ہی میرا کلینک ہے، آؤ تمہیں دکھاؤں۔''

''تم پریکٹس نہیں کرتے؟''

''ہاں کرتا ہوں، صبح کو گورنمنٹ جاب پہ ہوتا ہوں، شام کو اپنے کلینک پہ، چھوٹا سا ہے، صرف پانچ رومز میں، تمہیں تو پتا ہے زیادہ بھیڑ بھاڑ مجھے پسند نہیں۔'' وہ دونوں ساتھ چلتے باہر آ گئے۔

''یہ تو اچھی بات ہے، باقی سب ٹھیک ہے؟''

''ہاں، اللہ کا شکر ہے۔''

ڈاکٹر سلطان انہیں لے کر اپنے کلینک میں آ گئے، تیمور احمد بھی ان کی کمپنی انجوائے کر رہے تھے اور کچھ دیر کے لئے ان کے ذہن سے اپنی پریشانی بھی نکل گئی تھی، وہ ان کے کلینک کا راؤنڈ لے رہے تھے۔

''بیٹی کی شادی کہاں کی تیمور؟''

تک لاہور میں۔

''اوہ یہ تو خوشی کی بات ہے، فیملی میں کی؟''

''نہیں بس آج کل کے بچوں کی پسند، ماننا پڑتی ہے سلطان۔'' ان کے اندر تھکن اترنے لگی، ڈاکٹر سلطان نے ذرا چونک کر انہیں دیکھا۔

''ہاں بچوں کی پسند کو ترجیح دینا پڑتی ہے تیمور، وقت بدل گیا ہے لیکن میرے خیال سے بہتر بھی یہی ہے کہ آخر انہیں زندگی گزارنا ہے کل کو ہمارے بچے ہمیں یہ الزام نہیں دے سکتے کہ بھئی آپ کی وجہ سے ہمارے ساتھ یہ ہو گیا۔'' انہوں نے مسکرا کر بات کا تاثر بدلا تھا۔

تیمور ہنکارا بھر کر رہ گئے، کچھ دیر بعد وہ دونوں ان کے آفس میں آ گئے، چائے کا ایک اور دور چلا تھا، وہ باتوں میں مصروف تھے جب دھاڑ سے ایک نرس دروازہ کھول کر اندر آئی۔

''سر! روم نمبر تین کی پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے اور ان کی ذہنی حالت پہلے ہی درست نہیں ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اوہ، میں آ رہا ہوں۔'' ڈاکٹر سلطان فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

منظر ڈاکٹر حیدر کے کلینک کا تھا۔

''سر! میں دو دفعہ جا چکی ہوں مگر مجھے ان کی وائف نہیں ملیں، وہ پٹھان چوکیدار اور گارڈز بس یہی بتاتے ہیں ''بی بی ایدر نہیں اے'' ستارہ نے ان کے انداز میں بتایا تو حیدر ہنس پڑا۔

''آپ کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے تھا کہ ایس پی صاحب کی موجودگی میں آپ قطعاً وہاں نہ جائیں کیونکہ وہ آپ کو جانتے ہیں۔''

''سر! میں نے اس بات کا پورا دھیان رکھا تھا۔''

''تو ٹھیک ہے پھر ہم انتظار کرتے ہیں کہ وہ واپس آ جائیں۔''

''بالکل، تبھی ہم کچھ پیشرفت کر سکیں گے، سر! وہ مجھے ایک ویک کی چھٹی چاہیے۔'' ستارہ نے کسی قدر ہچکچا کر کہا۔

''خیریت؟'' وہ چونکا۔

''جی سر وہ میری بہن کی شادی ہے۔'' ستارہ نے شادی کارڈ اور درخواست ایک ساتھ اس کے سامنے رکھے، حیدر ان کا معائنہ کر کے ہنس پڑا۔

''یہ ایپلیکیشن کے ساتھ انویٹیشن؟ آپ مجھے رشوت دے رہی ہیں؟''

''ارے نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں مجھے دلی خوشی ہو گی آپ ضرور تشریف لائیے گا۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔

''ضرور میں پوری کوشش کروں گا آنے کی۔''

''اپنی فیملی کو بھی لائیے گا سر!''

''چلیں ٹھیک ہے، اب آپ نے فیملی انویٹیشن دے دیا ہے تو آپ کی چھٹی Approv کرنا ہی پڑے گی۔'' وہ پھر سے ہنسا اس بار ستارہ بھی ہنسی تھی، حیدر نے قلم اٹھایا اور ستارہ کی درخواست پہ سائن کرنے لگا۔

حیدر کے ساتھ علشبہ اور ممی تو جا رہی تھیں مگر مصعب بھی تھا، آج بارات تھی۔

''ویسے پرسنلی مجھے بہت برا فیل ہو رہا ہے، تمہاری اسسٹنٹ نے مجھے انوائٹ نہیں

کیا، تو پھر میں مفت میں بن بلایا مہمان بن رہا ہوں۔'' معصب نے کسی قدر جھجکاہٹ کے ساتھ کہا۔

''اوہ...... ہو...... آپ اتنے کانشس کیوں ہو رہے ہیں، انہوں نے ود فیملی کہا ہے جناب اور آپ بھی ہماری فیملی کا حصہ ہیں، ویسے بھی مجھے یقین ہے اتنے حسین و جمیل بندے کو دیکھ کر کوئی بھی مجھ سے سوال نہیں کرے گا الٹا سب خوش ہوں گے کہ واہ یار بالکل فارنر ہے۔'' حیدر نے تسلی کروانے کے ساتھ ساتھ مذاق اڑایا، معصب نے اسے گھورا۔

''تم مجھے اپنے ساتھ نمونے کے طور پر لے جا رہے ہو؟''

''نہیں عجوبے کے طور پر۔'' حیدر کی بے ساختہ بات پہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''سمجھ لوں گا تمہیں۔'' معصب نے منہ پہ ہاتھ پھیر کر بدلہ لینے کی نوید دی تو حیدر کا قہقہہ چھوٹا۔

''ذرا اس کے بلند و بانگ قہقہے دیکھو علشبہ! کوئی مانے گا یہ سائیکاٹرسٹ ہے، پورے جوکر ہو حیدر۔'' معصب نے فوراً ہی لتاڑا تھا اسے، وہ سب گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''تو آپ کا مطلب ہے میں اپنے کلینک میں ایک کھوپڑی اور نیچے دو ہڈیاں لگا کے سجا لوں ساتھ لکھ دوں خطرہ 440 والٹ، تب سائیکاٹرسٹ لگوں گا؟ توبہ ہے بھائی، میں دوسرے لوگوں کو نارمل کرتا ہوں، اللہ کے فضل سے خود کو بالکل ٹھیک ہوں۔'' حیدر نے دفاعیہ انداز میں کہا۔

اس بار ہنسنے کی باری معصب کی تھی، اسی نوک جھوک میں وہ میرج ہال میں پہنچ گئے، ممی نے حیدر سے دینے دلانے کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ ازلی لاپرواہی سے ہنس کے ٹال گیا کہ یہ سراسر خواتین کے شعبہ ہے، ممی کا خیال تھا کہ ستارہ کی ساری فیملی کے کپڑے اور ساتھ سلامی وے دی جائے، مگر حیدر کی لاعلمی پہ وہ سر پیٹ کر رہ گئیں، انہوں نے کتنی بار اس کی منتیں کی تھیں۔

''حیدر چاند! ذرا اس سے فون کر کے پوچھو کہ اس کے گھر کے افراد کتنے ہیں؟'' جواباً وہ ان پر چڑھ دوڑا۔

''بالکل نہیں، میں کیا اچھا لگوں گا ان سے یہ دریافت ہوا کہ آپ کے گھر کے افراد کتنے ہیں میری ممی نے شاپنگ کرنا ہے، حد ہے، آپ رہنے دیں، کچھ دوسرے تکلفس وغیرہ لے لیں۔'' اس نے نیا آئیڈیا دیا تھا، مجبوراً انہیں سرنڈر کرنا پڑا۔

وہ میرج ہال پہنچے تو حیدر کی ستارہ فوراً ہی نظر آ گئی، وہ انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف لپکی تھی۔

''السلام علیکم سر!'' اس نے خوشی خوشی کہا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ؟'' وہ بھی مسکرایا۔

''الحمدللہ سر! آپ کا بہت شکریہ آپ تشریف لائے۔'' وہ ممنون ہوئی۔

''تکلفات کو چھوڑیے، یہ میری ممی ہیں، یہ علشبہ میری سسٹر اور ان سے آپ مل چکی ہیں معصب بھائی ہیں۔'' حیدر نے تعارف کروایا۔

ستارہ گرمجوشی سے ان سے ملی البتہ معصب سے نظر ملتے ہی گڑبڑا گئی، دل میں جھلائی تھی۔

''یہ یہاں کیوں آیا ہے؟''

''آئیے سر میں آپ کو اپنی فیملی سے ملواؤں۔'' وہ انہیں لے کر اماں ابا کی طرف چلی آئی، ماحول خاصا خوشگوار اور خوبصورت تھا سب آپس میں چہلیں کرنے میں مصروف تھے، ستارہ نے انہیں نشستوں پہ بٹھایا اور خود پھر کہیں مصروف ہو گئی۔

معصب کی نگاہ اس پہ ساکت رہی تھی، وہ آج اس دن سے یکسر مختلف لگ رہی تھی، اس دن تو کتنی سادہ سی تھی، جبکہ آج وہ کامدار لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں تھی، ہلکا سا میک اپ کیا گیا تھا کانوں میں ننھے ننھے آویزے نظر آ رہے تھے اور اس کے بال، جنہیں دیکھ کر معصب تو جیسے پاگل سا ہو اٹھا تھا، چوٹی کی شکل میں باندھے گئے تھے اور وہ اس کی لانگ شرٹ کے ساتھ ہی ختم ہو رہے تھے، اتنے لمبے بال اور اتنے خوبصورت، معصب بہت دیر اس کے بالوں کو دیکھتا رہا، کھانا شروع ہوا تو وہ کمپنی دینے کے خیال سے پھر ان کے پاس آ بیٹھی۔

''آپ کی بڑی سسٹر کی شادی ہے؟ آپ سب سے چھوٹی ہیں؟'' حیدر نے دریافت کیا۔

''نہیں سر! عینی مجھ سے چھوٹی ہے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ تو ان کی شادی پہلے ہو رہی ہے، تو آپ کی کیوں نہیں؟'' حیدر نے سوال کیا پھر فوراً ہی شرمندہ ہو گیا۔

''معاف کیجئے گا مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

''ارے نہیں سر، ایسی کوئی بات نہیں، مجھے ڈائیورس ہو چکی ہے۔'' اس نے بڑے مان سے کہا اور اٹھ گئی۔

''میں عینی کو دیکھوں، برائیڈل روم میں بیٹھ بیٹھ کے تھک نہ گئی ہو۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

''ڈائیورس؟'' حیدر زیر لب بڑبڑایا، اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اسید بہت گہری نیند میں تھا، گہری اور پرسکون نیند، اس نے بے خبری میں کروٹ لی اور ہاتھ بے ساختہ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے شیشے کے گلاس پہ جا پڑا، شیشے کا گلاس تھا زور دار آواز کے ساتھ نیچے گرا اور چھناک سے چکنا چور ہو گیا، اسید کی آنکھیں کھل گئیں، وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا، ٹوٹے گلاس کی کرچیوں پر نظر پڑی تو ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اس نے پھر سے لیٹنا چاہا مگر نظر ایک دم سے سامنے پڑی اور پھر واپس نہ آ سکی، اسے شبہ ہوا کہ شاید وہ اپنے حواس میں نہیں تھا، مگر کمرے کی لائٹ تو جل رہی تھی، اسے یقین کرنا پڑا کہ سامنے نظر آتا منظر حقیقت تھا، اس کے کسی خواب کا شاخسانہ نہیں تھا، اگلے ہی لمحے اسے جیسے کرنٹ لگا، وہ برق رفتاری سے آگے بڑھا، یہ کمرہ اتنا بڑا تو تھا نہیں کہ اسے پہنچنے میں وقت لگتا۔

سامنے ہی بیسن کے قریب حباز مین پہ بے ترتیب سی پڑی ہوئی تھی اس کی بائیں کلائی سامنے تھی اور اس سے رسنے والا خون اب ایک گول دائرے کی صورت میں جمع ہو کر ایک ننھے سے تالاب کا منظر پیش کر رہا تھا۔

اسید وحشت زدہ سا ہو کر اس کے قریب گھٹنوں کے بل جھک گیا، اس کے پاس پڑا دوپٹہ اٹھایا اور کس کر اس کے بازو پہ باندھ دیا، اب وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر رہا تھا، اس

نے دروازہ کھولا اور پھر واپس اوپر آیا، اسے بازوؤں میں اٹھایا اور اسی رفتار سے باہر نکل آیا، اس نے دروازہ دوبارہ لاک کیا اور چلتا گیا، اس کے پاس کوئی ذاتی سواری تو تھی نہیں اور یہاں نزدیک کسی ٹیکسی کا ملنا محال تھا، بے بسی کے عالم میں اس کا دل چاہ رہا تھا وہ حبا کو سچ مچ کسی گاڑی کے آگے پھینکے اور خود ہاتھ جھاڑتا ہوا واپس چلا جائے، کتنے جتنوں سے وہ سب سے نزدیکی کلینک میں پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا یہ وہی جانتا تھا، رات کا آخری پہر، ویرانی اور بے بسی وخوف کا عالم، وہ جیسے کچھ اور بھی زہریلا ہو رہا تھا۔

ہمیشہ کی طرح کلینک انتظامیہ نے اسے خودکشی کیس قرار دے کر آپریٹ کرنے سے انکار کر دیا، اسید کا دل چاہ رہا تھا کسی دیوار سے سر دے مارے۔

''سر! پلیز میری بات سنیں، یہ سائیکی کیس ہے، میں آپ کو اس کی رپورٹس دکھا دوں گا، پلیز آپ اسے ایڈمٹ کریں، یہ مر جائے گی ڈاکٹر پلیز، آپ جو ضمانت کہیں گے میں دینے کو تیار ہوں۔'' اس نے بڑے التجائیہ انداز میں ڈاکٹر کی منتیں کی تھیں۔

''دیکھو مسٹر! میں اسے ایڈمٹ کر رہا ہوں لیکن اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں قطعاً ذمہ دار نہیں ہوں گا، چلو ان فارمز پہ سائن کر دو۔''

اسید نے سر ہلاتے ہوئے تیزی سے قلم پکڑا اور سائن کر دیئے، چند سیکنڈز کے اندر حبا کو او ٹی لے جایا گیا، وہ بے چینی وغصے کے عالم میں ٹھنڈے کوریڈور میں چکراتا رہا، اس کا دماغ گرم ہو رہا تھا۔

لیکن وہ یہ ماننے پہ تیار نہیں تھا کہ اسے حبا کے اس خوفناک اور بولڈ قدم نے ڈرا دیا تھا، اس وقت تو صرف اس کے دل میں ڈھیر سارا غصہ جمع ہو رہا تھا جو کہ وہ اس پہ نکالنا چاہتا تھا۔

''میں تمہارا حشر کر دوں گا حبا تیمور! آخر تم نے کیا ثابت کرنا چاہا ہے؟'' اس کی نس نس میں انگارے دوڑ رہے تھے، جب ڈاکٹرز واپس آئے تو اسے اپنے آفس میں کال کیا تھا۔

''بیٹھو مسٹر......؟''

''اسید مصطفیٰ سر۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''ہوں کرتے کیا ہو؟'' انہوں نے اگلا سوال کیا۔

اسید کچھ الجھا، شاید وہ اس کی مالی حیثیت کا اندازہ لگانا چاہ رہے ہوں، اسید نے سوچا۔

''انگلش لیکچرار ہوں؟'' اس نے سنبھل کر کہا۔

''ہوں، ادب پڑھاتے ہو؟'' اسید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس لڑکی سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

''بیوی ہے میری۔'' اسید نے یوں کہا جیسے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا ہو۔

''بیوی ہے۔'' وہ بڑبڑائے پھر اسے بریف کرنے لگے۔

''اس کی حالت اب بہتر ہے، اس کا بلڈ بہت ضائع ہو گیا تھا وہ اسے دیا جا رہا ہے، لیکن اس کے تفصیلی طبی معائنے سے جو بات سامنے آئی ہے وہ بہت شاکنگ ہے۔'' اب انہوں نے اپنے سامنے پڑی فائل کھول لی۔

''یہ ڈاکٹر فرح کی رپورٹ ہے انہوں نے اس کا تفصیلی معائنہ کیا ہے۔'' وہ فائل میں

کلپڈ کاغذ کو نکال کر پڑھ رہے تھے۔

''اس پر بری طرح تشدد کیا گیا ہے اور کس قسم کا کیا گیا ہے یقیناً تم جانتے ہی ہو، آخر اس کے شوہر ہو، جہاں تک تمہاری رسائی ہے کسی اور کسی نہیں اور اس کے وجود کی سلطنت کو اجاڑنے والا تمہارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے مسٹر اسید! مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اگر چہ تم ادب کے استاد ہو مگر احساس تمہیں چھو کر نہیں گزرا۔'' وہ سرد مہری سے کہہ رہے تھے۔

''ڈونٹ مائنڈ ڈاکٹر! اٹس مائی پرسنل افیئر۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر اٹھ گیا۔

''شٹ اپ، تمہیں اندازہ ہی نہیں تم نے کیا کیا ہے؟ اگر وہ سائیکی پشنٹ ہے تب بھی اس درندگانہ سلوک کی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے اور میرے ساتھ اس طرح بات کر کے تم اپنی راہ کھوٹی مت کرو، میرے ایک فون پہ پولیس اور میڈیا یہاں ہو گا پھر میں دیکھوں گا کہ تمہارے پاس کتنے جوابات ہیں؟ اور کیا ثبوت ہیں اس بات کے کہ وہ نفسیاتی مریض ہے یہ بھی تم میڈیا کو دکھانا۔'' وہ اس کے گلے پڑ گئے، ضبط کی شدت سے اسید کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''آئم سوری ڈاکٹر! میرا مقصد آپ کو بے عزت کرنا نہیں تھا مگر میں واقعی اس معاملے کو ڈسکس کرنا نہیں چاہتا پلیز۔'' اس بار وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''ٹھیک ہے، مگر میں اسے کل ڈسچارج کر دوں گا، پھر تم جانو اور تمہارے پرسنلز۔'' وہ دوٹوک بولے۔

اسید سر ہلا کے باہر نکل گیا، وہ اس کے روم میں آیا تو وہ بیڈ پہ دراز تھی، آنکھیں بند، ایک ہاتھ پہ بینڈیج دوسرے پہ ڈرپ، ہاسپٹل کے مخصوص لباس میں گردن تک کمبل اوڑھے تھے، اسید نے ایک نظر کے جائزے کے بعد نظر پھیری اور ایک طرف پڑے کاؤچ پہ بیٹھ گیا، یہ خاصا لگژری کلینک تھا اور یقیناً اس کا بل بھی لمبا چوڑا بننے والا تھا، وہ طویل سانس لے کر کاؤچ پہ نیم دراز ہو گیا۔

اگلی صبح شروع ہونے میں صرف گھنٹہ ڈیڑھ ہی باقی تھا، وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا پھر اٹھا اور گھر کی طرف چلا گیا، اسے پتا تھا یہاں مریض کی دیکھ بھال کے لئے کسی گھر والے کا ہونا ضروری نہیں تھا، نرسز خود ہی سنبھال لیتی تھیں، جبھی وہ متعلقہ نرس کو بتا کر نکل آیا کہ اس کے بڑے ضروری لیکچررز تھے جو وہ کسی صورت میں اگنور نہیں کر سکتا تھا، اس نے اپنے استری شدہ کپڑے اٹھائے اور شاور لینے چلا گیا، بڑی تیزی سے تیار ہو کر وہ واپس آیا اور اپنے ضروری نوٹس اور فائل اٹھا کر باہر نکل آیا۔

کالج بھی اس کا دھیان حبا کی طرف اٹکا رہا، زہے قسمت آج مہینے کی آخری تاریخ ہونے کی وجہ سے ہاف ڈے تھا۔

وہ کالج سے باہر آیا تو بھوک محسوس ہوئی، اس نے بہتر سمجھا کہ پہلے کچھ کھا لیا جائے پھر ہاسپٹل چلا جائے۔

دوسری طرف حبا کو ہوش آ چکا تھا، پہلے تو اس کی تھکی ہوئی حیران سی نظر ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر جب شعور کی کشش جاگی تو تھرا کر رہ گئی، یہ ادراک کہ وہ بچ گئی تھی، یہ ہی اسے مار ڈالنے کو کافی تھا، کیا کیا نہ ستم ڈھائے گا اب وہ شقی القلب؟ وہ تو جو بھی کرے گا کم ہو گا کہ اس کا جرم ہی اتنا بڑا تھا، اپنے متوقع انجام کا

سوچتے ہی اس پر کپکپی سی طاری ہو گئی، اس نے وحشت زدگی کے عالم میں اپنی پٹیوں میں لپٹی کلائی کو دیکھا اور پھر زور زور سے رونے لگی، بے بس انسان کی آخری متاع بس آنسو ہی ہوتے ہیں شاید، ڈاکٹر فرح نے بہت چونک کر اسے دیکھا، اس کے لئے پشینٹ کا یہ ردعمل بہت حیران کن تھا۔

"ریلیکس بے بی! یو آر سیو، یو آ آلائیو۔" انہوں نے نرمی سے اسے تھپکا مگر اس کا رونا بتدریج کربناک ہوتا گیا، وہ کچھ بولے بغیر بس روتی جاتی تھی، جب کسی طرح بھی وہ چپ نہ ہوئی تو مجبوراً اسے ٹرینکولائز دے دیا گیا، وہ آہستہ آہستہ غنودگی میں جانے لگی، کوئی بے تاب سی سسکی اب بھی اس کے لبوں سے پھوٹ پڑتی، اس کے چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔

ڈاکٹر فرح...... سینئر ڈاکٹر سلطان کے سامنے بیٹھی تھیں۔

"سر! وہ لڑکی بالکل نارمل ہے جس طرح سے بے ساختہ وہ روئی ہے اس سے یوں دکھائی دیتا ہے وہ بہت خوفزدہ ہے، میں بالکل نہیں مان سکتی کہ وہ سائیکی پشینٹ ہے۔" ڈاکٹر فرح نے پورے واقعہ کی تفصیل بتانے کے بعد آخر میں کہا۔

"بہر حال معاملہ جو بھی ڈاکٹر فرح، ایک بات تو صاف ہے میں اس کیس کو قطعی لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، میں تو شاید یہ ٹریٹمنٹ بھی نہ کرتا مگر پتا نہیں کیوں مجھے اس بچی کی حالت پہ ترس آ گیا تھا، آج ویسے بھی اسے آج ڈسچارج کر دیا جائے گا۔" ڈاکٹر سلطان نے دوٹوک کہا۔

ڈاکٹر فرح سر ہلا کر اٹھ گئیں، جس وقت اسید وہاں آیا وہ ہنوز غنودگی میں تھی، وہ ڈاکٹر فرح کے پاس آ گیا اس کی حالت کے متعلق جاننے کے لئے۔

"وہ بہتر ہے، ویکنس ہے جو آہستہ آہستہ ہی ریکور ہو گی، تم یہ انجیکشنز لے آؤ اور کاؤنٹر پہ بل پے کر دو۔" ان کا موڈ روکھا تھا۔

اسید نے کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر ان کی بات سنی اور نسخہ تھام کر باہر نکل گیا، اسے دوبارہ ہوش آیا تو کمرے میں نیم تاریکی وحدت تھی، شاید سینٹرل ہیٹنگ سسٹم آن تھا، وہ چند لمحے ساکت پڑی رہی، اسے بے حد پیاس محسوس ہو رہی تھی، اس نے اٹھنا چاہا تو بے ساختہ کراہ نکل گئی، پاس بیٹھی نرس ہڑبڑا کر اٹھی، چٹ کی آواز گونجی اور کمرہ جگمگ کرنے لگا۔

"ویٹ آ ون منٹ میم۔" نرس اسے کہہ کر تیزی سے باہر بھاگی ڈاکٹر کو بلانے۔

حبا ساکت پڑی رہی، اس کی نظریں چھت پہ جمی تھیں، اس کے اختیار میں کچھ بھی نہ تھا، مرنا بھی نہیں، اس نے حسرت سے سوچا۔

"یہ زندگی تمہاری اپنی چوائس تھی حبا تیمور! پھر شکوہ کس بات کا؟" اس کے ضمیر نے اسے آئینہ دکھایا، یوں لگا جیسے زخموں پہ نمک چھڑکا گیا ہو، وہ گونگی ہو گئی، فرار ممکن نہیں ہوتا، نہ اپنے گناہوں سے نہ حرکتوں سے اور نہ ان عقل مندانہ فیصلوں سے جو ہم اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہوئے کرتے ہیں۔

اس نے بھی ایک فیصلہ کیا تھا اور اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہوئے کیا تھا اور اب ساری زندگی اس کا بھگتان بھگتنا تھا، درد قطرہ قطرہ اس کے اندر اترنے لگا۔

☆☆☆

"کوئی خاص پشینٹ ہے کیا؟" ان کے یوں افراتفری میں اٹھنے پہ تیمور نے انہیں پوچھا۔

"خاص نہیں، کریٹیکل کیس ہے، پتا نہیں کیسے مجبور ماں باپ ہیں جنہوں نے اپنی بچی اس بے حس اور ظالم انسان کے حوالے کر دی، خودکشی کا کیس ہے، مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ ایک Miss match شادی ہے، لڑکا خاصا ہینڈسم ہے اور وہ لڑکی بے چاری بس قبول صورت ہے، تیمور، ہم نے سفید رنگت، نیلی آنکھیں اور ستواں ناک کو ہی کیوں خوبصورتی کا معیار بنا لیا ہے؟ ہم دل کا سفر کیوں نہیں کرتے، ظاہر پہ کیوں مرتے ہیں ہم، اس بچی پر بری طرح تشدد کیا گیا ہے اور شاید شوہر کے ان مظالم سے تنگ آ کر اس نے خودکشی کی ہے، اسے صبح بھی ہوش آیا تھا، بے چاری بری طرح روتی رہی، کچھ بولتی بھی نہیں، پتا نہیں کتنا ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اسے۔" ڈاکٹر سلطان گہرے دکھ سے انہیں بتا رہے تھے، ساتھ چلتے تیمور نے بے دھیانی سے سب سنا۔

"آؤ تیمور! تم کو ملواؤں اس بچی سے، ویسے بھی اس کا وہ جلاد شوہر ادھر نہیں ہے ابھی۔" وہ انہیں لے کر روم نمبر تین میں چلے آئے۔

روم نمبر تین کا دروازہ کھلا اور آنے والوں کی نظر اس پہ پڑی اور پھر جیسے ایک دھماکا ہوا اور کمرے کی چھت اڑتی ہوئی ان پہ آ پڑی۔

انہوں نے اپنی زندگی کے خوفناک ترین لمحے میں بھی نہیں سوچا تھا کہ انہیں کبھی بھی حبا اس حال میں بیڈ پہ پڑی نظر آئے گی، ان کی آنکھیں جیسے پھٹ جانے کو تھیں، تو کیا یہ Miss match شادی حبا اسید کی تھی، ان کی آنکھوں میں جیسے ریت چبھنے لگی، مگر یہ مس میچ کیسے ہو سکتی تھی، حبا نے خود انہیں کئی بار بتایا تھا کہ وہ اسید کو نہیں چھوڑ سکتی، وہ دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے تو پھر کیا ہوا؟ تیمور نے کہا۔

"خوبصورت لوگ، بدصورت لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔" اور وہ کیسے لڑ پڑی تھی ان سے، اسید کے حق میں ڈھیروں ڈھیر دلائل دیئے تھے اس نے حبا نے کہا تھا۔

"آپ کو کیا پتا وہ کون ہے جس نے حبا کو زندگی کے احساس سے روشناس کروایا، آپ کو پتا ہے وہ کون تھا جس نے حبا کو شکل و صورت کے کمپلیکس سے نکالا، کیا آپ کو پتا ہے وہ کون ہوتا ہے جو روتی ہوئی حبا کو ہمیشہ ہنسا دیا کرتا ہے، کیا آپ جانتے ہیں میری پسند ناپسند کے بارے میں، وہ اسید ہے پاپا، وہ اسید ہے جس نے مجھے زندگی کے احساس سے روشناس کروایا، مجھے شکل و صورت کے کمپلیکس سے نکالا، جس نے مجھ جیسی بیک بینچر کو پوزیشن ہولڈر بنایا، وہ اسید ہے پاپا جس نے ہمیشہ میری زبان، میرے کردار اور میری سوچ کی حفاظت کی، جانتے کتنا ہیں آپ میرے اور اسید کے بارے میں۔" کتنے دعوے سے کہا تھا اس نے، کتنا یقین تھا اس کے لہجے میں اسید کے حوالے سے کتنا اعتماد۔

پھر اب کیا ہوا تھا؟ ان کے قدموں میں جیسے بھاری بیڑیاں آن پڑیں، وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔

"تو کیا وہ بے حس اور ظالم شوہر اسید تھا جس نے حبا پہ تشدد کیا تھا؟ اور وہ خودکشی؟" ان کا ذہن جیسے مفلوج ہو رہا تھا۔

''تیمور ادھر آؤ۔'' سلطان نے انہیں آواز دی، انہوں نے میکانکی انداز میں قدم آگے بڑھا دیئے، حبا کی آنکھیں بند تھیں اور قطرہ قطرہ آنسو اس کی بند آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''تو کیا اسید ٹھیک کہتا تھا۔'' ان کے ذہن میں مضبوط شک سرسرایا۔

''یہ سارا کچھ حبا کی یکطرفہ کاروائی تھی، اسید اس میں یکسر ملوث نہیں تھا اور اب وہ اسی بات کا بدلہ لے رہا ہے حبا سے۔'' ان کے اندر ایک دھندلا یقین اترنے لگا، وہ اس کے بیڈ کے قریب چیئر پر بیٹھ گئے، ڈاکٹر سلطان شاید ان سے کچھ کہہ رہے تھے مگر انہوں نے کچھ سنا نہیں اور جھک کر دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا، کتنا عزیز تھا انہیں یہ چہرہ، کتنا پیارا ان کے ذہن میں حبا کی پیدائش سے لے کر اب تک کے کئی مناظر گھومے۔

وہ بڑی پیاری، بی مودب سی بچی تھی، پڑھائی میں Nill تھی مگر اس میں کوئی بدتمیزانہ عادات نہ تھیں، طبیعت میں بالکل شوخی و شرارت نہ تھی، جدھر بٹھاؤ، بیٹھ جاتی، پھر ذرا بڑی ہوئی تو مرینہ کے بے حد قریب ہو گئی، مرینہ کی تربیت شاندار تھی، حبا کو دیکھ کر تیمور کے اندر سکون اتر جاتا، اس کی عادتیں بڑی دل موہ لینے والی تھیں، مرینہ اس کی پڑھائی کے متعلق بہت متفکر رہا کرتی تھیں، وہ کچھ اور بڑی ہوئی، تو ایک عجیب واقعہ ہوا وہ اسید کے بہت قریب آ گئی، انہیں شروع سے ہی یہ چیز کھٹکتی تھی، وہ حبا کا اس کے قریب ہونا قطعاً برداشت نہ کر پاتے، پھر وہ حبا کو پڑھانے لگا، انہوں نے سختی سے مرینہ کو کہا کہ وہ کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر دیں گے وہ اسید کو منع کر دیں گے حبا کا شاندار رزلٹ ان کا منہ بند کروا گیا۔

پھر تو جیسے کوئی جادو ہو گیا، حبا بدلنے لگی، اس کے کندھے پہ Sash آ گئی، اس آنکھوں میں چمک اور اسے بولنے کا ہنر آ گیا۔

مرینہ اکثر انہیں بتاتیں، حبا نے ڈیبیٹ کمپٹیشن جیتا، آج فلاں کمپٹیشن اور آج فلاں وغیرہ وغیرہ، اس کے کمرے کی ایک دیوار شیلڈز اور ٹرافیز سے بھرنے لگیں اور وہ جانتے تھے کہ یہ وہ شخص تھا، جس کی وجہ سے حبا کے اندر سے ایک اور حبا نکلی تھی، شوخ، پراعتماد، چلبلی، نٹ کھٹ اور حیران کن، وہ جانتے تھے کہ کیمیا گر وہ شخص تھا جس نے حبا کی ساری کیمسٹری ہی بدل دی تھی۔

وہ اپنی ننھی پری کو یوں کامیابیوں کی جانب رواں دواں دیکھتے تو دل میں بے حد متفکر ہو جاتے، انہیں حبا کی یوں اسید پہ Dependence بالکل پسند نہ تھی، وہ اپنی بیٹی کو اس سے دور رکھنا چاہتے تھے مگر وہ اس میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ناکام ہو گئے، وہ دن بدن اس کے قریب ہوتی گئی۔

پھر اس کی اولیولز میں فرسٹ پوزیشن نے جیسے تہلکہ سا مچا دیا، وہ بے انتہا خوش تھے مگر وہ تتلی کی مانند اسید کے گرد منڈلاتی رہی، وہ اسید کو تنبیہ کرتے رہے کہ وہ حبا سے دور رہے، جواباً وہ بھڑک اٹھتا کہ اگر ان میں صلاحیت ہے تو وہ اس سے دور کر لیں، انہوں نے بارہا حبا کو سمجھانا چاہا مگر وہ ان سے الجھ پڑتی، پھر شاید اسید کی عقل میں ان کی بات سما گئی، وہ حبا کو خود سے دور کرنے لگا، تیمور کے اندر اطمینان اترنے لگا، وہ تو سمجھے تھے کہ سب ٹھیک ہو گیا مگر نہیں شاید وہ غلط تھے، پھر سب کچھ الٹ گیا، سب غلط ہو گیا۔

مگر اس بات کا یقین ان سارے گزرے سالوں میں ہمیشہ سے انہیں تھا کہ اسید حبا کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور اسی یقین کے سہارے وہ ان مہینوں میں اتنے پرسکون رہے تھے اور اب ان کی خوش فہمیاں ان کے منہ پہ مار دی گئیں تھیں، کس قدر ناقابل یقین تھا کہ اسید نے حبا پہ ہاتھ اٹھایا تھا اور سب سے خوفناک اور دل دہلا دینے والی چیز، حبا کی خودکشی، وہ ششدر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''حبا! میری بیٹی۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوما، ان کے ہاتھ لرز رہے تھے، انہوں نے اس کے ماتھے کو چھوا جس پہ نیل تھے پھر اس کے سوجے ہونٹ کو، جو درمیان سے پھٹ کر پھول گیا تھا پھر اس کے گال کو جس پہ لمبی لمبی خراشیں تھیں، وہ اس کا سر سینے سے لگا کر گھٹ گھٹ کر رونے لگے۔

ڈاکٹر سلطان دم بخود کھڑے تھے ان کے لئے اب یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا تھا کہ وہ ان کی بیٹی تھی۔

''اوہ......تو...... تیمور رچ یہ تمہاری بیٹی ہے، مائی گاڈ ائم اسپیچ لیس۔'' ڈاکٹر سلطان کو بولنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''ہاں سلطان یہ مجھ بدنصیب کی بیٹی ہے۔'' وہ بھیگی آواز میں بولے تھے، اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دے پاتے دروازے میں اسید کی صورت نظر آئی، وہ تیمور کو وہاں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، پھر اندر کی طرف بڑھ آیا۔

''واہ، کیا تاریخی ملن ہے باپ بیٹی کا۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

تیمور جیسے کرنٹ کھا کر سیدھے ہوئے اور اس کی طرف جارحانہ عزائم سے لپکے، قریب تھا کہ وہ اسید سے الجھ پڑتے مگر ڈاکٹر سلطان نے انہیں روک لیا۔

''نہیں تیمور! یہاں نہیں، یہ ہاسپٹل ہے، دوسرے مریض ڈسٹرب ہوں گے پلیز تم دونوں کا آپس میں جو بھی معاملہ ہے یہاں مت حل کرو، کہیں بیٹھ کر تسلی سے بات چیت کرو، یوں لڑنا بھڑنا مناسب نہیں۔''

ان کے کہنے پہ تیمور خون کے گھونٹ پی کر ایک طرف ہو گئے، ڈاکٹر سلطان تیزی سے باہر نکل گئے۔

''تم نے......تم نے میری بیٹی کے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟'' وہ جیسے پاگل ہو رہے تھے۔

''میں نے تو آپ سے کبھی نہیں پوچھا کہ آپ مرینہ خانم کے ساتھ جو کرتے رہے کیوں کرتے رہے؟'' وہ سینے پہ ہاتھ باندھ کے دیوار سے پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم پوچھ سکتے بھی نہیں کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔'' وہ طنزیہ بولے۔

''ویری گڈ، تو آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ یہ میری بہن نہیں، میری بیوی ہے۔'' اس کے لبوں پہ زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''تم ایک رذیل آدمی ہو بلکہ تمہیں آدمی کہنا انسانیت کی توہین ہے تم سفید چہرے والے شیطان ہو۔'' وہ ضبط کھو کر چیخ کر بولے تھے۔

اسید کی مسکراہٹ ایک پل میں غائب ہو گئی، وہ ایک قدم آگے بڑھا اور ان کے مقابل آ کھڑا ہو گیا۔

''گالی تو میں بھی دے سکتا ہوں تیمور

احمد! مگر دوں گا نہیں کیونکہ یہ تو بے بسوں کا ہتھیار ہے اور میں بے بس نہیں ہوں۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں بولا تھا۔

"بے بس تو میں بھی نہیں ہوں اسید! میں اپنی بیٹی کو ایک منٹ تمہارے پاس نہیں رہنے دوں گا، میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" وہ بھی فیصلہ کن انداز میں بولے، اسید طنزیہ ہنس پڑا۔

"ضرور آپ اسے واقعی لے جا سکتے ہیں۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر پیچھے ہٹا اور پھر حبا کی طرف مڑ آیا۔

"تم اپنے پیرنٹس کے پاس جانا چاہتی ہو نا، ویسے بھی تم انہیں یاد کر کر کے اتنا روتی ہو، سو تم چلی جاؤ۔" وہ بڑے سکون سے حکم دے رہا تھا، حبا پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا، مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ سسک کر بولی۔

"ارے تیمور احمد سمجھایئے اپنی بیٹی کو، مانا عشق اندھا ہے مگر ایسی بھی کیا بے تابی، چند دن کی دوری بھی گوارا نہیں۔" وہ سفاکی سے اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

حبا کا رنگ زرد پڑ گیا، وہ بے بسی کے احساس سے چور چور کچھ مزید ٹوٹ گئی، اسید اب واپس مڑ چکا تھا۔

"میں کاؤنٹر پہ بل پے کر چکا ہوں۔" وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔

تیمور احمد اب ساکت کھڑے روتی ہوئی حبا کو دیکھ رہے تھے، پھر تھکے قدموں سے اس کی سمت بڑھ گئے۔

"بس کرو بیٹے، بس کرو، چلو گھر چلیں، تمہاری ماں بہت بیمار ہے تمہارا یہ حال دیکھ کر اس پہ کیا گزرے گی ذرا سوچو، سنبھالو خود کو۔" وہ ٹوٹے پھوٹے انداز میں اسے تسلی دے رہے تھے۔

"سب ختم ہو گیا پاپا۔" وہ تب سے پہلی بار ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

میں ٹھنڈے توے کی روٹی ہوں
مجھے بے دھیانی میں ڈالا گیا
مجھے بے دردی سے پلٹا گیا
مرے کتنے ٹکڑے اکھڑ گئے
میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی
میں کسی چنگیر میں آ نہ سکی
میرا اپنا، گندھنا اور جلنا
بے کار گیا، میں ہار گئی
اک بے دھیانی مجھے مار گئی

کمرے میں باپ بیٹی کی سسکیاں آپس میں مدغم ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

"اس ساری کج بحثی اور پریشانی کا بس ایک ہی حل ہے تایا ابو، کہ کراچی والی فرم میں ہمہ وقت کسی ایک کو موجود ہونا چاہیے ورنہ امید واثق ہے کہ اس فرم کو عنقریب بند کرنا پڑے گا۔" وقار نے گہری سانس لے کر عباس کو دیکھا جو بڑی تسلی سے احمد مغل کو حل پیش کر رہا تھا۔

"ظاہر ہے عباس! یہ تو مجھے بھی سمجھ آ رہا ہے بیٹے، مگر مسئلہ تو یہی ہے کہ وہاں کون ٹھہرے، ظاہر سی بات ہے جو بھی جائے گا اسے مستقل وہاں رہائش اختیار کرنا پڑے گی۔" تایا ابو نے کہا۔

"یہی تو مسئلہ ہے، وہاں کون جائے؟" وقار نے کہا۔

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں کچھ کہوں؟" عباس نے کہا۔

"اس میں اجازت کی کیا بات ہے بولو بھئی۔" بابا جان اس کے انداز پہ مسکرا دیئے۔

"اگر میں اور سبین کراچی شفٹ ہو جائیں تو۔" اس کے کہنے پہ لحہ بھر کو سب چپ سے ہو گئے۔

"بات تو تمہاری قابل عمل ہے عباس مگر......" وہ بجھے ہوئے انداز میں بولے تھے۔

"یہ مسئلہ اب خوفناک صورتحال اختیار کر چکا ہے بھائی، جبھی میں نے یہ حل دیا، کیونکہ آپ کی یہاں موجودگی بے حد ضروری ہے، شاہ بخت تو اکیلا رک نہیں سکتا، جبکہ سبین میرے ساتھ ہوں گی تو سہولت ہو جائے گی، باقی جو آپ کی مرضی۔" عباس نے کہا۔

"بات تو ٹھیک ہے تمہاری، ایسا ہی ہے واقعتاً مگر اس کے لئے سب کی رائے لے لینی چاہیے۔" تایا جان نے کہا۔

کچھ ہی دیر میں بات گھر بھر میں پھیل چکی تھی اور اس حوالے سے چہ میگوئیاں بھی شروع ہو گئیں، جب شاہ بخت کو پتا چلا تو وہ تپا ہوا سا اس کے کمرے میں چلا آیا، عباس وارڈ روب میں سر دیئے پتا نہیں کیا کر رہا تھا۔

"تم یہ فیصلہ ایاز کی وجہ سے کر رہے ہو؟" وہ غصے سے بولا، عباس نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میرا دماغ فی الحال درست کام کر رہا ہے، سو ایسی بے وقوفی میں نہیں کر رہا۔" وہ دو ٹوک بولا۔

"دماغ درست ہے تو پھر اتنا احمقانہ فیصلہ کیوں کر رہے ہو؟" وہ تپ اٹھا۔

"احمقانہ، حد ہے تم سے بخت، میرے بھائی یہ حالات کا تقاضا ہے، کسی کو وہاں جانا ہے نا، تو میں کیوں نہیں اور ویسے بھی وہاں کسی کو جانا بے حد ضروری ہے تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے مجھے سبین کی وجہ سے کافی سہولت ہو جائے گی۔" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔

"اور میں، میرا کیا ہو گا، مجھے تمہاری بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ ضدی انداز میں پیر پٹخ کر بولا، عباس کا چہرہ چمک اٹھا اور لب مسکرا دیئے۔

"بڑا اہم ڈائیلاگ تم نے مجھ پہ ضائع کر دیا ہے، یار شادی کرواؤ اور اپنی بیوی سے یہ ڈائیلاگ بولنا، ویسے بھی تم نے کہا تھا نا کہ میرا انجام دیکھنے کے بعد کرو گے شادی، تو دیکھ لیا، میرا تو انجام بخیر ہو گیا اب تم اپنی سوچو۔" وہ اسے یاد دلا رہا تھا۔

"بھاڑ میں گئی شادی، بس تم کہیں نہیں جا رہے۔" وہ زور دے کر بولا۔

"ارے یار، ہر معاملے کو جذباتیت کی عینک پہن کر دیکھنا لازم ہے کیا تمہارے لئے، بی پریکٹیکل بخت، معاملہ حساس نوعیت کا ہے ورنہ میں کبھی بھی ایسا قدم نہ اٹھاتا، مجھے بھی پتا ہے میں وہاں جا کر بڑی شدید قسم کی ہوم سک نیس کا شکار ہو جاؤں گا مگر میں بے حس نہیں بن سکتا، آخر ہم کب تک وقار بھائی سے گدھے کی طرح کام لیتے رہیں، آخر تم بھی جانتے ہو میرے بعد دوسرا اور آخری آپشن وہی تھے سو مجھے یہ اسٹیپ لینا پڑا، باقی رہا آنے جانے کا سوال تو جگر، لاہور یہاں ہی ہے کراچی کون سا امریکہ سے آگے چلا گیا ہے 80 منٹ کی فلائٹ ہے میرے بھائی۔" وہ تسلی

سے بولتا آخر میں ہنسا۔

بخت جو بڑے دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا اچانک سر اٹھا کر بولا۔

"ویسے ایک بات تو قابل گرفت مل گئی مجھے۔"

"کون سی؟" اس کی سنجیدگی پہ عباس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہی کہ تم نے بھائی کو گدھا کہا ہے۔" اس کے معصومیت سے کہنے پہ دونوں کا بے ساختہ قہقہہ گونجا تھا۔

"یار! پلیز مت جاؤ، میں تمہیں بہت مس کروں گا۔" بخت بے اختیار اس سے لپٹ کر افسردگی سے بولا تھا۔

عباس نے متانت سے اس کی پشت تھپکی، عین اسی وقت کومل اور علینہ ہنستی ہوئیں اندر آئی تھیں۔

"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتا یہ بخت بھائی ہر ایک سے لاڈ کیوں اٹھواتے رہتے ہیں، کبھی بابا کبھی چاچو کبھی بھائی تو کبھی عباس بھائی، بھلا ایسا کیوں ہے علینہ؟" کومل نے شرارت سے اسے دیکھ کر بخت کی ٹانگ کھینچی، شاہ بخت اس کی بات پہ ہنستا ہوا عباس سے الگ ہو گیا۔

"چاہے جانا بھی بعض دفعہ نشہ بن جاتا ہے کومل۔" علینہ نے بظاہر مسکرا کر کہا مگر اس کے اصل معنی شاہ بخت کھلسا گئے۔

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کومل، کوئی کوئی ذی نفس ایسی قسمت لے کر آتے ہیں کہ سب انہیں چاہنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔" اس نے جوابی حملہ کیا۔

"خیر سب تو نہیں چاہتے۔" اس نے غیر ارادی طور پہ اپنا دفاع کیا۔

"سب ہی چاہتے ہیں میری بہنا۔"

عباس نے بخت کی فیور کی۔

"ہاں چاہے ان میں ذاتی طور پہ کوئی اہلیٹی ہو یا نہ ہو۔" اس بار حملہ براہ راست تھا، شاہ بخت کے ہونٹ بھینچ گئے۔

"سارے حساب چکائیں گے میری پیاری علینہ، الزامات کی فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے اور میں ادھار کا قائل نہیں، جلد بہت جلد۔" شاہ بخت کا ذہن آگے اڑانیں بھر رہا تھا۔

علینہ اور کومل اب عباس سے خوش گپیوں میں مصروف ہو چکی تھیں وہ آہستہ سے باہر نکل آیا، اس کے قدم وقار کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

"مجھے ستارہ کی فیملی بہت پسند آئی ہے حیدر۔" یہ معصب تھا، آج سنڈے تھا اور وہ دونوں بڑی تسلی سے لان چیئر پہ بیٹھے تھے، اوائل دسمبر کے دن تھے، ہلکی سی کھلی دھوپ بڑی فرحت بخش تھی، حیدر کے ہاتھ میں پائن ایپل کاٹن تھا، اس نے فورک سے پائن ایپل کا ٹکڑا اٹھایا اور منہ میں ڈالتے ہوئے جانچنے والی نظر سے معصب کو دیکھا۔

"ستارہ کی فیملی؟ ہاہاہا، خالی ستارہ کہتے کیا لاج آتی ہے آپ کو؟" اس نے مذاق اڑایا۔

"بس یہی سمجھ لو۔" معصب خفیف سا ہو گیا۔

"کس قسم کی اچھی لگتی ہیں؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ میرے بھائی کہ یہاں اچھا لگنے کی بس ایک ہی قسم ہے اور اس کا نتیجہ عام

طور پر شادی ہے، ورنہ اس مشرقی معاشرے میں دوستیوں کی گنجائش نہیں ہے۔" حیدر نے اسے باور کروایا۔

"جانے دو حیدر! تمہارا معاشرہ اب اتنا زیادہ بھی مشرقی نہیں رہا۔"

"میں مانتا ہوں مگر وضعدار گھر میں اب بھی لڑکے لڑکی کی دوستی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔" اس نے دفاع کیا۔

"بہرحال وہ تو ایک الگ بات ہے۔"

"تو پھر بتایا نہیں آپ نے کہ ستارہ آپ کو کس قسم کی اچھی لگی ہیں؟" معصب کو اس پہ فخر ہوا، یہ اتنا بالحاظ و تمیز دار سا اس کا پھپھوزاد کس قدر احترام سے اس کا نام لے رہا تھا ورنہ لڑکے اور وہ بھی آج کل کے کہاں کسی کی غیر موجودگی میں اتنے احترام و عزت سے کسی کو بلاتے ہیں اور وہ بھی ایک لڑکی کو، ناممکن ہی لگتا ہے۔

"حیدر! سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ ہر طرح سے اچھی لگی ہے۔" اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"تو شادی کریں گے؟" حیدر نے براہ راست پوچھا۔

"ہاں پتا نہیں کیوں اسے پہلے دن دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے لئے ہے، میرا حصہ ہے، میرے وجود، میری روح کا گمشدہ حصہ، میں اس سے بہت زیادہ ملا نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ وہ بہت خاص ہے، میں اسے اپنانا چاہتا ہوں۔" اپنائیت اور سادگی کا سنہرا سا عکس اس کے وجیہہ چہرے کو اور بھی خوبصورتی بخش رہا تھا، حیدر چند لمحے اسے دیکھتا رہا لحظہ بھر کو اس کا دل چاہا کہ وہ اس کی Fantacy قائم رہنے دے مگر سچ اسے کبھی نہ کبھی تو پتا چلنا ہی تھا۔

"آپ کا جذبہ قابل تحسین ہے مگر......"

اس نے ٹن میز پہ رکھا اور سیدھا ہو گیا۔

"مگر؟" معصب نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ واقعی سنجیدہ ہیں؟" اس نے لبوں پہ آئی بات روک کے پوچھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے، جھک مار رہا ہوں؟" معصب برا مان گیا۔

"پھر تو آپ کے لئے سچ جاننا اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔"

"کیسا سچ؟" اس نے پلکیں اٹھائیں۔

"ستارہ ہیز ڈائیورسڈ۔" وہ آہستگی و افسردگی سے بولا، نظر جھکالی تھی کہ معصب کے تاثرات دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

"میں کبھی یقین نہ کرتا اگر انہوں نے مجھے خود نہ بتایا ہوتا۔" وہ آہستگی سے میز کے کنارے انگلی پھیر رہا تھا، معصب اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ اس معاملے پہ دوبارہ سوچئے گا۔" حیدر نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

معصب کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا، حیدر خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اسے یقین نہیں تھا کہ معصب بھی ایک روایتی مرد ثابت ہو گا؟ اسے بھی اس بات سے فرق پڑ سکتا ہے کہ ستارہ پہلے سے شادی شدہ تھی؟ ہو سکتا ہے وہ اس معاملے پہ غور کریں تو کوئی درمیانی راہ نکال سکیں؟

حیدر نے سوچا، پھر پائن ایپل کاٹن اٹھا کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

کمرے میں تین نفوس تھے، وقار، ایاز

اور شاہ بخت!

"مجھے تو اس بات پہ حیرت ہے کہ بخت نے آپ کو لاعلم رکھا۔" ایاز نے سرد مہری سے کہا۔

"اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ بھائی کو باعلم رکھا جاتا۔" بخت بلبلا کر بولا

"یہ تو تم اب بھائی کو بتانا اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں گے۔" ایاز قصداً مسکرا کر اٹھا تھا، بخت لب بھینچے ماتھے پہ شکن لئے اسے دیکھتا رہا، وہ باہر نکل گیا۔

"میں تو تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پورا سچ بتاؤ، پتا نہیں کہاں کہاں کیا کیا چھپایا ہے تم نے؟" وقار کا لہجہ افسردہ تھا، شاہ بخت نے بے چین ہو کر انہیں دیکھا۔

"میں نے آپ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا بھائی۔"

"ایک اور جھوٹ۔" وقار نے سختی سے کہا۔

"اوکے میں اب آپ کو پورا سچ بتاؤں گا مگر وعدہ کریں مجھ سے۔"

"کیسا وعدہ؟" وہ چونک کر بولے۔

"آپ یہ سب جاننے کے بعد میرے بھائی سے نفرت نہیں کریں گے، انہیں برا نہیں سمجھیں گے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولا تھا، وقار نے حیران ہو کر اسے دیکھا اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"ایسی کون سی بات ہے بخت؟"

"جب میں بی بی اے کرنے نیویارک گیا تو بہت خوش تھا، مجھے نواز بھائی سے ملنا تھا انہیں سرپرائز دینا تھا جبھی میں نے انہیں اپنے آنے کا نہیں بتایا، ائیرپورٹ سے کیب لے کر سیدھا براڈوے ان کے اپارٹمنٹ پہنچا، بہت پرجوش تھا میں بیل بجاتے ہوئے، جب دروازہ کھلا تو میں چند لمحوں کے لئے بوکھلا سا گیا، وہاں نواز بھائی کی جگہ ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی، مجھے لگا میں نے غلط اپارٹمنٹ کی بیل دے دی ہے میں معذرت کر کے واپس مڑنا چاہتا تھا مگر مجھے اس نے روک لیا وہ مجھے جانتی تھی، میں حیران تھا، وہ مجھے اندر لے گئی، کچھ دیر میں سب کلیئر ہو گیا۔"

"وہ شیرون کورے تھی۔" نواز بھائی کی گرل فرینڈ، ان کے ساتھ رہتی تھی، میں جتنے دن وہاں رہا ایک عذاب میں مبتلا رہا، نواز بھائی کی یہ اخلاقی ابتری بہت اذیت ناک تھی اور ستم تو یہ کہ ان کی یہ گرل فرینڈ jew تھی اور آپ کو پتا ہے jews اپنا مذہب نہیں بدلتے، وہ دونوں ڈرنک کرتے، اسموکنگ کرتے، بارز میں جاتے اور میں بے وقوفوں کی طرح انہیں دیکھتا رہتا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ نیویارک ایک آزاد شہر تھا وہاں شخص آزادی کا ڈھنڈورا بڑے زور و شور سے پیٹا جاتا تھا مگر میرے لئے یہ بات ناقابل قبول تھی کہ نواز بھائی بھی ان جانوروں کے ہجوم میں شامل ہو گئے تھے جو انسان کہلانے کے قابل نہ تھے، باقی بعد کے حالات تو آپ کے علم میں ہی ہیں وہاں سے آنے کے بعد مجھے شدید قسم کا میگرین ہوا اور..... اس کے بعد مجھے ان سے نفرت سی ہو گئی، انہوں نے صرف اپنی آخرت برباد نہیں کی تھی "مغل ہاؤس" کی تربیت بھی بدنام کر دی تھی۔

اور اب جب میں نیویارک گیا تو ان سے ملا، پتا نہیں کیوں میں خود کو روک نہ پایا تھا، مجھے ان سے بے حد محبت تھی یا شاید یہ صرف بچپن کی Affiliation کا اثر تھا، اس بار انہوں نے مجھے یہ جھانسہ دیا کہ وہ اور شیرون جلد شادی کر لیں گے، پھر وہ کپل شوٹ اور باقی تو میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ انہیں روپے چاہیے تھے، جبھی انہوں نے مجھے ایکسپلائٹ کیا اور میں بڑی آسانی سے بلیک میل ہو گیا اور اب آخری بات، اس ایکسیڈنٹ کی وجہ میں نے آپ سے چھپائی، میں کیسے بتاتا بھائی مجھ میں حوصلہ نہیں تھا، اس ایکسیڈنٹ کی وجہ ان کا اوور ڈرنک ہونا تھا، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق ان کے معدے میں الکحل کی کافی مقدار موجود تھی اور شیرون بھی ان کے ساتھ ہی اس حادثے میں مر گئی۔" شاہ بخت بات ختم کر کے کھڑکی کے پار نظر آتے لان کو دیکھ رہا تھا، جہاں دھند کے قافلے اتر رہے تھے۔

"میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں اور ان میں سے زیادہ تر اپنی حساسیت اور بے وقوفی کے ہاتھوں کی ہیں، مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ جو واقعہ سب لوگوں پہ نارمل اثر کرتا ہے وہ میری نفسیات کو کیوں ہلا کے رکھ دیتا ہے، لہجوں کا فرق مجھے کیوں اس قدر شدت سے چبھتا ہے اور محبتیں سمیٹنے کی عادت مجھے اس قدر کیوں ہو گئی ہے، علینہ شاید ٹھیک ہی کہتی ہے، چاہے جانا بھی نشہ بن جاتا ہے اور خوبیٔ قسمت تو دیکھئے کہ میں نے جس کو چاہا، انہوں نے مجھے استعمال کیا، میں کیسے بتاتا آپ کو، مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں ان کی بدکرداری کو لفظوں میں ڈھال پاتا، میں پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا، ان کا بت آپ کی آنکھوں میں کیسے گرا پاتا؟ مجھ میں حوصلہ نہ تھا اور اب جبکہ وہ چلے گئے ہیں کبھی واپس نہیں آئیں گے انہیں برے لفظوں میں یاد مت کیجئے گا، میری التجا ہے آپ سے۔" وہ بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا، وقار کے اندر ڈھیروں تھکن اترنے لگی۔

(باقی آئندہ)

امِ مریم

بائیسویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی جہان کے تیوروں اور بے اعتنائی کے مظاہروں کے سامنے خود کو بے بس پاتی ہیں تو اک نئی چال چل کر پپا کو ساری کہانی نمک مرچ لگا کر سنا کر خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہوئے ژالے کی رخصتی کی استدعا کرتی ہیں، پپا فطری طور پہ مضطرب ہوتے ہیں اور جہان سے استفسار کرتے ہیں، جہاں حقیقت کو کھول کر معاذ کے بعد پپا کو بھی سنا دیتا ہے اور ان کے اپنی ذات پہ موجود اعتماد کو برقرار پا کر ژالے کو طلاق دینے کا فیصلہ کرتا ہے مگر پپا روک دیتے ہیں کہ وہ ژالے سے ملے بغیر ایسا کچھ نہیں ہونے دیں گے، ژالے سے ملاقات میں پپا کو ژالے اپنی موہنی صورت اور نیک اطوار کے باعث جہان کے لئے پسند آتی ہے اور وہ جہان کو فیصلہ بدلنے پہ مجبور کر دیتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیئیسویں قسط

دانتوں سے بھینچا تھا کہ لہو کا ذائقہ منہ میں گھلنا شروع ہو چکا تھا، اتنی تلخی اس قدر ہیجان اس کے اندر اترا تھا کہ ہر شے کو آگ لگا دینے کی وحشت بھری خواہش اسے پاگل بنانے لگی، زینب مسز آفریدی اور ژالے...... ان تین عورتوں نے مل جل کر اس کی زندگی تباہ کر دی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ان تینوں کو جلا کر خاکستر کر دے، ہجر، نارسائی، کرب، ناکامی اور پھر ذلت کا لامتناہی سلسلہ...... یہ تھا بس اس کا نصیب اور اگر تھا تو وجہ کیا تھی، زینب مسز آفریدی اور ژالے...... اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑ لئے۔

(تمہارے نفس کی اطاعت کا یہ عالم تھا ژالے آفریدی کہ تم نے ذلت بھرے راستے پہ چل کر بھی مجھ تک آنے میں قباحت نہیں سمجھی، میں اب تمہیں بتاؤں گا ذلت در حقیقت کیا ہوتی ہے، اگر تمہیں خود اپنی عزت کا خیال نہیں ہے تو مجھ پہ تمہاری عزت لازم نہیں ہوتی۔)

اس نے جلتے بھڑتے دماغ کے ساتھ سوچا تھا اور خود کو بستر پہ گرا دیا، اس کے پورے وجود میں درد اٹھ رہا تھا مگر خود اذیتی کا شکار ہوتے اس نے دانستہ کوئی میڈیسن نہیں لی، حالانکہ کل اس کا تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد معاذ نے اسے باقاعدگی سے دوا لینے کی تاکید کی تھی، کمرے کی فضا میں گونجتی میوزک کی آواز پہ اسے فوری طور پہ اس کی وجہ سمجھ نہیں آ سکی، مسلسل ہونے والی بیپ پہ وہ سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں سے عاجز ہوتا ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھا چکا تھا۔

"کیسے ہیں داماد جی؟" اس نے نمبر دیکھے بغیر کال ریسو کی تھی، اب مسز آفریدی کی فاتحانہ مخمور آواز سن کر اس کا سر درد یکلخت بڑھ گیا۔

"مجھے پتہ ہے آپ کو مجھ سے بات کرنا پسند نہیں، مگر کیا کریں مجبوری ہے نا، ہمارا تو آپ سے مقصد وابستہ ہے نا۔" وہ چہکی تھیں۔

"کیوں فون کیا ہے؟" وہ خود پہ جبر کر کے سرد آواز میں استفسار کرنے لگا، جواباً وہ کتنی دیر ہنستے ہوئے جہان کا ضبط اور حوصلہ آزماتی رہیں۔

"آپ یہ اپنی پاور کو ثابت کرنے کے لئے داد نہیں دیں گے داماد جی؟ آپ ہر لحاظ سے شکست سے دو چار ہو چکے ہیں، میں کبھی ہاری نہیں تھی تو اب کیسے ہار جاتی ہاں؟" وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھیں، جہان ششدر رہ گیا، معاً اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

"آپ کو ڈر نہیں لگتا مسز آفریدی کہ آپ اپنی بیٹی کو میرے حوالے کرنے والی ہیں، آپ کے ایٹی ٹیوڈ سے مجھے تو یہی لگتا ہے کہ یا تو آپ کو اپنی بیٹی کی صلاحیتوں پہ بہت بھروسہ ہے یا پھر آپ کو اس سے محبت نہیں ہے، اب یہ وقت ثابت کرے گا ان میں سے میرا کون سا قیاس درست ہے۔" اس نے خود پرسکون رہ کر بھی مسز آفریدی کو آگ لگا دی تھی۔

"شٹ اپ، اپنے فضول قیاس اپنے پاس رکھو سمجھے۔" وہ چیخ پڑی تھیں، جہان نے سرد آواز میں انہیں ٹوک دیا۔

"ڈونٹ شاؤٹ مسز آفریدی! بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم، آپ کی ساری اکڑ نکالنے کو میرے تین الفاظ کافی ہیں، وہ الفاظ طلاق کے ہو سکتے ہیں، اچھی طرح سے ذہن میں بٹھا لیں اس بات کو، میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ آپ کا وقت گزر چکا، اب گیند میرے کورٹ میں ہے، آپ کو یہ فکر ہونی چاہیے کہ میں اسے کتنی شدید ضرب لگاتا ہوں۔" اس نے پھنکار کر کہا تھا اور ان کی مزید سنے بغیر کال ڈراپ کر دی،

حالات اگر سنگین تھے تو اسے بھی خود کو بدلنا تھا، لوگوں نے اس کی شرافت کو اس کی بزدلی سمجھنا شروع کر دیا تھا، بہر حال وہ بزدل نہیں تھا یہ بات اب اس نے لوگوں کو سمجھانی تھی۔

☆☆☆

رات کی تاریکی کو دکانوں کے شیشے کے دروازوں سے پھوٹتی روشنیاں روشن کیے ہوئے تھیں، زرد روشنیوں کا عکس سامنے لمبی سڑک پر بھی پڑتا تھا، اس کی گاڑی اسی زرد روشنی کا عکس سے چمکتی سڑک پہ کھڑی تھی، وہ مضطرب سا مسلسل سگریٹ کے گہرے کش لے کر دھواں بکھیر رہا تھا، ہر طلوع ہونے والا نیا دن اس کے سامنے ایک نئی ٹینشن رکھ جاتا تھا، اب پپا کو جانے ایکدم سے کیا سوجھی تھی کہ معاذ کے ساتھ اس کی شادی کا بھی فیصلہ کر لیا تھا، جہان اس فیصلے پہ احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ایسا مت کریں چاچو پلیز! مجھے کچھ وقت دیں۔"

"بیٹے اگر یہ نکاح نہ ہوا ہوتا تو آپ کو لازمی وقت ملتا آف کورس اتنی جلدی لڑکی ڈھونڈنا رشتہ طے ہونا جیسے پراسس سے گزرنا پڑتا مگر اب معاملہ دوسرا ہے، اتنا ٹائم گزر چکا ہے نکاح کو، بغیر کسی وجہ کے کسی کو انتظار میں کیوں رکھا جائے، پھر آپ زیاد اور معاذ دونوں سے بڑے ہو مجھے بالکل مناسب نہیں لگتا کہ آپ کو چھوڑ کر ان کی شادیاں پہلے کر دوں۔"

پپا کا وہی مخصوص انداز تھا قائل کرنے کا مگر جہان اتنی جلدی پہ ہرگز آمادہ نہیں تھا، ابھی تو اس کے دل و دماغ میں جو آگ بھڑک رہی تھی اگر ژالے ایسی کیفیت میں اس کے سامنے بھی آ جاتی تو شاید وہ اسے اسی ہیجانی کیفیت کے زیر اثر شوٹ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

"مگر چاچو ابھی وہ پڑھ رہی ہے، اس کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے تک تو آپ کو رک جانا چاہیے۔"

اس نے بے زار کن انداز میں ایک اور رکاوٹ ڈالی تھی، پپا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا پھر اسی متانت سے گویا ہوئے تھے۔

"میں جانتا ہوں جہان بیٹا آپ ژالے سے بدگمان ہیں، میں ان فاصلوں کے اسی وجہ سے سمیٹنے کا خواہاں ہوں تاکہ آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے، کلام پاک میں رب رحمن کا ارشاد ہے، جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ "ضروری نہیں جو چیز ہمیں بھلی لگ رہی ہے وہ در حقیقت ہمارے لئے اچھی بھی ہو اور جو چیز ہمیں پسند نہیں وہ ہمارے لئے اچھی بھی ہو سکتی ہے" ویسے بھی کسی کو پرکھے بنا تو کوئی حتمی رائے قائم کرنی مناسب نہیں ہے۔"

جہان نے کچھ نہیں کہا، انہوں نے کچھ کہنے کی گنجائش چھوڑی ہی نہیں تھی، مگر وہ ان کی آخر بات سے کچھ مزید متنفر ضرور ہو گیا تھا۔

(آزمائے ہوئے کو آزمانا حماقت ہے میرے نزدیک چاچو! اور ان عورتوں کی سازش تو بہت واضح ہے، اس روز جب اس نے اپنی طلائی زنجیر کا لاک مجھ سے لگوایا تھا کیا یہ اس کی دانستہ حرکت نہیں تھی، اگر وہ اپنی ماں کے ساتھ ملی نہ ہوتی تو یوں بہانہ کر کے تنہائی میں میرے نزدیک کیوں آتی، اس کے دل میں چور تھا اور اللہ کی حدود کو تو میں نے بھی پھلانگا تھا، تنہائی میں کسی غیر محرم سے ملا تھا، یہ جرم ہی تو تھا، جس کی سزا بھگت رہا ہوں، مگر جس کی سازش کی وجہ سے یہ سارا فساد برپا ہوا ہے اب اسے بھی یہ بھگتنا پڑے گا۔)

ایک لینڈ کروزر تیز ہارن بجاتی سنسان سڑک سے گزری تب وہ اپنے خیالات سے چونکا تھا اور

ساکن نظروں سے ڈیش بورڈ پہ پڑے اپنے سیل فون کو گھورنے لگا، وہ پچھلے دو گھنٹوں سے ژالے کو فون کرنا چاہ رہا تھا مگر ہر بار اس ارادے میں تزلزل پیدا ہو جاتا، وہ بندوق کو ژالے کے کاندھے پہ رکھ کے چلانا چاہتا تھا مگر اس کی مردانگی کو یہ بات گوارا نہیں تھی، وہ پچھلے دو گھنٹوں سے شش و پنج میں مبتلا تھا اور گھر جانے سے گریزاں بھی، زینب کی انگارے برساتی نظروں اور طنزیہ جملوں کو سہنے کی تاب نہیں تھی اس میں، اس پہ باری باری سب کا نکاح کی مبارک باد دینا، وہ ہر بار کڑھنے لگتا تھا۔

"ہیلو ژالے۔" اس نے سیل فون اٹھا کر نمبر ڈائل کر لیا تھا، ہر قسم کے خیال کو جھٹک کر اس نے ژالے سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا، رابطہ بحال ہونے پہ اس نے سوالیہ انداز میں اسے پکارا تھا، ژالے جو ششدر سی تھی با مشکل حلق سے آواز برآمد کر سکی، وہ تو اتنی تیزی سے معاملات کا آگے بڑھنا ہی غیر یقینی سے دیکھ رہی تھی، اس پہ مزید معجزہ جہاں کی کال تھی۔

"چاچو آئے تھے آپ سے ملنے؟" اس نے پھنکار ڈالنے والے ملامتی انداز میں دریافت کیا تھا۔

"جی......!"

"وہ پھر آئیں گے، شادی کی تاریخ طے کرنے، مگر آپ نے انکار کر دینا ہے۔" خوشی کا مژدہ سنا کر اس نے خود ہی اوس بھی ڈال دی، ژالے تو اپنی صلاحیتیں بے کار ہوتی محسوس کرتی ساکن بیٹھی رہ گئی۔

"بہری ہو گئی ہیں آپ؟ سنا نہیں میں نے کیا کہا؟" وہ بھڑک کر پھنکارا، ژالے ہڑبڑا سی گئی۔

"ج...... جی...... جی...... لیکن...... مم...... میں کیسے منع کر سکتی ہوں۔" وہ ایکدم روہانسی ہو گئی تھی اپنی لاچاری پہ۔

"شٹ اپ، یہ بے بسی اور معصومیت کا پرچار کسی اور کے آگے کیجئے گا اوکے؟ مجھے ویسے بھی اندازہ تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہیں چاہیں گی۔" وہ بھڑ سا گیا تھا، جو منہ میں آیا بولتا چلا گیا، اس الزام تراشی پہ ژالے کو اپنا وجود کٹتا اور جلتا محسوس ہوا، بے بسی سی بے بسی تھی، وہ اس پہ اپنی بے گناہی بھی ثابت نہیں کر سکتی تھی، مما کے جرموں کی سزا اسے بھگتنی ہے، وہ یہ بات اچھی طرح سے جان گئی تھی، جبھی خاموشی سے اس کی لعنت ملامت سہتی رہی۔

"میں کسی قیمت پہ ابھی رخصتی نہیں چاہتا سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں برداشت کرنے کا فی الحال مجھ میں ظرف ہے نہ حوصلہ۔" جہان کے لہجے میں حقارت کے ساتھ ساتھ شدید تضحیک کا بھی عنصر نمایاں تھا، ژالے کی آنکھیں یوں جل اٹھی تھیں جیسے کسی نے مٹھی بھر کے مرچیں ان میں جھونک دی ہوں، پورا وجود شدید درد کی لپیٹ میں آ گیا، ہتک سی ہتک تھی، حد تھی کوئی توہین کی، مگر اس نے آخری حد تک اپنا ظرف آزما لیا، وہ اس ستمگر کے بخشے ہر زخم کو اپنے دل میں سینت کر سجا کر رکھنے کا عزم باندھ چکی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں، میں ممی کو شادی کی تاریخ دینے سے منع کر دوں گی۔" سارے آنسو گلے سے اتار کر اس نے آہستگی سے کہا تھا، جہان نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

"ضرور کرنا، یہ تم مجھ پہ نہیں اپنے اوپر احسان کرو گی، آئی سمجھ؟" وہ اسی شدید انداز میں جتلا کر بولا تھا۔

"جی! خدا حافظ۔" ژالے نے بھیگی آواز میں کہا اور اگلے لمحے سلسلہ کٹ گیا تھا، جہان نے نہایت خراب موڈ کے ساتھ سیل واپس ڈیش بورڈ پہ اچھال دیا، اسے لگ رہا تھا سر سے کوئی بھاری بوجھ اترا ہو۔

☆☆☆

وہ تیار ہو کر ڈائننگ ہال میں آیا تو وہاں معمول کی چہل پہل اور خوشگوار شور پھیلا ہوا تھا۔

"آیئے نوشے میاں۔" معاذ اسے دیکھتے ہی چہکا تھا، جہان کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا۔

"نوشے میاں تو آپ بھی ہیں۔" زیاد نے شرارت بھرے انداز میں معاذ کو دیکھا تھا، معاذ نے کاندھے جھٹک دیئے۔

"ہم تو پرانے ہو گئے ہیں، تین سال ہونے والے ہیں نکاح کو۔"

"پرانے کو پھر نیا کیا جا سکتا ہے، ڈونٹ وری۔" بھابھی مسکرائی تھیں۔

"السلام علیکم! صبح بخیر۔" تبھی فریش اور تر و تازہ نظر آئی نوریہ چلی آئی، جسے دیکھتے ہی زیاد کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، معاذ خوامخواہ کھنکارا، تو زیاد کو سنبھلنا پڑا۔

"کیسے ہیں جہان بھائی! آپ کو مبارک دینی تھی مگر آپ دستیاب ہی نہیں ہوتے، آج تو میں صبح صبح بھاگی آئی ہوں۔" زیاد اور معاذ کو خصوصیت سے نظر انداز کیے وہ جہان کی سمت متوجہ تھی، جہان ایک بار پھر کسی شدید کرب میں شدید زیاں میں مبتلا ہونے لگا، ایسے میں زینب کی اندر تک اترتی نظریں۔

"چلو اسی بہانے تم نے یہاں قدم رنجہ تو فرمایا، ورنہ گلشن میں بہار نہیں آنی تھی۔" زیاد نے اس کی توجہ حاصل کرنی چاہی، معاذ پھر کھانسا تھا۔

"ہاں بھئی نوریہ یہاں آنے پہ تمہارے پابندی تھوڑی لگی ہے، پھر ابھی شادی میں تو ٹائم ہے، گلشن کے مرجھانے کا خوف لاحق ہے مجھے تو۔" معاذ کی شرارتی نگاہیں زیاد پہ تھیں، وہ کھسیا کر ہنسا پڑا تھا۔

"ناشتہ تو کر لو بیٹے!" مما جو اسی وقت بھابھی اور ملازمہ کے ہمراہ ناشتے کی ٹرے لئے آئی تھیں جہان کو خالی چائے حلق سے اتار کر اٹھتے دیکھتے ہی ٹوک گئیں۔

"بھوک نہیں ہے چچی جان! بس چائے کی طلب تھی وہ لے چکا۔" کرسی کی بیک سے اپنا کوٹ اور ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے وہ رسان سے بولا۔

"انہیں اب اکیلے کھانا اچھا نہیں لگتا ہے مام! ان کی ڈیئر وائف کو یہاں ان کی برابر کرسی پہ لا کر بٹھائیں، ہر مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔" زینب کے لہجے میں سرد مہری تلخی اور درشتی بیک وقت تھی، اس کی نظریں انگارے برسا رہی تھیں، جہان کا سرخ چہرا کچھ اور سرخ ہوا۔

"لگے ہوئے ہیں پپا اس نیک کام کو انجام دینے میں، تم ٹینشن فری رہو۔" جہان نے باہر نکلتے معاذ کی آواز سنی تھی جس میں تنبیہ اور سرزنش کا رنگ واضح تھا، اندرونی حصے سے نکل کر پورٹیکو کی سمت جاتے اس نے کھلی فضا میں یوں گہرے گہرے سانس بھرے جیسے اندر کی گھٹن سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو، زینب کا یہ رویہ اس کے لئے بے حد تکلیف کا باعث تھا، شاید نہیں یقیناً اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنے لئے ہر کام چاہے وہ کتنا ہی ناجائز کیوں نہ ہو جائز سمجھ لیتے ہیں مگر اپنے سے وابستہ لوگوں کو وہ کھل کر سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دیا کرتے، وہ اس کے لئے پوزیسو تھی تو کیوں جبکہ وہ خود اپنے آپ کو اس سے الگ کر چکی تھی، پھر اتنا شدید ردعمل عجیب لگتا تھا، مگر جہان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنی ذات سے اپنے پیاروں کو دکھ دینے سے قاصر تھا، پھر زینب اس کے ساتھ تو اس کے دل کا سب سے مضبوط تعلق استوار ہوا

تھا، جو فاصلوں اور رویوں کے باوجود قائم تھا، وہ اسے دکھ دینے اور ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، چاہے زینب خود اس کے فگار وجود میں مزید کتنے ہی درد کیوں نہ بھر دے۔

☆☆☆

ان زخموں کا کیا کرے کوئی
جن کو مرہم سے آگ لگتی ہو

کتاب بھلے اس کے آگے کھلی پڑی تھی مگر اس کی توجہ اس سمت ہرگز نہیں تھی، نیہاں کی باتیں جیسے جیسے اسے یاد آتیں اسے اسی حساب سے رونا آتا تھا، زندگی بھر کی کمائی تھی یونیک نامی، جیسے معاذ حسن کی ذرا سی لاپرواہی اور نگاہوں کے بھٹکتے انداز نے ڈبو دیا تھا، اسے رونا آئے جاتا تھا، معاذ پہ سارا قہر نکالنے کے باوجود اس کا ملال تھا کہ ڈھلتا نہیں تھا، پچھلے دو دنوں سے وہ کالج نہیں جا رہی تھی، ہر وقت منہ سر لپیٹے کمرے میں پڑی رہتی، حالانکہ ثناء نے کتنا لتاڑا تھا۔

''خطرے کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرے ٹلا کرتے ہیں نہ مسائل کا حل نکلتا ہے، آپ کو بہرحال حالات کے سامنے کو خود کو تیار تو کرنا پڑے گا میم!'' پرنیاں نے سن کر بھی ان سنی کر دی تھی۔

''آپ کے سرتاج کا پیغام ہے آپ کے لئے کہہ رہے تھے کل ہر صورت کالج آنا ہے ورنہ...... اس خالی جگہ میں تم ہرگز بھی کوئی سائشہ دھمکی مت سوچنا۔'' کالج سے واپسی پہ پرنیاں کو ثناء نے معاذ کا پیغام دیا تھا، جسے پورا اس کے سیل پہ آئے ٹیکسٹ نے کر دیا تھا۔

''اگر آپ کل کالج نہ آئیں تو قسم سے میں سب کے سامنے آپ کو اٹھا کر لے جانے سے بھی نہیں چوکوں گا، پھر جو ہوگا بعد میں دیکھی جائے گی۔'' ٹیکسٹ پڑھتے ہی اس کا چہرا یوں رنگ بدل گیا جیسے کسی نے لال رنگ میں ڈبو کر برش اس کے منہ پہ پھیر دیا ہو۔

''لگتا ہے سر نے خود اپنے سرتاج ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے نا؟'' ثناء جو اس کے ہاتھ میں سیل دیکھ چکی تھی اس کی کیفیت سے لمحوں میں معاملے کی تہہ تک جا پہنچی، پرنیاں نے گھبرا کر فوری ٹیکسٹ کو ڈیلیٹ کیا تھا، یہ اس کی دھمکی کا ہی اثر تھا کہ وہ اگلے دن کالج میں موجود تھی، یہ الگ بات ہے کہ شاید ناراضی کی وجہ سے اس نے معاذ کی کلاس بنک کر دی تھی۔

''یار پتہ نہیں مجھے کیوں لگتا ہے سر جانتے ہیں اس راز کو کہ تم بیوی ہو ان کی۔'' ثناء کی بات پہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''تم کیسے یہ بات اتنے یقین سے کہہ سکتی ہو؟'' پرنیاں خائف نظر آنے لگی، ثناء نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

''وضاحت تو شاید میں نہ کر سکوں مگر مجھے فیل ہوا ہے۔''

''مس پرنیاں آپ کو پرنسپل صاحب نے اپنے آفس میں بلوایا ہے۔'' اس سے پہلے کہ پرنیاں کچھ کہتی پیون اس کے لئے پرنسپل صاحب کا پیغام لئے حاضر ہوا تھا، پرنیاں دھک سے رہ گئی، اس کی گھبراہٹ سے بھری متوحش نظریں ثناء کی سمت اٹھی تھیں۔

''کیوں بلوایا ہوگا انہوں نے مجھے؟'' اس کی آواز گھٹی ہوئی سی تھی، ثناء نے اس درجہ بدحواسی پہ

اسے گھور کر دیکھا۔

''پرنسپل صاحب نے بلایا ہے پری جی سر معاذ نے نہیں، آپ کی گھبراہٹ کا تو یہ عالم ہے گویا سر معاذ نے بلایا ہو وہ ابھی آفس میں نہیں اپنے حجلہ عروسی میں۔'' ثناء کو شرارت سوجھ گئی تھی، اسے آنکھ مار کر وہ خباثت سے بولی تھی، پرنیاں اس درجہ شدید ٹینشن کے باوجود کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی اور اتنا جھینپی کہ اسے کتنے ہی گھونسے دے مارے تھے۔

''بہت بدتمیز ہو تم، مجھے اس لئے ڈر لگ رہا ہے کہیں نیہاں نے مزید کوئی گل نہ کھلا دیا ہو۔'' وضاحت دیتے ہوئے وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''فضول کی قیاس آرائیوں کی جان چھوڑ دو اوکے، اب نیہاں اتنی بھی احمق نہیں ہوگی کہ اس قسم کا معاملہ پرنسپل کے آفس تک لے جائے۔'' ثناء نے ڈانٹنے کے انداز میں ہی اس کی حوصلہ افزائی بھی کی تھی اور راستے بھر اسے سمجھاتی تسلی دیتی بھی لائی اس کے باوجود جب پرنسپل کے آفس میں اس نے قدم رکھا تو پیچھے رہ جانے والی ثناء کے تسلی دلاسوں کے باوجود وہ نہ صرف خوفزدہ نظر آتی تھی بلکہ اس کا دل بھی بہت شدتوں سے دھڑک رہا تھا۔

''مے آئی کم ان سر؟'' دروازے میں رک کر اس نے لحہ بھر کو نظر اٹھائی تو پرنسپل کے وسیع و عریض آفس میں کالج کے تقریباً تمام اسٹاف کو موجود پا کر اسے اپنے حواس مختل ہوتے محسوس ہوئے تھے، بھلے ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ سارے اسٹاف کے سامنے اسے پیش ہونے کی ضرورت پیش آ گئی تھی، اسے لگا اس کی آنکھوں میں گہری تاریکیاں اتر آئی ہوں۔

''آئیے آئیے بیٹے! معاذ حسن آپ کی موجودگی میں ہمیں کوئی سرپرائز دینا چاہ رہے تھے، انہی کی ایما پہ ہم نے آپ کو یہاں بلوایا ہے بیٹھیئے۔''

پرنسپل صاحب کے کہنے پہ اس نے حیران مگر متوحش نگاہوں کو اٹھایا تھا، بلیک ٹو پیس میں تک سک سے تیار خوشبوؤں میں سے معاذ کے خوبرو چہرے پہ ازلی پراعتماد دلکش مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی، پھر اس نے پرنیاں کا ہاتھ تھام کر اپنے برابر خالی کرسی تک اسے لایا تھا، پرنیاں کی تمام صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو کر رہ گئیں، اس نے فق چہرے کے ساتھ ڈوبتی نظروں سے معاذ کو دیکھا تھا۔

''جی معاذ حسن مس پرنیاں پہنچ چکی ہیں آپ کا سرپرائز کیا ہے بتائیے اب تو ہمیں بھی بے چینی ہونے لگی ہے۔'' پرنسپل صاحب مسکرائے تھے، دیگر اسٹاف کی بھی دبی دبی ہنسی گونجی پرنیاں کی گردن ڈھلک کر شانوں سے جا لگی یہ عجیب انسان اب پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا تھا۔

''ضرور سر وائے ناٹ، بٹ میں چاہتا ہوں آپ لوگ پہلے یہ سویٹ تو لیں نا، کیونکہ پرنیاں کو آپ پہلے میری اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے جانتے تھے مگر میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ صرف میری اسٹوڈنٹ نہیں میری منکوحہ بھی ہیں، ہمارے نکاح کو تین سال ہونے والے ہیں، شادی ان کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے پہ ہوگی انشاءاللہ۔''

سب کی حیرانگی کو انجوائے کرتے ہوئے اس نے مسکرا کر اطمینان سے کہا تھا جبکہ پرنیاں اسے لگا تھا آفس کی چھت اچانک اس کے سر پہ آن گری ہو، آفس کے روم میں ایک دم ہلچل سی مچ گئی تھی، ہر کوئی اپنے انداز میں حیرانی کا اظہار کرتا تھا اور دونوں کو بالخصوص مبارک باد دیتا تھا، کچھ چہرے بجھے بھی تھے

جن میں عباس فاروقی اور مس رعنا شیخ بھی تھیں جو اپنے اپنے طور پہ دل ہی دل میں پرنیاں اور معاذ کے طلبگار رہے تھے، پرنیاں کی تو حالت وہ تھی کہ جیسے پتھر کی بن گئی ہو، اسے تو معاذ کے اس اہم راز سے آگاہی کی خبر نہیں تھی کجا سب کے سامنے اس کا انکشاف، صحیح معنوں میں اس کی حرکت نے پرنیاں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، حیرت، غیر یقینی اور گھبراہٹ کیا کچھ یکلخت اس پہ حملہ آور نہیں ہوئے تھے، اسے اپنی کیفیت بھی سمجھ سے باہر لگی آیا وہ حیران ہے خوش ہے یا پریشان، اسے خود کو کمپوز کرنے کو اپنی ساری ہمت جمع کرنی پڑی تھی، آفس کا ماحول ایک دم خوشگوار ہو چکا تھا جس میں دوستانہ بے تکلفی کا احساس چھلکتا تھا، وہ سب لوگ اب معاذ سے بہترین قسم کی ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے تھے اور معاذ اسی خوشدلی سے وعدہ کر چکا تھا، پھر ان چند گھنٹوں کے اندر اندر پورے کالج میں یہ خبر سرعت سے پھیل گئی تھی، پرنیاں میں تاب نہیں تھی لوگوں کی عجیب و غریب نظروں کا سامنا کرنے کی جبھی وہ کترا کر لائبریری کی سمت آ گئی، راستے میں روک روک کر اور وہاں بھی کتنی لڑکیوں نے اسے مبارک باد سے نوازا اور انتہائی ذاتی قسم کے سوال داغنے شروع کر دیے، کب نکاح ہوا؟ چھپا کے کیوں رکھا، ہوسٹل میں کیوں رہتی ہو گھر کی موجودگی کے باوجود وغیرہ وغیرہ۔

''ان کی ساس کو بہو کی خوبصورتی سے ڈر لگتا ہوگا، کہیں رخصتی سے پہلے ہی نہ بیٹا حسین بہو سے حق وصول کر لے۔'' ایک بے باک لڑکی نے آخری سوال کے جواب میں ٹھٹھا لگا کر کہا تھا، پرنیاں کے چہرے سے بھاپ نکلنے لگی، وہاں کے بغیر وہ تیزی سے بیرونی گیٹ کی سمت جانے لگی، اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی، یہاں ٹھہرنا اب محال ہے۔

''میری جان مبارک ہو، سر نے تو کمال کر دیا ہے نا، نیہاں تو کہیں منہ چھپا کر روتی ہوگی۔'' جانے کہاں سے بھاگتی ہوئی ثناء اچانک آ کر اس سے لپٹی تھی، پرنیاں نے ہونٹ کچلے تھے۔

''چلو ثناء چلتے ہیں۔'' اس نے اپنے سرد ہوتے ہاتھ میں ثناء کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کیوں بھئی رکو نا، ابھی تو مزا آنا ہے، ساری لڑکیوں کو آگ لگ ہوئی ہے، شکلیں دیکھنے والی ہیں مرن جوگیوں کی، اپنے اپنے خیالوں میں تو سب سر پہ اجارہ داری جمائے بیٹھی تھیں۔'' ثناء نے دانت کچکچا کر کہا، صاف لگتا تھا وہ اس صورتحال سے بے تحاشا خوش اور مطمئن ہے، پرنیاں کو اس کی سوچ سے شدید اختلاف ہوا تھا مگر اس وقت اسے ٹوکنے کی بھی ہمت نہیں تھی اس میں۔

''ٹھیک ہے تم کروانجوائے میں جا رہی ہوں۔'' وہ پھنکار کر بولی تھی اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گئی گیٹ سے ابھی کچھ فاصلے پہ ہی تھی جب معاذ حسن اور نیہاں سے ایک ساتھ سامنا ہو گیا، وہ فطری طور پہ کنفیوژ ہوئی تھی۔

''آیئے پرنیاں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔''

معاذ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، جسے پرنیاں نے اگلے لمحے ہی چھڑوا بھی لیا، اس کی نگاہ نا چاہتے ہوئے بھی نیہاں سے ملی تھی، کیا تھا اس کی آنکھوں میں بے بسی، کرب رنج یا پھر بے تحاشا نفرت و حقارت پرنیاں کو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ بھی محسوس ہوئی تھی جس نے اس کا دل کچھ اور بوجھل کر دیا۔

''دس از ناٹ فیئر پرنیاں! اب بھی آپ کی ناراضگی اور آپ کا ایٹی ٹیوڈ میری سمجھ سے باہر ہے۔''

معاذ جو اس کے ہمراہ گیٹ سے باہر آیا تھا کس قدر بے بسی سے گویا ہوا، پرنیاں کو تو جیسے آگ سی لگ گئی۔

''اب بھی سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ کون سا کمال کر دیا آپ نے؟'' وہ بھڑک کر کہتی اس پر چڑھ دوڑی تھی، معاذ نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے گاڑی تک لایا تھا پھر اسے سیٹ پہ پٹخ کر دروازہ لاکڈ کرنے کے بعد خود ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تھا اور دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کیا۔

''آپ کو شکایت تھی نا مجھ سے کہ میری وجہ سے آپ کا کردار مشکوک ہو گیا تھا میں نے اسے معتبر کر دیا اور کون سے پہاڑ سر کرانا چاہتی ہیں مجھ سے یہ بھی بتا دیں۔'' ایک ایک لفظ چبا کر کہتا ہوا وہ بری طرح سے خفا نظر آ رہا تھا، پرنیاں اس کے تیوروں سے کس قدر خائف ہونے لگی۔

''آپ کو کس نے بتایا تھا کہ......'' اس کی گھورتی نظروں کی وجہ سے پرنیاں نے گھبرا کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''آپ کے خیال میں میں بے وقوف احمق تھا، مگر اتنا بھی نہیں تھا جتنا آپ نے سمجھ لیا تھا۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ تلخی و نخوت سے جواب دے رہا تھا۔

''اگر آپ کو یہ سب پتہ چل گیا تھا تو آپ......'' معاذ کی نگاہوں کے شاکی انداز پہ پرنیاں نے پھر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں نے تو آپ سے کوئی شکایت نہیں کی پرنیاں حالانکہ آپ نے بھی مجھے کم پریشان نہیں کیا۔'' پرنیاں بے اختیار نظریں چرا گئی۔

''آغاز آپ کی طرف سے ہوا تھا، کسی کو دیکھے بغیر آپ نے اپنی ایک مستقل رائے قائم کر لی، پھر اس پہ ڈٹے بھی رہے، حد تھی خود پرستی کی بھی۔'' وہ خفا خفا سی بولی، تو معاذ نے ونڈ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر بہت شرارتی قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

''میں سارے ازالے کر دوں گا ڈونٹ وری بس تم دیکھتی جاؤ جان من۔'' وہ ایک دم سے پٹڑی چھوڑ گیا پرنیاں بری طرح چونکی اور اس کی نگاہوں میں اترتے استحقاق کے رنگوں کو دیکھ کر اس کی جان ہوا ہونے لگی۔

''بس روک دیں گاڑی، یہاں سے ہاسٹل زیادہ دور نہیں ہے میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس نے گھبرا کر راہ فرار ڈھونڈنی چاہی تھی، معاذ نے ان سنی کر دی تھی۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟'' پرنیاں نے زچ ہو کر خفگی سے اسے دیکھا پھر جھنجھلا کر بولی تھی۔

''ہاسٹل پیچھے رہ گیا ہے سر آپ مجھے یہیں اتار دیں۔''

''سر کی بچہ لگتی تمہیں سر میں بتاتا ہوں، پھر کہو گی سر مجھے؟'' معاذ نے غصے سے اسے دیکھا پھر ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ کو اس کی کمر میں حمائل کرتے ہوئے ایکدم اپنی جانب گھسیٹ لیا، پرنیاں کے حلق سے چیخ نکل گئی، گاڑی نے بے قابو ہو کر لہرائی تھی مگر معاذ کو پرواہ ہی نہیں تھی، وہ اپنے ساتھ اس کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال چکا تھا، فارم ہاؤس میں گھوڑے پہ بیٹھے بھی وہ یہ کرشمہ دکھا چکا تھا حالانکہ تب بھی کئی مرتبہ دونوں توازن کھو کر گرنے سے بچے تھے، مگر معاذ جذباتیت میں ان باریکیوں کی سمت کبھی دھیان نہیں دیتا تھا۔

"نہیں کہتی، نہیں کہوں گی، پلیز آپ گاڑی کو دیکھیں۔" پرنیاں نے اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے بیچ اس کی قربتوں میں جل کر خاک ہوتے بھی سٹپٹا کر بوکھلا کر کہا تھا، معاذ زور سے ہنس پڑا۔

"تمہاری موجودگی میں میرا دھیان کسی اور پہ ہوسکتا ہے ظالم لڑکی۔" وہ مخموری سانس بھر کے کس قدر شریر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"سنو ہمیشہ ایسی ہی میری فرمانبردار رہنا، بہت اچھی لگی ہو مجھے اس طرح۔" اس کے شوخ و شنگ لہجے میں معنی خیزیت کا رنگ بے حد گہرا تھا، پرنیاں اسی حساب سے سرخ پڑ گئی۔

"بہت بدتمیز ہیں آپ۔" وہ جھلا کر یہی کہہ سکی۔

"تمہیں اندازہ ہے تم اس وقت کتنی حسین لگ رہی ہو؟ میرا دل بے حد بے ایمان ہو رہا ہے رئیلی، ہر حد بندی کو توڑنے کی خواہش ہو رہی ہے، ویسے بھی یہ میرا حق بنتا ہے، تم نہیں ستایا تم نے مجھے۔" معاذ نے ذرا سا اس کی سمت جھک کر سرگوشی کی تھی، پرنیاں کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی اس نے بے ساختہ قسم کی گھبراہٹ سے دوچار ہوتے متوحش ہو کر اسے دیکھا تھا، اس کا رنگ کیسے لمحوں میں پیلا پڑ گیا تھا، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"مذاق کر رہا ہوں بھئی بے ہوش نہ ہو جایئے گا۔" وہ آہ بھر کے بولا تب ذرا پرنیاں کے حواس بحال ہوئے تھے، معاذ نے اس کی ہر کیفیت کو بری جزئیات کے ساتھ نوٹس کیا تھا اور اسی لحاظ سے بدمزا ہو گیا۔

"بہت مطمئن اور خوش رہتی ہو نا مجھ سے دور رہ کر مجھے پاگل بنانے کی پھر کیا ضرورت تھی۔" پرنیاں اس انو کے شکوے پہ بے تحاشا خجل ہوتی اس سے نظریں چرا کر خود میں سمٹ گئی، چہرا الگ تپنے سا لگا تھا۔

معاذ کی ایسی باتوں کے دوران ہی وہ دونوں شاہ ہاؤس پہنچے تھے، پرنیاں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس رومینٹک موڈ سے خدا کی پناہ مانگتی رہی تھی، گاڑی پورٹیکو میں رکی تب وہ تیزی سے اندر بھاگی تھی، سب سے پہلا سامنا زینب سے ہوا جو اسے دیکھ کر بے اختیار چہکی تھی۔

"لالہ نے اب تمہیں گھر کیا بیڈ روم تک لے جا کر ہی جان چھوڑنی ہے، لہٰذا نخرے اور ضد چھوڑ دو لڑکی۔" پرنیاں کچھ کہے بغیر بس اس سے لپٹ گئی تھی، معاذ نے آتے ہی سب پر اپنی خفگی جتلا کر سبھی مگر انہیں اپنا کارنامہ سنا دیا تھا نیہاں کی مایوسی تک ساری تفصیل کے ساتھ، زیاد پہ سب سے زیادہ اوس گری تھی، اس کا سارا پلان فیل ہو گیا تھا۔

"آپ کو جہان بھائی نے بتایا ہوگا یقیناً۔"

"میں نے خود سنا تھا، ویسے بھی ذرا سا غور کرنے پہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی تھی۔" معاذ نے یہاں اپنی بیوقوفی کا قصہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"اب آپ مجھے یہ بتائیں مما کہ محترمہ کو منکوحہ سے بیوی کا درجہ کب ملے گا؟" معاذ نے اہم سوال کیا تھا، مما چونکیں۔

"آف کورس بھابھی کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے کے بعد۔" زیاد نے مما کی گھورتی نظروں کی پرواہ کیے بغیر نیا شوشہ چھوڑ دیا، معاذ کو اس جواب پہ تپ چڑھ گئی تھی۔

"اسٹڈی کمپلیٹ ہونے میں ابھی وقت ہے، پھر ہاؤس جاب، سن لیں مما میں اتنا ویٹ نہیں کر

سکتا۔" وہ اپنے مخصوص اکل کھرے انداز میں بولا، پرنیاں نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب خیال کیا تھا، وہ بے باک تھا مگر وہ اس کی بے باکی کے مظاہرے نہیں سہہ سکتی تھی۔

"بہتر ہوگا آپ اپنا معاملہ پپا کی عدالت میں لے جائیں۔" زیاد نے چہک کر اصلاح دی، اسے خوشی ہو رہی تھی کہ معاملہ ابھی ہاتھ سے نکلا نہیں تھا، معاذ ساری حقیقت سے آشنا نہیں ہوا تھا، ایڈونچر ابھی بھی موجود تھا، اب بھی اسے عین مہندی کے دن اس کی شادی کا بتلا کر مزا لیا جا سکتا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ بس میں بتا چکا ہوں۔" وہ نروٹھے پن سے کہتا دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ گیا، اس کے جاتے ہی مما نے زیاد کو گھورا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اب یہ کھڑاک پیدا کرنے کی۔"

"کچھ نہیں ہوتا نا مما! دیکھیں اب بھی کیا کہہ دیا لالے نے کچھ نہیں نا، رئیلی وہ خود بھی انجوائے کریں گے۔" زیاد تب تک انہیں قائل کرتا رہا جب تک مما نے جھلا کر یہی "جو مرضی آئے کرو" کہہ کر جان چھڑالی پھر زیاد نے یہ اہم میسج باقی سب تک بھی پہنچایا تھا تا کہ کہیں رخنہ نہ پڑ جائے مس انڈر اسٹینڈنگ کی وجہ سے اس کے ساتھ حور یہ حسان اور ماریہ وغیرہ بھی پرجوش ہو کر نیا پلان ترتیب دینے لگے تھے۔

☆☆☆

جہان نے کس قدر حیرانی سے اپنے سامنے پڑے بکے کو دیکھا تھا، جس کے مومی چکنے کاغذ کے نیچے سفید ادھ کھلے گلاب تھے، کہیں کہیں سبز پتے جھلک رہے تھے، پھول بالکل تازہ تھے جن کی دلفریب سی مہک پورے کمرے میں پھیل گئی تھی، یہ تقریباً سال بعد اس حرکت کو دہرایا گیا تھا اور ایسا کرنے والا کون تھا وہ نہیں جانتا تھا، اس نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اسی پل اس کا سیل فون بجا تھا، جہان چونک کے متوجہ ہوا، مسز آفریدی کا فون تھا وہ شش و پنج میں پڑ گیا کال ریسو کرے یا نہ کرے، پھر کچھ سوچ کر اس نے فون اٹھا لیا تھا۔

"رخصتی کے لئے تم نے ژالے کو منع کیا ہوگا نا جو وہ ایک ہی تکرار کیے جا رہی ہے۔" وہ چھوٹتے ہی اسے لتاڑنے لگیں، جہان کے ہونٹوں کی تراش میں دل جلانے والی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بہت خوب، اگر مجھے اندازہ ہوتا محترمہ میری اتنی فرمانبردار ہیں تو میں نکاح سے قبل ضرور اس قسم کا رابطہ بحال کرتا ان سے۔" اس کے جواب نے مسز آفریدی جیسی گھاگ اور شاطر عورت کو بھی چکرا کر رکھ دیا تھا۔

"سچ کہہ رہے ہو جہانگیر آپ نے اسے منع نہیں کیا تو پھر وہ کیوں یہی رٹ لگا کر بیٹھی ہے؟" ان کے انداز میں جھنجھلاہٹ اور پریشانی تھی، جہان کو عجیب سا سکون اپنے اندر اترتا محسوس ہونے لگا۔

"آپ بتائیں میں ایسی حماقت کر سکتا ہوں؟ آپ کے اندازے اور سوچ کے عین مطابق مجھ سے تو اب راتیں نہیں کٹتے ہیں ژالے صاحبہ کے ہجر میں، کب یہ چند دن گزریں گے اور وہ مکمل میری دسترس میں ہوں گی۔"

اس نے دانت کچکچا کر کہا تھا، مسز آفریدی کی کھسیاہٹ کا کوئی انت نہیں رہا تھا، اگلے لمحے وہ کال آف کر چکی تھیں، جہان نے تنفر زدہ انداز میں سر جھٹکا اور سیل واپس جیب میں رکھ لیا، پلٹا اور ساکن رہ

گیا، زینب ذرا سی جھکی بکے ہاتھوں میں لیے ناک کے قریب لا کر سونگھ رہی تھی، جھکنے کے باعث اس کے ریشمی بالوں کا آبشار آگے کی سمت گر رہا تھا جسے اس نے ایک ہاتھ سے نزاکت سے پیچھے کمر پہ گرایا تھا پھر سیدھی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''یہ بھی آپ کو ژالے صاحبہ نے بھیجا ہوگا؟'' پتہ نہیں اس کے لہجے میں اتنی کاٹ اور سرد مہری کہاں سے آن سمائی تھی، کتنی حسین تھی وہ چودھویں کے چاند جیسا مبہوت کر دینے والا روشن چہرا تھا، اس کا مگر وہ ہر وقت انگارے چبایا کرتی تھی، جہان نے اس کی ہر بات کے جواب میں خاموش رہنے کا خود سے عہد کیا تھا، جبھی قدم بڑھا دیئے تھے۔

''بات سنیے جے۔'' زینب نے تیزی سے پکارا تھا، جہان رک گیا تھا مگر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

''بہت محبت کرتے ہیں نا ژالے سے؟'' جہان نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا، کیا نہ تھا اس کے چہرے پہ، رقابت کی جلن، نخوت بھری تلخی، اپنے خدشے کی صداقت کا خوف اور انکار سننے کی ایک احمقانہ سی خواہش، جہان کو جانے کیا سوجھی تھی ایکا ایکی اپنے دل کے ساتھ ساتھ اس کے دل سے بھی مخالف چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

''ہاں بہت زیادہ، تم نے سنا نہیں میں ابھی کیا کہہ رہا تھا، مجھ سے وقت کاٹے نہیں کٹتا۔'' زینب کا چہرا یکلخت پھیکا پڑ گیا، اتنا پھیکا کہ ایک پل کو جہان کو اپنی جذباتیت پہ تاؤ آ گیا تھا، مگر صرف ایک پل کو پھر اس نے اپنے دل میں ٹھنڈک پڑتی محسوس کی تھی، زینب نے لمحے کے ہزارویں حصے میں نگاہ جھکا دی تھی، مگر وہ اس کی آنکھ میں گھات لگا کر بیٹھتا ہوا تاسف عجیب سا ملال اور کچھ بہت اہم کھو دینے کی کسک دیکھ چکا تھا نمی سمیت۔

(میں خود تو جل رہا ہوں زینب پھر کیا حرج ہے کہ میں ان لوگوں کو بھی اسی آگ کی لپیٹ میں لے آؤں جو میری تباہی کے ذمہ دار بنے ہیں، اب میں تنہا نہیں جلنا چاہتا۔)

''یہ وہی لڑکی ہے نا جے جس کے متعلق میں ہمیشہ آپ سے سوال کرتی رہی اور آپ مکر جاتے تھے؟'' زینب خود کو شاید سنبھال چکی تھی جبھی اگلا سوال کر دیا تھا، مگر اس کی آنکھیں اتنی ہمت نہیں رکھتی تھیں شاید کہ وہ جہان کا سامنا کر پاتیں، شاید اپنی شکست کا احساس یا بعید کھل جانے کا خوف مانع تھا۔

''اور کون ہو سکتی ہے بھلا؟ یہ سوال تو اب بے معنی نہیں ہو کر رہ گیا؟'' جہان کے جتلاتے ہوئے انداز پہ زینب پھر سے چہرے کو دھواں ہونے سے نہیں بچا سکی، جہان کو اسی پل اندازہ ہوا تھا اس کا دل ایک نرم گوشت کے ٹکڑے کی بجائے سنگلاخ پتھر میں ڈھل چکا ہے، ورنہ زینب کو اس طرح سے زچ کرنے دکھ میں مبتلا کرنے اور فریب دینے کا تو تصور بھی محال تھا اس کے نزدیک۔

''اگر ایسی تھی تو پھر آپ کو ہر کام تھرو پراپر چینل کرنا چاہیے تھا، آپ کو نہیں لگتا اس لڑکی کی عزت اس اقدام سے مجروح ہوئی ہے؟'' وہ تڑخ کر بولی تھی، جہان بلاوجہ مسکرانے لگا۔

''ابھی صرف نکاح ہوا، ہر کام باقاعدہ طریقے سے ہوگا، جہاں تک نکاح کا معاملہ ہے تو یہ قدم بھی میں نے اس لیے اٹھایا تھا مجھے خدشہ تھا اگر یہاں کسی نے کسی وجہ کو بنیاد بنا کر انکار کر دیا تو...... میں ژالے کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔'' زینب کچھ دیر ساکن نظروں سے دیکھتی رہی تھی پھر ہونٹ بھینچ کر تیزی سے پلٹ کر باہر نکل گئی اور جہان وہ تو تھا ہی پل صراط پہ اس کے جاتے ہی نڈھال سے انداز میں صوفے پہ ڈھیر

ہو گیا۔

☆☆☆

''آپ چلیں میں لا رہی ہوں چائے۔'' پرنیاں جو اس کی نظروں سے کنفیوژ ہو رہی تھی، جز بز ہو کر بولی، مما نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا کچھ زیورات پسند کرا رہی تھیں وہ اسے اور نوریہ کو کہ معاذ وہاں ٹپک پڑا تھا۔

''چائے پلوائیں مما جانی!'' وہ زبردستی ان کی گود میں سر گھسا کر لیٹ گیا تھا۔

''اچھا بیٹے بنا دیتی ہوں، آپ ہٹو تو سہی کام کرنے دو مجھے۔''

''یہ اتنا ضروری کام تھوڑی ہے، پہلے میری سنیں۔'' مما مسکرا دی تھیں پھر اس کے بال بگاڑ دیئے۔

''او کے بتاؤ کیا چاہیے۔''

''بیوی چاہیے مکمل قبضہ ملکیت کے ساتھ۔'' وہ پرنیاں کو ترچھی نگاہوں سے دیکھ کر بولا تھا، پرنیاں مما اور نوریہ کی موجودگی میں بے حجابی کے اس مظاہرے پر خفت اور حجاب سے سرخ پڑ گئی تھی، نوریہ تو معاذ کی موجودگی کے ساتھ ہی بہانہ بنا کر نکل گئی تھی۔

''مم میں چائے بنا کر لا دیتی ہوں۔'' پرنیاں کو اور کچھ نہیں سوجھا تو تیزی سے باہر چلی گئی۔

''ماں سے کچھ تو شرم کرتے ہیں بیٹے۔'' مما نے اسے لتاڑا تھا، مگر وہ کہاں پروں پہ پانی پڑنے دیتا تھا۔

''کم ان مما! میں نے کوئی گستاخی تھوڑا ہی کی ہے، اب یہ سوال کرنا بھی میرا حق نہیں؟'' وہ الٹا خفا ہونے لگا، مما نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''نہیں پتر جی آپ کو سارے حقوق حاصل ہیں۔''

''گڈ یہ کی نا آپ نے اچھی سی بات۔'' وہ دانت نکالتا ہوا ان سے لپٹ گیا تھا، پھر وہاں سے اٹھ کر کچن میں آ گیا۔

''میرے سر میں درد ہے اور وہ چائے سے ختم ہونے والا نہیں ہے۔'' پرنیاں اس کی آواز سے گھبرا کر پلٹی، پھر سرعت سے خود کو سنبھالا تھا، وہ بہت اطمینان سے چوکھٹ سے ٹکا کھڑا تھا۔

''کوئی ٹیبلٹ لے لیں نا ساتھ۔''

''ٹیبلٹ سے بھی نہیں جائے گا ریلی۔''

''پھر کیا چاہتے ہیں؟'' وہ کسی قدر جھلائی۔

انگلیاں پھیر میرے بالوں میں
یہ میرا درد بھاگ جائے گا

''یہ اپنی چائے سنبھالیں اور اپنے کمرے میں جائیں۔'' پرنیاں نے چائے چھلکاتا مگ اس کی سمت بڑھاتے بے حد تروٹھے پن کا مظاہرہ کیا تھا، جو معاذ کو کم از کم بالکل پسند نہیں آیا مگ اس سے پکڑ کر سلیب پہ پٹخا اور اسی جارحانہ موڈ میں اسے بازوؤں میں دبوچ کر بولا تھا۔

''تمہیں نہ سنبھال لوں اور لے جاؤں اپنے کمرے میں، سارے مسئلے ہی حل ہو جائیں گے۔'' وہ اس پہ جھک کر دھمکی آمیز انداز میں بولا تھا، لہجے کی گمبھیرتا، قربتوں کی سحر انگیزی کے باوجود پرنیاں کا دل

اچھل کر حلق میں آ گیا۔
''میں نے جو کچھ دیکھا، غلطی سے، میں نے جو کچھ سنا نادانستگی میں، اللہ کے بندوں یہ کچن ہے اور یہاں ایسے سین ممنوع کوئی ہے جو مجھے میرے کمرے تک چھوڑ آئے، کہ میں اب غلطی سے بھی آنکھیں نہیں کھولنا چاہتا۔'' زیاد نے دونوں ہاتھ آنکھوں پہ رکھے ہوئے تھے اور ان کی جھری سے مسکراہٹ چھلکاتی نظروں سے دونوں کو دیکھتا دہائی سی دینے میں مصروف تھا، معاذ جھینپ کر تیزی سے پرنیاں کو چھوڑ کر فاصلے پہ ہوا، پرنیاں کو تو جیسے سارا خون ہی سمٹ کر چہرے پہ آ گیا تھا، تیزی سے رخ پھیر کر وہ بے بسی کے شدید احساس سمیت ہونٹ کچل کر زخمی کرتی رہی۔
''جاہل لڑکے تمہیں تمیز نہیں ہے؟ میاں بیوی کو پرائیوسی میں اس طرح نہیں گھستے۔'' معاذ نے شرمندہ ہونا تو سیکھا ہی نہیں تھا، الٹا اسے لتاڑنے کھڑا ہو گیا، زیاد کی تو آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔
''میاں بیوی سوری صرف میاں کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ کچن جیسی جگہ پہ اس قسم کے پرائیویٹ مظاہرے نہ کرے۔'' زیاد نے چمک کر اس کی غلطی واضح کی۔
''تم تو بیوقوف ہو، مووِیز دیکھو تو پتہ چلے، آدھا رومانس ہیرو ہیروئن کچن میں کرتے ہیں آدھا پبلک اسپاٹ اور بیڈ روم میں، آئندہ کچن میں آنے سے پہلے دروازہ ضرور ناک کرنا۔'' وہ اسی ڈھٹائی سے مشورہ دے رہا تھا، زیاد بیچارا اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

لو آج میں تم سے نکاح عشق کرتا ہوں
مجھے تم سے محبت ہے، محبت ہے محبت ہے

معاذ نے شعر سنا کہ حاضرین سے داد چاہی مگر ان سب کے منہ بنے ہوئے تھے۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے بھئی اتنا زبردست شعر ہے۔'' وہ بھنایا تھا۔
''ہمیں گانا سننا ہے، آپ ننھے منے سے شعر پہ ٹرخا رہے ہیں، ویسے بھی یہ خالصتاً پرنیاں بھابھی کے لئے تھا ہمیں کیا فائدہ ہوا۔'' زیاد نے منہ لٹکا کر کہا تھا معاذ کی ہنسی چھوٹ گئی۔
''گانا بھی تمہاری بھابھی صاحبہ کے لئے ہی ہو گا، تمہیں کیا فائدہ دے گا بھلا؟''
''اوہ ویری نائس مبارک ہو بھابھی آپ کو، ژالے بھابھی کو میں بعد میں کال کر کے مبارک دوں گا کہ انہیں ان کے دیور تیمور حسن نے گانا ڈیڈیکیٹ کیا ہے۔'' معاذ کے طنزیہ لہجے و انداز پہ زیاد تلملایا تھا اور نہایت برجستگی سے بات کا رخ پلٹ کر اپنا بدلہ چکا لیا، پہلے تو معاذ کو اس کی عیاری سمجھ نہیں آئی جب سمجھ آئی تو اس نے زیاد کو اکٹھے کئی گھونسے دے مارے تھے۔
''اب اور دکھا یہ ایفی شینسی میرا دماغ پاگل ہے نا کہ میں اپنی اتنی حسین و جمیل بیوی کو چھوڑ کر ادھر ادھر گانے ڈیڈیکیٹ کرتا پھروں۔'' اس نے اسی وقت اندر آتی پرنیاں کو نثار ہونے والی نظروں سے دیکھ کر زیاد کی درگت بنائی تھی۔
''یار کیا بدتمیزی ہے، مما جان ان کو دیکھ کر کہیں سے بھی لگتا ہے یہ دونوں ڈاکٹر ہوں گے؟'' جنید بھائی نے متاسفانہ نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا، مما جان جواب میں کچھ کہے بغیر مسکراتی رہیں۔
''خوش ہیں میرے بچے، اللہ انہیں نظر بد سے بچائے، جہان کدھر ہے؟ اسے بھی بلا کے لاؤ نا سب

کے بیچ۔'' مما جان کے کہنے پہ حسان جہان کو بلانے کے لئے چلا گیا۔
''ادھر کیوں بیٹھ رہی ہو پرنیاں، یہاں آؤ نا میرے پاس۔'' معاذ نے اسے بھابھی کے ساتھ بیٹھتے دیکھ کر شرارت بھرے انداز میں ٹوکا، وہ کھسیائی تھی اور خفت زدگی کے عالم میں ایک نیچی نگاہ، سب پہ ڈالی اور لمبی پلکیں جھکا دیں، بے حجابی کے مظاہرے وہ کرتا تھا اور خفت ہمیشہ اسے اٹھانی پڑتی تھی۔

کیا کہیں کیا ہے ان آنکھوں میں کہ رکھ دیتی ہیں
اک اچھے بھلے انساں کو دیوانہ کرکے
وہ اگر آنکھوں میں ہی رہتا تو بہت اچھا تھا
اس نے یہ بہت ظلم کیا دل میں ٹھکانہ کرکے

معاذ نے آہ بھر کے کچھ اور شعر لڑھکائے، بھابھی نے ذرا غور کیا پھر اہم نقطہ اٹھایا تھا۔
''آئی تھینک معاذ تمہیں پرنیاں کی آنکھیں کچھ زیادہ ہی پسند ہیں، سب سے زیادہ شاعری تم نے اس کی آنکھوں پہ ہی کی ہے۔'' ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا، معاذ نے ٹھنڈا سانس کھینچ لیا۔
''بہت خوب، جن پہ میں کرتا رہا انہیں خبر نہیں اور گرد خبر مشہوری ہو گی، ویسے بائی دا وے اچھی تو آپ بھی مجھے کبھی نہیں لگیں مگر اتنی بری بھی نہیں لگی تھیں جتنی آج کل...... اندازہ ہے آپ کو کہ آپ میری چیز پہ کیسی پہرہ داری کرتی ہیں، ہمیشہ اسے یوں پاس چپکائے بٹھاتی ہیں جیسے میں کھا جاؤں گا اسے۔'' وہ تلملا کر کہہ رہا تھا، بھابھی نے منہ بنا کر اسے مصنوعی غصے سے گھورا پھر تیکھے لہجے میں بولی تھیں۔
''تمہارا کچھ بھروسہ بھی نہیں ہے، ہماری لڑکی اتنی پیاری ہے کہ حفاظت کی اضافی ذمہ داری سرانجام دینی پڑتی ہے۔''
''یہ ساری پہرے داری دھری رہ جائے گی کسی دن اور......'' اس نے پرنیاں کے سرخ پڑتے چہرے پہ معنی خیز نگاہ ڈال کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا، پرنیاں کا دل دھک سے رہ گیا، اس سے اس معنی خیزیت سے بھری گفتگو کو سننا مزید برداشت نہیں ہوا تھا، جبھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی، معاذ نے سرعت سے اس کی کلائی تھامی تھی۔
''کہاں جا رہی ہو؟ میں گانا سنانے لگا ہوں بیٹھو۔''
''مجھے نیند آ رہی ہے جانے دیں۔'' وہ بے اختیار روہانسی ہو گئی۔
''ایسی کی تیسی نیند کی، اب تمہاری نہیں میری مرضی چلا کرے گی، سمجھی ہو تم، بیٹھو یہاں۔'' وہ رعب دار آواز میں تحکم سے بولا، پرنیاں کے چہرے پہ امڈتی ناگواری کو پا کر بھابھی نے ملائمت بھرے انداز میں خود پرنیاں کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔
''چند منٹ کی تو بات ہے چندا، ٹھہر جاؤ پلیز۔'' پرنیاں کا موڈ آف ہو گیا تھا، مگر دانستہ خاموشی اختیار کی تھی۔

توڑی جو اس نے مجھ سے تو جوڑی رقیب سے
انشا تو میرے یار کی بس جوڑ توڑ دیکھ

معاذ کو بھابھی کو پرنیاں سے سرگوشی میں بات کرتا دیکھ چکا تھا ٹھنڈی آہ بھر کے گویا ہوا تھا، باقی سب اس کی مسخری پہ بے ساختہ ہنسنے لگے، مگر وہ اثر لئے بنا بڑے انداز میں بولا تھا۔

رنجشیں تو ہوتی ہیں محبتوں میں مگر
تم سے یہ کس نے کہا مجھ کو اکیلا کر دو

''کوئی ہے جو ہماری صلح کرا دے؟ بے یار تو ہی سمجھا اپنی بہن کو۔'' اس کا ڈرامہ طول پکڑنے لگا، باقی سب کے ساتھ بھابھی کی بھی ہنسی نکل گئی، پرنیاں ان کو گود میں سوئے عبدالرافع کو پیار کرتی رہی، معاذ نے پھر دہائی دینا شروع کی۔

میری بے بس میری التجا میری ضبط آہ پہ نظر تو کر
مجھے مسکرا کے نہ ٹال تو میری زندگی کا سوال ہے

''چل بس کر یار، اللہ تجھے صبر دے گا۔'' جنید بھائی نے اس کا کاندھا تھپکا۔
''آپ سب لوگ گواہ رہیے کہ......''

انہیں حق دیا ہے میں نے میرے ساتھ دل لگی کا
میرے دل سے کھیلیں جب تک ان کا دل بہل نہ جائے

اس نے پرنیاں کی جانب ہاتھ کا اشارہ کر کے خاصی رنجیدگی سے کہا تھا، زیاد پھر بھی ہنسی کرنے لگا۔
''کچھ اور بھی سنائیں نا۔'' زیاد کو بے پناہ لطف آ رہا تھا، معاذ نے سر تسلیم خم کیا پھر اٹھ کر پرنیاں کے نزدیک آ کر گھٹنوں کے بل جھک کر شوخی و شرارت سے گنگنایا تھا۔

کہنا ہے جناب سے
پیار سے آداب سے
دل کی آواز سے
زندگی کے ساز سے
بڑے اطمینان سے
کہوں اپنی جان سے
آئی لو یو ایمان سے

وہ بڑی فدیانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، پرنیاں کو ٹوٹ کر شرم آئی تھی، اس نے بے اختیار ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ لیا، معاذ دل سے مسکرایا تھا اور کالر اکڑاتا ہوا بڑے ٹھسے سے اٹھ کر واپس اپنی جگہ پہ آیا۔
''یار! اب سنا بھی دے گانا۔'' جنید بھائی نے اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑے، معاذ نے گہرا سانس بھرا۔
''اتنا کچھ تو سنا دیا ہے۔'' وہ پھر نخرے دکھانے لگا۔
''وہ تو نے اپنی نصف بہتر کو سنایا ہے، ہم تو تب سے گانے کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔''
''وہ بھی نصف بہتر کے لئے یہی ہو گا، سوچ لیں۔''
''پسند ہے ہمیں، میں تو سنا ہمیں تیری آواز اچھی لگتی ہے، تیرے نخرے نہیں ختم ہوتے۔'' جنید بھائی کو غصہ آنا شروع ہو گیا تھا، معاذ کو ان کا موڈ بحال کرنا پڑا۔
''راحت کا ہی سنانا او کے؟'' معاذ کو گانے کے آغاز سے پہلے جنید بھائی نے تاکید کی تھی، وہ ان کی بجائے پرنیاں کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

چلوں میں تیرے پیچھے پیچھے باقی سارے بندھن توڑ دوں
جو تیرے تک نہ جائے اس رستے کو چھوڑ دوں
ہر خواب میرا امیر میری میں تم سے جوڑ لوں
سب رشتے ناطے ہنس کے توڑ دوں
بس تجھ سے دل کا رشتہ جوڑ لوں
جڑ گئی جڑ گئی تجھ سے یہ میری زندگی
میں نے تو پائی ہے تجھ میں میری ہر خوشی
کہہ گئی کہہ گئی مجھ سے ساری خود یہ باتیں تیری
اکثر خیالوں میں جو تیرے سنگ کہیں
رکھوں میں لمحہ لمحہ تجھ کو اپنے سینے میں رکھوں
ہر صبح تجھ سے ملنے کی چاہت میں جگوں
اک تو ہی تو ہے ہونٹوں کی ہنسی چہرے کا نور تو
سب رشتے ناطے ہنس کے توڑ لوں
بس تجھ سے دل کا رشتہ جوڑ لوں

تالیوں کی خوبصورت تال میں اس نے گیت ختم کیا تھا، پھر پرنیاں کو دیکھا، اس کے گلرنگ رخساروں پہ حجاب آمیز سرخی تھی، ریشمی پلکوں کا لرزتا سایہ اسے کچھ اور بھی حسین بنا رہا تھا، وہ اسے دیکھتے ہوئے کھونے سا لگا، زیاد نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تھا، تب وہ کھسیا کر سیدھا ہوا اور ایک مخمور سا سانس کھینچا۔

تیرا پیکر در احساس پہ دستک دے کر
رات کے پچھلے پہر روز جگاتا ہے مجھے

''ابھی تو آپ کو اسی پہ گزارا کرنا پڑے گا جی۔'' زیاد نے اسے چھیڑا تھا اور باقاعدہ کندھا تھپک کر حوصلہ بڑھایا، معاذ نے مسکین قسم کی شکل بنائی تھی۔

مچلتے رہتے ہیں ذہنوں میں وسوسوں کی طرح
حسین لوگ بھی وبال جان ہوتے ہیں

اس نے اب کے پرنیاں کو ہی سنایا تھا پھر سرد آہ بھر کے کمرے سے نکلا تب پرنیاں کی جان میں جان آئی تھی۔

☆☆☆

کچھ تم سے محبت ایسی تھی ہم باتیں کرنا بھول گئے
کچھ اور ہی ہم نے کہہ ڈالا جو کہنا تھا وہ بھول گئے
ہم نے تو کہا تھا لوٹ آنا پر تم لوٹ کے آنا بھول گئے
ہوئی رات فلک پر تارے تھے ہم دیا جلانا بھول گئے

میں ساحل پر بیٹھا ہی رہا تم کشتی لانا بھول گئے

اس نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لیا اور اپنے آگے ڈھیر سارا دھواں پھیلا لیا، فضا میں تحلیل ہوتے دھویں کے مرغولوں میں اک منظر ابھرنے لگا، ساتھ میں سرگوشی سے مشابہہ کچھ آوازیں۔

''بہت محبت کرتے ہیں ژالے سے؟'' اس کے ہونٹوں کی لرزش آنکھوں کا ہراس جہان کے دل پہ کند چھری کا وار کر رہا تھا۔

''ہاں بہت زیادہ، تم نے سنا نہیں ابھی میں نے کیا کہا؟'' اسے اپنی سفا کی یاد آئی اور دل خون ہونے لگا۔

کچھ اور ہی ہم نے کہہ ڈالا جو کہنا تھا وہ بھول گئے

پتہ نہیں یہ حالات کی ستم ظریفی تھی قسمت کی یا پھر خود زینب کی، جو بھی تھا جیسا بھی تھا وہ اپنے دل سے اپنی خواہش کے سامنے دغا بازی اور غلط بیانی کر کے سرشار نہیں رہ سکتا تھا، لمحہ لمحہ جل رہا تھا تڑپ اور سلگ رہا تھا، دروازہ ناک ہوا اور اگلے لمحے پپا نے اندر قدم رکھا تھا، سگریٹ اس کے ہونٹوں کے درمیان تھا اور آنکھوں میں وحشتوں اور کرب کا بسیرا، پپا تو اسے دیکھ کر ہی ٹوٹنے لگے تھے، بوکھلایا تو جہان بھی تھا یوں غیر متوقع طور پہ انہیں سامنے پا کر۔

''چاچو آپ نے مجھے بلوالیا ہوتا، خیریت ہے نا؟'' اس نے سگریٹ پھینک کر جوتے سے مسلا تھا اور شرمندگی وخجالت سے چور ان سے نگاہیں چار کیے بنا بولا۔

''آپ نے ژالے کو رخصتی سے منع کر کے اچھا نہیں کیا بیٹے۔'' جہان کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، اس نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں۔

''یہ میری خواہش تھی بیٹے! میں آپ کو یوں تنہا سلگتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

''سوری چاچو۔'' وہ بوجھل آواز میں یہی کہہ سکا۔

''اپنا خیال رکھا کرو بیٹے! اینی ویز آپ کی خواہش مجھے ہر حال مقدم ہے مگر میں چاہتا ہوں ژالے کو شادی سے کچھ دن قبل یہاں بلوالوں، بچی سب سے متعارف بھی ہو جائے گی اور شادی میں شریک بھی، لیکن اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو......'' جہان ان کے سوالیہ انداز کو پا کر ایکدم خفت زدہ ہو گیا۔

''جیسے آپ مناسب سمجھیں چاچو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ گڑبڑا کر بولا تھا، پپا نے آہستگی سے اس کا شانہ تھپکا اور دعائیں دیتے واپس چلے گئے، انہیں گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے، جب معاذ زیاد حسان سمیت باقی سب نے بھی اس کے کمرے پہ دھاوا بول دیا تھا۔

''آپ کے تو وارے نیارے ہیں جناب! سنا ہے ژالے بھابھی بھی تقریب میں شریک ہوں گی۔'' زیاد نے مسکراتی آنکھوں میں شرارت بھر کے اس سے استفسار کیا تھا، جہان کیا کہتا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''تم نے بالکل اچھا نہیں کیا شادی رکوا کر جے۔'' معاذ خفا خفا سا بولا تھا، جہان نے محض اس کا ہاتھ دبا دیا گویا خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''کون لائے گا بھابھی کو یہاں؟'' حسان بھی بے حد متجسس ہو چکا تھا۔

''لانے کو لانا چاہیے اصولاً تو۔'' زیاد کی بات پہ معاذ کو دھچکا لگا تھا۔

''کیوں مجھے کیوں، جے کا کام ہے یہ۔''

''پرنیاں بھابھی کو جو ہر بار جہان بھائی لاتے رہے ہیں۔'' زیاد کی وضاحت پہ معاذ کا منہ بن گیا تھا۔

''وہ تو میں یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا یعنی میں خفا تھا نا جے کا تو ایسا کوئی مسئلہ ہی نہیں، کیوں جے؟'' معاذ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا جہان اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ پتہ نہیں اس سے کیا سننے کا متمنی تھا، اس کی خاموشی پہ معاذ کا موڈ آف ہونے لگا۔

''بس تم لے کر آؤ گے انہیں جے میں کہہ چکا ہوں۔''

کچھ دیر بعد جب وہ سب ہلہ گلہ مچا کر چلے گئے اور معاذ جہان کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو معاذ نے اپنی بات زور دے کر کہا تھا۔

''ہمیں آخر ضرورت کیا ہے اس تکلیف میں پڑنے کی معاذ جسے آنا ہو گا خود آ جائے گا۔'' وہ جھنجھلا گیا تھا اس کی ایک رٹ سے۔

''تو تم نہیں مانو گے میری بات؟'' معاذ خفگی سے اسے گھورنے لگا۔

''بات ہو بھی تو ماننے والی نا، میں اتنا اتاؤلا نہیں ہو رہا ہوں کہ محترمہ کو خود لینے پہنچ جاؤں۔'' وہ تنفر سے بولا تھا، معاذ ٹھنڈا سانس بھر کے اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔

''تم بہت ضدی ہو رہے ہو جے!''

''یہی سمجھ لو، مگر میں کوئی فضول بات ماننے سے قاصر ہوں۔'' وہ نروٹھے پن سے کہتا وہاں سے چلا گیا، معاذ حیران رہ گیا تھا۔

☆☆☆

لفظ ٹوٹے لب اظہار تک آتے آتے
مر گئے ہم تیرے معیار تک آتے آتے
ہم سمجھتے تھے کہ کچھ وقت لگے گا شاید
اک انکار کو اقرار تک آتے آتے
ہاتھ رکھنا پڑا سینے پہ ہمیں بھی آخر
دل کہاں رہتا ہے دلدار تک آتے آتے
اک لمحے کی مسافت بھی بڑی ہوتی ہے
ہم کو تو عمر لگی یار تک آتے آتے

اس نے کسی قدر غصے کے عالم میں اس کا راستہ روکا تھا، پرنیاں نے جز بز ہو کر اسے دیکھا۔

''کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ اس طرح؟'' اس کی آنکھوں میں اپنی نظر اندازی پہ آگ سی سلگ رہی تھی، پچھلے کئی دنوں سے پرنیاں نے عجیب سی روش اپنالی تھی، اس سے گریز کی روش، اگر وہ شاہ ہاؤس میں ہوتی تو اس کے سائے سے بھی بدکا کرتی، سب کے ساتھ بھی اس کے سامنے نہ بیٹھی، کالج میں بھی اس سے سامنے پہ اس طرح اجنبی بن جاتی جیسے کبھی کوئی تعلق واسطہ ہی نہ رہا ہو، معاذ اس کے یوں رنگ بدل جانے پہ زیادہ تلملا رہا تھا۔

''میں بھی آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ تڑخ کر بولی مگر معاذ کو شرارت سوجھ گئی تھی۔

''کیا کر رہا ہوں، ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے، پھر بھی الزام......'' اس کی آنکھوں میں شوخ جذبوں کی بے باک لپک تھی، جو پرنیاں کے اندر تک جھلاہٹ بھر گئی۔

''شٹ اپ پلیز، یہ کالج ہے کم از کم اس کے تقدس کا ہی خیال کر لیں۔'' اس نے بھڑک کر ٹوکا تھا، معاذ نے بھینچا ہوا سانس کھینچا۔

''کالج ہو یا مدرسہ، تم ہر جگہ پہ میری بیوی ہو رہو گی۔'' اس نے صاف جتلایا تھا، پرنیاں اسی حساب سے زچ ہوئی۔

''راستہ چھوڑیں میرا۔''

''تم میرے ساتھ چلو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

''میں نہیں جا رہی، آپ اپنی اصلاح کر لیں پہلے پھر میں بھی یہ گریز چھوڑ دوں گی، ہر جگہ آپ مجھے ذلیل کرانے پہ تل گئے ہیں۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ پھنکاری، معاذ کے اعصاب کو زبردست شاک لگا تھا۔

''تمہیں اندازہ ہے پرنیاں تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ اس شاک سے نکلا تو متاسف ہو کر بولا تھا، پرنیاں کے چہرے کے عضلات میں موجود سختی میں پھر بھی کمی نہیں آ سکی۔

''بالکل اندازہ ہے بلکہ مجھے یہ بات کہنے پہ آپ نے مجبور کیا ہے، میں عاجز آ گئی ہوں آپ کی ہر وقت کی شوخ حرکتوں، مذاق سے، حد ہوتی ہے کسی بات کی۔'' اسے اندازہ تک نہ ہو سکا اس کے الفاظ کس درجہ سنگینی سمیٹ لائے تھے، معاذ کے چہرے پہ ایک دم سائے لہرانے لگے۔

''میری محبت تمہیں بے زار کرتی ہے؟'' وہ خاصی تاخیر سے بولا تھا، تو لہجہ بھینچا ہوا سا تھا۔

''بات یہ نہیں ہے معاذ مگر آپ کو خیال کرنا چاہیے، سب کے سامنے ایسے مظاہرے، آکورڈ لگتا ہے۔'' وہ شاید خود بھی اپنے رویے کی بدصورتی سے آگاہ ہو گئی تھی، جبھی دھیرج سے بولی مگر معاذ کے چہرے کے تاثرات جو بے حد سرد ہو چکے تھے ان میں نرمی آئی نا ہی تبدیلی۔

''تم سمجھتی ہو تم نے یہ جو حد بندیاں قائم کی ہیں انہوں نے تمہیں سیفٹی دے دی ہے؟'' وہ اسی سنگین و مطمئن لہجے میں بولا تھا، پرنیاں کا سارا اعتماد اور طنطنہ اس کے رویے کی ڈھیل تک برقرار رہتا تھا، جہاں اس نے مزاج کا رنگ بدلا وہیں اس کی جان ہوا ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' وہ اسی برہم موڈ اور خطرناک سنجیدگی کے ساتھ بولا تھا، تشویش اور گھبراہٹ نے پرنیاں کو بے حال کر دیا، تو وہ گویا بری پھنسی تھی۔

''آ...... آپ میری بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں معاذ...... آپ۔''

''تم جا سکتی ہو پرنیاں! اب تم سے میں تب ہی پیار جتلاؤں گا بات کروں گا جب مکمل تنہائی ہوا کرے گی، آف کورس تمہیں لوگوں کا خیال مجھ سے زیادہ ہے۔'' وہ اسی طرح خراب موڈ کے ساتھ بولا بلکہ اسے وہاں متفکر اور پریشان چھوڑ کر خود آگے بڑھ گیا، پرسوں شام کے وقت جب مما کے کہنے پہ وہ انہیں شاپنگ کرانے کو لے جا رہا تھا، پرنیاں نے اس کا ساتھ جانے کا سن کر ہی ارادہ بدل دیا تھا، پھر وہ

سب کے اصرار کرنے پہ بھی آمادہ نہیں ہوئی تھی، تب معاذ کے تصور تک بھی نہیں تھا کہ وہ یہ سب کچھ اسی حکمت عملی کی وجہ سے کر رہی ہے، وہ جیسے جیسے سوچ رہا تھا اسی حساب سے سلگ رہا تھا جب سے پرنیاں کے ساتھ اس کی انگیج منٹ ہوئی تھی وہ قدم قدم پہ ذلیل اور ہرٹ ہوتا رہا تھا، وہ انا پرست تھا اور اسی لحاظ سے حساس بھی، اس کے اندر ایک جنگ سی چھڑ گئی توہین کا جان لیوا احساس تھا جو کچوکے لگاتا رہا تھا، پرینال اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی جو اپنی معصومیت حسن و پاکیزگی کے باعث دل کے ایوانوں پر حکمرانی کرنے لگی تھی، اس نے اس سے بہت پاکیزہ اور شفاف محبت کی تھی مگر اسی نے ہر لحہ ہر پل اس کو ہی نہیں اس کے جذبوں کو بھی پیروں کی ٹھوکروں پہ رکھا تھا، پتھر پر بھی مسلسل پانی کی بوند گرتی رہے تو اس میں بھی سوراخ کر دیتی ہے، وہ تو پھر انسان تھی، اس پہ اس کی محبت نے اثر نہیں کیا تھا تو معاذ کے اندر اس تضحیک آمیز رویے سے تلخی اور انتقامی کاروائی کا جذبہ بیدار کر دیا تھا، وہ بچپن سے ایسا ہی تھا انتہا پسند، محبت میں ٹوٹ کر چاہنے والا جان نچھاور کر دینے کو تیار، نفرت و انتقام میں توڑ دینے والا جان نکال لینے کے درپے ہو جاتا، اس کے اندر پرنیاں کی نظر اندازی اور پھر مسلسل رد ہونے نے انگارے چٹخا دیئے تھے، اتنی شدید کھولن تھی بے حد جلن، بس ایک ہی احساس تھا کہ اس پہ اپنی برتری اپنی اہمیت جتلانا چاہتا تھا، کچھ دیر وہ ٹہلتا اور سگریٹ پھونکتا رہا تھا پھر کمرے سے نکل کر تیز قدموں سے نیچے چلا آیا۔

''مما!'' اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر پکارا تھا۔

''خیریت ہے نا مما کچن میں ہیں۔'' زینب نے اسے غور سے دیکھا تھا، وہ معمول سے ہٹ کر سنجیدہ اور ملول نظر آ رہا تھا، معاذ نے قدم بڑھا دیئے تھے، وہ کچن میں آیا تو مما ملازمہ اور بھابھی کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری میں بری طرح مصروف تھیں اس نے ملازمہ کو وہاں سے ٹرخایا پھر مما سے دو ٹوک انداز میں مخاطب ہوا تھا۔

''مما میں پرنیاں کی رخصتی چاہتا ہوں فوری۔'' مما تو اس آرڈر پہ ہی ششدر ہو گئی تھیں، اس پہ اس کا جارحانہ انداز۔

''بیٹے ہو جائے گی رخصتی بھی، کام ڈاؤن۔''

''کب ہو جائے گی؟ میں نے کہا نا فوری۔'' اس کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، بھابھی نے مسکراہٹ چھپا لی۔

''ہر بات کے کچھ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں مائی سن! بٹ ڈونٹ وری سب کچھ آپ کے حسب منشا ہو گا۔'' مما نے اسے پیار سے دیکھا تھا۔

''مجھے قواعد و ضوابط سے کچھ لینا دینا نہیں ہے مما! میرا کام کریں سب آپ۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا معاذ؟ آپ آج کہیں گے ہم آج تو بچی کو رخصت کرانے سے رہے نا، کچھ دن ٹھہر جاؤ۔''

''آپ بس مجھے ٹرخا رہی ہیں، خیر میں سمجھتا ہوں میں نے اپنا فرض ادا کر دیا، کل کوئی مجھ سے شکایت نہ کر سکے۔'' اس کا لہجہ بغاوت اور سرکشی لئے ہوئے تھا، مما تو حق دق رہ گئیں۔

''کیا مطلب ہے بیٹے! یہ بھلا کیا بات ہوئی۔'' مما پکارتی رہ گئیں، مگر وہ جیسے آندھی طوفان کی طرح سے آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا مما ہولتیں ہوئیں اس کے پیچھے لپکی تھیں کہ بھابھی نے نرمی سے انہیں تھام

لیا تھا۔

"آپ کیوں گھبرا رہی ہیں چچی جان!"

"وہ کیا کہہ گیا ہے، دیکھا آپ نے؟ اتنے غصے میں تھا کہ......" وہ حراساں ہونے لگیں بھابھی مسکرا دی تھیں، یہ مسکراہٹ تسلی آمیز تھی۔

"پرنیاں سے کوئی نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا ہو گا، پتہ تو ہے کتنا جذباتی ہے، اگلے لمحے بالکل ٹھیک بھی ہو جاتا ہے، ڈونٹ وری۔"

"مگر میرا دل ڈر رہا ہے بیٹے اس کا غصہ ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"چلیں آپ فکر نہ کریں، میں کال کرتی ہوں معاذ کو سمجھاتی ہوں۔" بھابھی کے رسان سے کہنے پہ ممانے سر اثبات میں ہلا دیا، مگر ان کی پریشانی ہنوز قائم تھی۔

☆☆☆

"تم ہمیشہ کے لئے جا رہی ہو نا پری؟" آج اس کی مایوں تھی اور ہوسٹل کے کمرے میں پرنیاں کا آخری دن، ثناء بے حد ملول ہو رہی تھی، خود پرنیاں کا بھی دل اداس سا تھا بار بار آنکھیں بھر آئیں، ثناء کے ساتھ اس کا یادگار وقت گزرا تھا ہر لمحہ بے حد قیمتی تھا، کچھ کہے بغیر پرنیاں اس کے گلے لگ گئی۔

"افوہ رونے کی ضرورت نہیں ہے پری، ہم کالج میں ملتے رہیں گے نا، جب دل چاہے گا تم مجھ سے ملنے آ جانا ورنہ میں خود چلی آیا کروں گی۔" ثناء اس کی آنکھیں چھلکتی دیکھ چکی تھی، جبھی ڈھارس بندھانے لگی مگر پرنیاں کے آنسو پھر بھی بہنے لگے تھے۔

"کیوں رو رہی ہو یار؟ اتنا ہینڈسم دولہا مل رہا ہے بیٹھے بٹھائے، ہنسو خوشی مناؤ، مجھے تو ایکسٹرا دعائیں مانگنی ہیں تمہارے لئے کہ اتنی دعائیں ہیں تمہارے ساتھ۔" ثناء نے زبردستی اسے خود سے الگ کیا اور اس کے آنسو اتنی محبت اور توجہ سے پونچھے کہ پرنیاں کو پھر سے رونا آنے لگا۔

"تم میرے ساتھ چلو نا، شادی کے بعد آ جانا۔" پرنیاں نے گلوگیر آواز میں کہا تھا، ثناء نے منہ لٹکا لیا تھا۔

"بس اب تم میرے جذبات نہ چھیڑو، اتنا دل چاہ رہا تھا میرا مگر وارڈن نے پرمیشن نہیں دی۔"

"معاذ سے سفارش کرا لو نا، حل ہو جائے گا مسئلہ۔" پرنیاں کے کہنے پہ ثناء نے اسے شرارت سے بھرپور انداز میں آنکھیں نچا کر دیکھا۔

"معاذ......؟ اب سر کیوں نہیں کہتی ہو؟" پرنیاں بری طرح سے جھینپی پھر شرمیلی مسکان کے ساتھ بولی تھی۔

"اک بار کہہ دیا تھا مائنڈ کرتے ہیں نا اس لئے۔"

"افوہ، تم تو ابھی سے ان کے رنگ میں رنگ گئی ہو، بعد میں کیا ہو گا؟" ثناء نے اسے گدگدایا تھا وہ کچھ اور جھینپ گئی، تبھی اس کے لئے وارڈن کا پیغام آ گیا تھا کہ اسے کوئی ملنے آیا ہے، وہ حیران سی ہو کر وال کلاک کو دیکھنے لگی۔

"اتنی جلدی آ گئے جہان بھائی؟ انہیں تو شام کو آنا تھا۔"

"جاؤ دیکھو تو سہی ہے کون۔" ثناء کے کہنے پہ وہ دوپٹہ اچھی طرح پھیلا کے اوڑھتی وزیٹنگ روم

میں آئی تو پہلے ہی مقام پہ اسے جھٹکا لگا تھا، آف وائٹ پینٹ کوٹ میں اپنے نمایاں ہوتے قد فریش شیو اور مضبوط کسرتی وجود کے ساتھ بے حد خوبرو نظر آتا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

"آ......آپ؟" اس کی آواز لرز سی گئی پلکوں پہ جانے کسی خیال سے منوں کے حساب سے بوجھ آ گرا، معاذ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا آہستگی سے رخ پھیر کے اسے دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے، چلیں گی؟" عجیب سا انداز تھا لیا دیا اور بیگانگی سے لبریز، پرنیاں کو صاف محسوس ہوا وہ پچھلی ملاقات کی بات کو لے کر روڈ ہوا ہوا ہے، جبھی اس نے ازالہ کرنا چاہا تھا، ویسے بھی اب تو ساری زندگی اسی کے مزاج اور تیوروں کو دیکھ کر قدم اٹھانا تھے پھر ابھی کیا حرج تھا، اس نے اس سے اس کے آگے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جی بہتر، آپ ویٹ کریں میں اپنا سامان لے آتی ہوں۔" وہ آہستگی سے کہتی الٹے قدموں مڑی تھی کہ معاذ نے ٹوک دیا تھا۔

"سامان رہنے دیں بعد میں آتا رہے گا۔"

"مم......مگر......" پرنیاں اسے اپنا یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانے کا بتانا چاہا مگر پھر وجہ بھی کھولنا پڑتی وہ جھجک گئی تھی۔

"مگر کیا؟" معاذ کی پیشانی پہ بل آیا، پرنیاں نے آہستگی سے سر کو نفی میں جنبش دے ڈالی تھی۔

"کچھ نہیں چلیں۔" معاذ نے کچھ دیر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا، پھر اس کے سراپے کو ٹی پنک نفیس ایمبرائیڈری کا بے حد اسٹائلش سوٹ اس کے متناسب موی سراپے پہ بہار دکھا رہا تھا، وہ شاید کچھ دیر پہلے نہائی تھی مہکتے مہکتے نم بالوں کی کچھ لٹیں بار بار اس کے چہرے اور گردن سے لپٹتی تھیں، پیروں میں میچنگ کی نفیس سی چپل، وہ اس کے اس طرح جائزہ لینے پہ جھجک کر خود میں سمٹنے لگی تو معاذ چونکا تھا اور سگریٹ پھینک کر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا، پرنیاں نے چند منٹ اسے روک کہ عجلت میں اپنا بیگ لیا تھا، ساتھ ہی ثنا کو معاذ کے ساتھ جانے کا بھی بتا دیا۔

"یار یہ سر تو کچھ زیادہ ہی بے صبرے نہیں نکلے، خیر کیا کر سکتے ہیں۔" ثنا نے آہ بھری تھی، وہ معاذ کے ہمراہ پارکنگ تک آئی تو ہاسٹل کے کمروں کی اکثر کھڑکیاں کھل گئی تھیں، وہ جانتی تھی ہر کھڑکی کے پیچھے دو سے زیادہ آنکھیں رشک و حسد سے اسے دیکھ رہی ہوں گی، اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ آنے لگی، معاذ نے پہلے اسے بٹھایا تھا پھر خود سیٹ سنبھالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی، پرنیاں نے اسے کنکھیوں سے دیکھا، وہ ویسا ہی سنجیدہ اور سپاٹ چہرا لئے ڈرائیو کر رہا تھا، جانے کیوں پرنیاں اس کے موڈ سے خائف ہونے لگی، اسے یاد آیا چند دنوں قبل اس نے کہا تھا اس کی موجودگی میں وہ کسی اور سمت توجہ نہیں دے سکتا مگر وہ اب اس کے پہلو میں تھی اور اسے شاید احساس تک نہیں تھا، معاذ کو ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالے دوسرے سے سگریٹ سلگاتے دیکھ کر پرنیاں نے گہرا سانس بھرا تھا اور لائیٹر اس کے ہاتھ سے لے کر خود ہلکا سا دباؤ ڈال کر شعلہ بھڑکا دیا تھا اور اس کی سمت کر دیا، معاذ نے چونک کر بلکہ ٹھٹک کر اسے دیکھا، پھر ہونٹوں کے بیچ دبے سگریٹ کی وجہ سے آگے جھکتے ہوئے سگریٹ سلگالی۔

"تھینکس۔" ڈھیر سارا دھواں اس کے منہ پہ چھوڑتے ہوئے وہ لمحہ بھر کو ہی مسکرایا تھا، پرنیاں کو تو بس مسکراہٹ کا گمان ہی ہوا تھا، اس نے عجیب سے احساس میں گھرتے لائیٹر واپس ڈیش بورڈ پہ ڈال

دیا، معاوہ چونک گئی تھی، یہ راستہ شاہ ہاؤس کی سمت تو نہیں جاتا تھا، اس نے معاذ کو دیکھا پھر کچھ الجھ کر بولی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"افق کے اس پار جہاں زمین اور آسمان آپس میں ملتے ہیں، ملاپ کا مطلب سمجھتی ہیں؟ وہ بھی زمین اور آسمان کے؟" اس کی چپ ٹوٹ گئی تھی، وہ اسے دیکھ کر بھنوؤں کو جنبش دے کر بولا تھا، سنجیدگی البتہ برقرار تھی۔

"زمین اور آسمان کبھی نہیں ملتے۔" پرنیاں نے جیسے بات برائے بات کہا تھا، معاذ مبہم سا مسکرایا۔

"آج مل جائیں گے، آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی۔" اس کے لہجے میں زعم تھا عجیب سا نخوت تھا، پہلی بار پرنیاں کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں معاذ؟" وہ کس قدر متفکر ہوئی تھی، اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔

"ابھی پتہ چل جائے گا نیچے اتریں۔" معاذ نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی، پرنیاں نے حیران نظروں سے باہر کے منظر کو دیکھا، جہاں کھڑکی کے پار شاندار ہوٹل کی جگمگاتی بلند عمارت موجود تھی، اس کا دل دھک دھک کرنے لگا مگر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا گلاس ڈور دھکیل کر ماربل کے چکنے فرش پہ سبک قدموں سے چلتی وہ معاذ کے ریسپشن پہ آ کر تھم گئی تھی، معاذ کو کاؤنٹر سے کمرے کی چابی وصول کرتے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا، اس کا خیال تھا معاذ وہاں کھانا کھانے آیا ہو گا مگر اس نے تو کمرے کی ریزرویشن کروا رکھی تھی۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہیں اس طرح؟" معاذ جیسے ہی اس کی سمت پلٹا وہ سٹپٹا کر بولی تھی، معاذ نے جواب دینے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، پرنیاں کو ایکدم کسی انہونی کا احساس جاگا تھا، اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر معاذ کی گرفت بے حد مضبوط تھی، پرنیاں کو ایک لمحے کے لئے لگا وہ لہرا کر گر جائے گی، مگر خیریت گزری معاذ لفٹ کے ذریعے اگلے چند منٹ میں اپنے مطلوبہ روم کے سامنے تھا۔

"آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں ہیں آپ اس طرح......"

"رخصت کرا کے لے آیا ہوں تمہیں، کچھ وقت گزاروں گا یہاں تمہارے ساتھ، پھر تم میری منکوحہ ہی نہیں بیوی بھی ہو گی۔" دروازہ لاکڈ کر کے معاذ نے اس کا سرد ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا، پرنیاں کے چہرے کا رنگ ایکدم سے اڑ گیا، زمین اس کے قدموں تلے سے سرکنے لگی، اس نے سراسیمہ ہو کر معاذ کے سرد تاثرات والے چہرے کو دیکھا تھا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"آ...... آپ مذاق کر رہے ہیں نا؟" معاذ نے دیکھا اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں اور آنکھوں میں تیزی سے آنسو جمع ہو رہے تھے۔

"نہیں میرا مذاق کا تم سے کوئی رشتہ نہیں رہا ہے، تمہیں میرے ہر وقت کی مذاق کی عادت پسند نہیں تھی نا۔" وہ سفاکی اور نخوت زدہ انداز میں جواب دے رہا تھا۔

باقی اگلے ماہ ☆☆☆

علیھا کوشش کے باوجود پرسوں ہونے والا واقعہ نہیں بھول پا رہی تھی، ہوا کچھ یوں تھا کہ کالج سے واپسی سڑک پر بیٹھے ایک معذور شخص کو اس نے فقیر سمجھ کر پیسے دینے چاہے تھے اس معذور شخص نے ناگواری سے پیسے دور پھینک دیے، علیھا اس کی حرکت پر حیران ہوئی تھی، اسے اس فقیر پر غصہ آیا۔

"مجھے پیسے نہیں چاہیں تھوڑا سا امن دے دو اگر ہو تمہارے پاس۔

امن۔" علیھا زیر لب بڑبڑائی وہ کتنی نایاب شے مانگ رہا تھا۔

"میرا بیٹا مار دیا ظالموں نے، میرا حسن لا دو کہیں سے......" وہ اب روتے ہوئے فریاد کر رہا تھا، علیھا کو اس پر ترس آیا۔

"ہک ہاں یہاں تو جانے کتنے حسن جا چکے ہیں کتنے باپ اپنے جوان بیٹوں کی میتوں کو

کاندھے دے چکے ہیں۔" علیھا نے دکھ سے سوچا۔

یہ تو ڈیسائیڈ ہو چکا ہے کہ ہمیں اس وقت "روٹی، گیس، بجلی، کپڑا، مکان اور تعلیم سے زیادہ "امن" کی ضرورت ہے یہ سب چیزیں تو زندہ لوگوں کی ضرورت ہوتی ہیں اور جب زندہ ہی نہیں ہونگے تو ان چیزوں کی کیا حیثیت۔

باہر سے شاہین پھپھو کی تیز آواز اسے حال میں لے آئی۔

"لگتا ہے پھر پانی پت کی جنگ چھڑ گئی ہے۔" علیھا نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے کہا۔

شاہین احمد، انتخاب احمد کی ایک اکلوتی بیٹی کالج میں لیکچرار تھی وہ ایگزامز کے بعد چھٹیوں کی وجہ سے گھر آئی ہوئی تھی اس گھر کی ریت کے مطابق ان کا بھی ایک فیورٹ لیڈر تھا صبح سے شام تک وہ اسی کی تعریفوں میں رطب اللسان رہتی تھی۔

کوثر معراج اور شاہین میں کبھی نند بھاوج والی روایتی لڑائی نہیں ہوئی تھی پر آج کل آمریت اور جمہوریت کے موضوع پر گھر کے مکینوں کو صبح و شام پانی پت کی لڑائی دیکھنے کو ملتی تھی، انتخاب احمد بہو کے حامی تھے وہ اس معاملے میں اپنی پڑھی لکھی اور سمجھ دار بیٹی سے مکمل اختلاف کرتے تھے۔

"اُف یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں، ویسے گھر میں ہی کیا اس وقت پورے ملک کی یہی حالت ہے۔" علیھا نے اٹھتے ہوئے خود کلامی کی اور باہر چل دی، ہال کمرے میں ماما شاہین پھپھو کے اور شاہین پھپھو ماما کے لیڈر پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے میں مصروف تھیں، پاپا اخبار ہاتھ میں لئے بیوی اور بہن کی لڑائی میں محظوظ ہو رہے تھے۔

"ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے۔" علیھا نے بے ساختہ سوچا۔

"بدترین سے بدترین جمہوریت آمریت سے بہتر ہے۔" علیھا نے جوش سے کہتی ماما کو دیکھا جمہوریت کی تعریف میں سارے قول انہیں ازبر تھے۔

"کون سی جمہوریت؟ کیسی جمہوریت؟ ہمیں کیا دیا جمہوریت نے؟ تاریخ گواہ ہے پاکستان نے آمروں کے دور میں ترقی کی ہے۔" شاہین پھپھو کو فوج سے عشق تھا۔

علیھا کی نظر کونے میں بیٹھے شینو پر پڑی جو چہرے پر مسکراہٹ سجائے مزے لے لے کر ملک کے مہذب شہریوں کو لڑتے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" علیھا نے غصے سے شینو کو دیکھا۔

"لڑائی دیکھ رہا ہوں چھوٹی بی بی۔" شینو جواب دے کر پھر سے مصروف ہو گیا۔

"تمہیں کوئی کام نہیں ہے کیا؟"

"اب کیا کام ہونا ہے بی بی جی، الیکشن آنے والے ہیں ہر گلی محلے میں یہی صورتحال ہے اسے کہتے ہیں "آم کٹے سرکاروں کے، گھل گھل کے مریں غلام" انہیں کیا ملے گا اگر ان کے لیڈر جیت بھی گئے تو، وہ تو انہیں پوچھیں گے بھی نہیں اور یہ پاگل عوام ان کے لئے مرنے مارنے پر اتری ہوئی ہے۔" شینو نے افسوس سے کہا اور پھر دلچسپی سے لڑائی دیکھنے لگا۔

علیھا خاموشی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

صحن میں وجاہت چچا کا اکلوتا سپوت حیان ٹہل ٹہل کر بک ہاتھ میں لئے رٹا مارنے میں مصروف تھا، جیسے جیسے اس کے ایگزامز قریب آ رہے تھے وہ پڑھائی میں تھوڑا سنجیدہ ہو گیا تھا نہیں تو وہ صبح سے شام تک انٹرنیٹ سے چپکا رہتا تھا۔

علیھا کے بعد وہ گھر میں واحد ہستی تھا جسے سیاست سے چڑ تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی تک وہ این آئی سی سے محروم تھا عمر کم ہونے کی وجہ سے Democracy is a from of government. it is the government which functions with the opinion and suggestions of the people. وہ شاید جمہوریت پر مضمون یاد کر رہا تھا اس کی نظر جیسے ہی علیھا پر پڑی اس نے ہاتھ ہلا کر "ہائے" کہا اور پھر سے رٹا مارنے میں مصروف ہو گیا۔

The best drfinition of democracy is given by abraham lincoln,

"Democracy is a from of government by the people, for the people and of the people".

People like it becewse it solves the problems of the people. علیھا نے رک کر اسے دیکھا۔

"ہیں، جمہوریت کی یہ تعریف ہے؟" علیھا نے حیرت سے کہا۔

"پتہ نہیں کتابوں میں تو یہی ہے رئیل میں کبھی میرا Democracy سے واسطہ نہیں پڑا So i dont know۔" حیان نے کندھے اچکا کر کہا اور پھر سے ٹہل ٹہل کر پڑھنے لگا۔

علیھا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی اس نے سرد آہ بھری اور گیٹ عبور کر گئی۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" علیھا نے گھر میں داخل ہوتے ہی مہر بیگم کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" مہر بیگم تو اسی کو دیکھتے ہی پیار سے بولیں۔

"آج کیسے یاد آ گئی نانو کی اور اماں بابا ٹھیک ہیں؟"

"ماما، پاپا بالکل ٹھیک ہیں۔" علیھا ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اور تمہارے خبطی دادا؟" مہر بیگم کی کبھی انتخاب احمد سے نہیں بنی تھی۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔"

"اور اعیان، شایان؟" نواسوں کا پوچھتے ہوئے مہر بیگم کے لہجے میں شیرینی سی گھل گئی تھی۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں ماریہ چچی، وجاہت چچا، حیان اور شینو بھی ٹھیک ہیں۔" علیھا کو پتہ تھا اب آگے وہ ان سب کی خیریت دریافت کریں گی، اس لئے خود ہی بتا دیا۔

"نانو میں ان سب سے جان چھڑا کر یہاں آئی ہوں اور ان ہی کا پوچھ رہی ہیں۔" علیھا نے بیزاری سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" مہر بیگم نے تشویش سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں نانو، وہاں عجیب عجیب تماشے ہو رہے ہیں آج کل ماما اور چچی ہر تیسرے دن میلاد اور قرآن خوانی کرواتی ہیں اور آخر میں رو رو کر گڑگڑا کر اپنی پارٹی کے حق میں دعائیں کرواتی ہیں۔"

"چلو یہ تو اچھی بات ہے تمہاری ماما اور چچی مذہبی تو ہوئیں۔" مہر بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نانو! اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

علیھا نے انہیں حدیث سنائی۔

"یہ تو ہے اور کیا کیا تماشے ہوتے ہیں وہاں۔" مہر بیگم نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اعیان سارا دن" ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے" لگا کر ہاتھ میں بیٹ لئے پوری کالونی کے چکر کاٹتا ہے شایان لیب ٹاپ گلے میں ڈال کہ لوگوں کا دل للچاتا ہے اور جب سے شاہین پھپھو آئی ہیں روز ماما اور ان کی جنگیں ہوتی ہیں پہلے کتنی محبت تھی ماما اور پھپھو میں۔" علیھا نے سرد آہ بھری۔

"الیکشن کے بعد دونوں ٹھیک ہو جائیں گی تم فکر مت کرو۔" مہر بیگم نے نواسی کو تسلی دی۔

"اور نانو وہ مینخو تو روز نماز کی کتاب اٹھائے سورتیں اور دعائے قنوت یاد کرتا رہتا ہے۔"

"وہ کیوں؟" مہر بیگم نے نواسی کو دیکھا۔

"کہتا ہے کیا پتہ کوئی پارٹی مجھے بھی ٹکٹ دے دے تو ریٹرننگ آفیسر کے سامنے بے عزت ہونے سے بچ جاؤں گا۔" علیھا نے مسکراتے ہوئے بتایا تو مہر بیگم کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"ہک ہاں کیا دور آ گیا ہے لوگوں کو کلمے اور نماز تک نہیں آتی اور چلے ہیں اسلامی ملک کے وزیر بننے۔" مہر بیگم نے افسوس سے سر ہلایا۔

"نانو جب پاکستان بنا تب آپ تھیں؟" علیھا نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں اس وقت پانچ سال کی تھی ابا کے کندھے پر سوار ہو کر میں پاکستان آئی تھی بڑا کٹھن سفر تھا ابا جب تھک جاتے تو کچھ دیر آرام کی غرض سے کسی محفوظ جگہ پر بیٹھ جاتے اور میں ابا کے سوجے ہوئے پیر دیکھ کر رو پڑتی کچھ سمجھ نہ آتا تو ان کے پاؤں چومتے ہوئے پوچھتی۔"

"ابا! ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"اپنے وطن۔" ابا کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی، مجھے اس وقت نہیں معلوم تھا کہ وطن کیا ہوتا ہے ابا کے سوجے ہوئے پاؤں دیکھ کر میں ہر تھوڑی دیر بعد بے چینی سے پوچھتی۔

"ابا! اپنا وطن کب آئے گا؟"

"بس تھوڑی دور رہ گیا ہے، ابا سارا رستہ مجھے تسلی دیتے رہے پھر ہم اپنے وطن میں پہنچ گئے، بہت بری حالت تھی کھانے کو کچھ نہ تھا ہم اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ آئے تھے اماں کے گہنے، صندوقچی میں رکھا ہوا اصل تھی اور میری گڑیا بھی، سب کچھ وہیں رہ گیا تھا پر پھر بھی ابا بہت خوش تھے حالانکہ مجھے افسوس تھا وہ سب چھوڑنے کا، میں تو سوچ رہی تھی جانے وطن کیسا ہو گا پر یہاں تو نہ وہ ہمارا بڑا سا گھر تھا اور نہ ہی نیم کا درخت جس پر میرا جھولا بندھا ہوا تھا۔" علیھا ہتھیلی پر تھوڑی ٹکائے بڑے غور سے مہر بیگم کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے اپنی سہیلی پارو اور وجنتی سے بچھڑنے کا بھی بڑا دکھ تھا پھر میں نے یہاں نئی سہیلیاں بنا لیں، ہمیں گھر مل گیا، آہستہ آہستہ میں سب کچھ بھول گئی، پھر ایک دن ابا روتے ہوئے گھر آئے میں نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ "ہمارا رہبر ہمارا رہنما چلا گیا ہم یتیم ہو گئے قائداعظمؒ چلے گئے" وہ ایسے رو رہے تھے جیسے کوئی سگا مر گیا ہو، ابا کو روتے دیکھ کر میری بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔" مہر بیگم کی آنکھوں میں اب بھی آنسو آ گئے تھے شاید انہیں اب اندازہ ہوا تھا کہ ابا ٹھیک ہی کہتے تھے ہم اس دن ایسے یتیم ہوئے تھے کہ پھر کوئی ویسا رہبر آیا تھا نہ رہنما۔

"پھر اس کے بعد اقتدار کی کھینچا تانی شروع ہو گئی ایک وزیراعظم آتا ایک جاتا، اندرا کہتی تھی میں نے اتنی ساڑھیاں نہیں بدلی جتنے پاکستان نے وزیراعظم بدلے ہیں سچ تو یہ ہے ہم نے بھی کسی کو ٹکنے ہی نہیں دیا۔" مہر بیگم نے چشمہ اتار کر آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"نانو جن حکومتوں نے مدتیں پوری کی ہیں انہوں نے کون سا رنگ لگا دیئے ہیں۔" علیھا نے طنزیہ لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔

"رنگ تو ہم عوام نے بھی ایسے ہی لگائے ہیں بیٹا، ایک چوکیدار اور کلرک تک رشوت دیتا اور لیتا ہے، جعلی کام کرواتا ہے، ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ اور طاقت کے مطابق اس ملک کو لوٹا ہے ہم بھی اتنے ہی کام چور، نکمے، کرپٹ اور بے ایمان ہیں جتنے ہمارے لیڈر، ہم کیا نہیں کرتے اپنا ووٹ تک تو بیچ دیتے ہیں پھر اگلے پانچ سال روتے اور حکمرانوں کو گالیاں دیتے ہیں ہمیں تو نہ اپنا مستقبل عزیز ہے نہ اپنے بچوں کا، ہمیں کیا پتہ وطن کیا ہے وطن کا پوچھنا ہے تو کسی ایسے شخص سے پوچھو جس نے 1947ء میں وطن بنتے ہوئے دیکھا ہے جس نے 1965ء کی جنگ دیکھی ہے جس نے 1971ء میں سقوط ڈھاکہ کا منظر دیکھا ہے، ہم نے کیا دیا ہے اس ملک کو؟ یہ مٹی بڑی پیاری ہے اس نے سالوں سے ہمیں ہمارے گناہوں سمیت سنبھالا ہوا ہے اور جب مر جائیں گے تب کسی راز کی طرح اپنے سینے میں دفن کر لے گی، ہم نے تو کچھ بھی نہیں دیا اس ملک کو اس زمین کو، اس پر لگے درخت تک تو ہم کاٹ دیتے ہیں کچرا تک تو ڈسٹ بن میں پھینکتے نہیں ہیں پارکوں اور سڑکوں پر کوڑے کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، پھر بلدیہ والوں کا رونا اور حکمرانوں کو گالیاں۔" علیھا نے شرمندگی سے سر جھکا لیا، نانو واقعی سچ کہہ رہی تھیں۔

"ہم واقعی تبدیلی چاہتے ہیں پر اس تبدیلی کا آغاز خود سے کرنا چاہیے پہلے اپنے ملک سے اپنے پروفیشن سے Sincer ہونا ہے اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرنا ہے۔"

"نانو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" علیھا نے سر ہلاتے ہوئے کہا اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا سورج اپنا سفر مکمل کر کے ڈوبنے کو تیار تھا اور پرندے قطار بنائے اپنے آشیانوں کی طرف گامزن تھے، علیھا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں اب، شام ہو رہی ہے، ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"خیر سے جاؤ، اللہ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔" نانو سے دعا لیتے ہی وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی، فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے وہ نانو کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔

"نانو ٹھیک کہتی ہیں ہم سب انفرادی طور پر اچھے ہو جائیں تو سب اچھا ہو جائے گا، تبدیلی کا آغاز خود سے کرنا ہے کیونکہ یہ ملک ہمارا ہے۔" علیھا سدا بہار نغمہ گنگنانے لگی۔

یہ وطن ہمارا ہے ہم ہیں پاسباں اس کے
یہ چمن ہمارا ہے ہم ہیں نغمہ خواں اس کے
یہ فضا ہماری ہے بحر و بر ہمارے ہیں
کہکشاؤں کے یہ اجالے رہ گزر ہمارے ہیں

وہ گھر کی طرف رواں تھی اس کے لبوں پر خوبصورت نغمہ تھا۔

نظم و ضبط کو اپنا میر کارواں جانو
وقت کے اندھیروں میں اپنا آپ پہچانو
یہ وطن ہمارا ہے ہم ہیں پاسباں اس کے

☆☆☆

''تمہارے گھر آ جاؤں؟'' احمد کی آواز حیرت سے ذرا زیادہ ہی بلند ہو گئی کہ کمرے کے دوسرے سنگل بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا سونے کی کوشش کرتا حمزہ بدمزہ ہو گیا۔

''کیا مصیبت ہے؟'' اشارہ احمد کی آواز کی طرف تھا۔

''یار وہ تجھے اپنے گھر بلا رہی ہے۔''

''صبح دفعان ہو جائیے اب سو جا۔''

''تو سو جا مجھے تو کام کرنا ہے۔''

''کام یا چیٹ؟'' اس نے دانت کچکچائے فضول کچکچائے احمد پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''جو آفر آئی ہے اس حساب سے کام ہی ہوا نہ۔''

''خاموشی سے کر پھر یہ کام، میں غصے کا بہت برا ہوں۔''

''تو ہر طرف سے برا ہے، مجھے الجھا مت خاموشی سے سو جا۔''

''تمہارے ماما پاپا کیا کہیں گے؟'' اس نے ٹائپ کیا۔

''وہ خوش ہوں گے۔'' جواب آیا۔

''جوان لڑکا تمہارے گھر آ کر رمضان گزارے عجیب نہیں لگے گا۔''

''مذاق میں کر دی نہ مجھے آفر؟''

''میں بے حد سنجیدہ ہوں۔''

''مروا مت دینا۔''

''مروانے کے لئے اور بہت ہیں، ہاہاہا۔''

''اب مجھے ڈر لگ رہا ہے اور میں بے حد سنجیدہ ہوں۔''

''شیر بہادر بنو یار، اتنی اچھی آفر کو ٹھکرا رہے ہو، تم نے اپنی چچی کے مظالم کے قصے ایسے سنائیں کہ مجھ سے رہا نہیں گیا، سچی ترس آ گیا تم پر۔''

مکمل ناول

اسے عید کہیں

سمیرا حمید

”ابھی تو تجسس سنائیں نہیں چچی کے قصے۔“

”یہ کم ہیں تو میں کم ہی سن کر کانپ اٹھی۔“

”فون نمبر تو دو اپنا۔“

”اب مل ہی لینا نا، جلدی سے طے کرو بس۔“

”سوچنے دو مجھے۔“ وہ سوچنے لگا۔

”میں انتظار کرونگی، ویسے ہمارے گھر میں کمال کی افطاری بنتی ہے۔“ وہ اسے افطاری کی ڈشیز گنوانے لگی، اب تک چچی کے بدمزہ جلے ہوئے اور بچے ہوئے کھانے ہی کھائے تھے وہی ہر دوسرے دن چنے کی دال، یعنی دال کو گوندنما مظلوبہ اس پر بھی اتراتا اور اسے تین چار چھینٹے پلیٹ میں نکال کر دینا، تو عائزہ کی بنائی جانے والی اور اس کے گھر میں بنائی جانے والی ڈشز کے بارے میں جان کر اسے فیصلہ کرنے میں ذرا زیادہ آسانی ہونے لگی۔

”کیا وہ سنجیدہ ہے۔“ اگلے دن یونیورسٹی میں حمزہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”لگ تو رہی ہے۔“

”کافی اچھی دوست ہے تمہاری کیا؟“

”یہ بات مجھے کل ہی معلوم ہوئی ہے کہ وہ میری اتنی اچھی دوست ہے پہلے تو وہ صرف دوست تھی، رمضان کی بات سے چچی کی بات چل نکلی اور یہ کہ میں فیصل آباد نہیں جا رہا، تو اس نے فوراً اپنے یہاں آنے کے لئے کہا۔“

”کیا ارادہ ہے پھر؟“

”سوچ رہا ہوں چلا جاؤں۔“

”ملے ہو بھی اس سے، فون پر بات ہوئی؟“

”کہاں یار، چھ مہینے پہلے ہی ایڈ کیا ہے اسے اپنے اکاؤنٹ میں۔“

”بولتی بہت ہے، خیال ایسے رکھتی ہے جیسے میری اماں ہو، بس پھر ٹھیک ہے تم رہ آؤ اپنی اماں کے پاس۔“

”بکو مت۔“ ساتھ ایک دھموکا اس کی کمر میں جڑا۔

”تو اور کیا یار، یہ لڑکی عائزہ اتنی اچھی ہے اور میری مامی اور تمہاری چچی جان کا بس نہیں چلتا ہمیں نمک مرچ لگا کر فرائی کر کے کھا جائیں، ویسے یار یہ ساری ہی عورتیں کیا فتنہ بدمزاج اور بدتمیز ہوتیں ہیں، ہم مردوں کے لئے عذاب؟“

”ہاں سبھی بدمزاج اور بدتمیز ہوتیں ہیں۔“ احمد نے اتنی بلند آواز میں تو ضرور ہی کہا کہ ان کے قریب سے گزرتی فریال سن لے۔

یونیورسٹی آتے ہی جس پہلے شخص سے اس کا جھگڑا ہوا وہ فریال تھی، احمد بہت بری طرح سے اس سے ٹکرا گیا تھا کہ وہ اپنی کتابوں اور نوٹس سمیت کوریڈور میں اوندھے منہ گر گئی اور کوریڈور میں دیر تک قہقہے ابلتے رہے، اس سے بری بات یہ ہوئی کہ وہ احمد کی ہم جماعت نکلی، اس کے گرنے سے جو دشمنی شروع ہوئی تھی وہ تاحال جاری تھی، فریال اسے کچا چبا جانے کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھی، کم احمد بھی نہیں تھا۔

فریال دو قدم آگے جا کر واپس ان کی طرف پلٹی۔

”کیا فرما رہے تھے تم؟“ فرما کی جگہ وہ ایک دوسرا لفظ استعمال کرنا چاہتی تھی لیکن آس پاس کھڑے دوسرے سٹوڈنٹس کا لحاظ کر لیا اور اسے یقین تھا کہ احمد نے یہ پھلجھڑی اسے ہی سنانے کے لئے چھوڑی ہے۔

”ویل...... احمد زیادہ ہی اترانے لگا، یہی کہ تمام خواتین انتہائی بدتمیز، بدمزاج، پھوہڑ، نالائق اور فتنہ ہوتیں ہیں اور ہاں ہم جیسوں کے لئے عذاب بھی، باقی الفاظ کی ادائیگی کے لئے میری زبان مجھے اجازت نہیں دے رہی، ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

فریال کا جی چاہا کہ کاش وہ کھڑے کھڑے سپر مین بن جائے اور اس بدلحاظ شخص کو اٹھا کر چاند سے زمین پر اتنی زور سے پھینکے کہ اس کے پٹاخے سے سب سوئے ہوئے ہڑبڑا کر جاگ اٹھتے۔

دانت پر دانت جما کر انگلی اٹھا کر اس نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ احمد نے یہ موقعہ بھی غصب کر لیا۔

”اتنے سوال اگر تم کلاس میں کرو نا تو میری طرح فسٹ آؤ، کیا خیال ہے؟“

”ہونہہ فسٹ مائی فٹ۔“

”تمہارا فٹ بھی کبھی فسٹ نہیں آ سکتا، ویسے بھی کچھ ٹیڑھا ہے، چلتی ہو تو دائیں طرف کو جھک جاتی ہو، اچھی خاصی ہو علاج نہیں کروا سکتی؟“

”تم ہو گے لنگڑے...... بدتمیز۔“ وہ ذرا اونچی آواز میں چلائی، حمزہ نے احمد کو کہنی ماری۔

”احمد پروفیسر صاحب۔“ اشارہ فریال کی بیک کی طرف تھا، حمزہ کا اندازہ اتنا سنجیدہ تھا کہ فریال فوراً پلٹی اور وہاں دور دور تک کسی بھی طرح کے پروفیسر کو نہ پا کر غصے سے واپس ان کی طرف گھومی لیکن وہ اسے بھاگتے ہوئے نظر آئے، احمد اسے بائے بائے کر رہا تھا، دل تو اس کا چاہا کہ ان کے پیچھے لپک کر جا کر ٹھیک ان کے سروں پر اپنی وزنی فائل دے مارے پھر اپنے لڑکی ہونے کا خیال آیا اور اسے پرانا خیال ترک کرنا ہی پڑا۔

☆☆☆

”روم نمبر کیوں؟ تم مجھے اپنے گھر کا ایڈریس دو۔“

”میں کار بھیج رہی ہوں۔“ جواب آیا جو احمد کو بے حد پسند آیا اتنی لگژری احمد نے کبھی دیکھی نہیں تھی نہ اسے آفر کی گئی تھی۔

ڈرائیور سمیت کار کی آفر آئی تو بے چارہ ناچنے لگا نے جیسا ہو گیا روم نمبر اس نے بتا دیا۔

”بہت خوش نظر آ رہے ہو۔“ الماری میں سے کپڑے نکال کر بیگ میں رکھتے حمزہ نے جل کر کہا۔

”وہ میرے لئے کار بھیج رہی ہے۔“

”اماں سے بہانہ کراتا ہوں میرا خیال ہے تیرے ہی ساتھ چلتا ہوں۔“ وہ جلنے سے جھٹ خوشامدی انداز پر آ گیا۔

”بیگ اٹھا اور اماں کے پاس جا، امیر لوگ زیادہ رش پسند نہیں کرتے۔“ احمد نے اترا کر کہا۔

”امیر لوگ ٹٹ پونجیوں سے دوستی بھی نہیں کرتے۔“

”کار آ رہی ہے، دیکھ لینا میری اور اس کی دوستی۔“

”واقع جا رہا ہے تو، اب عیش کرے گا، بیٹھے بٹھائے دوست مل گئی، اتنی فراغ دل کہ گھر بلا رہی ہے، چچی سے جان چھٹی اب تو اتالین، ریشین افطاری کرے گا، سحری میں فریش جوسز اور چکن پراٹھے کھائے گا۔“

”اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔“ احمد کو اب موقعہ مل رہا تھا فخر کرنے کا، حمزہ کا جی جل گیا۔

”تیری چچی تو تجھے پاپوں کا چورا دیتی تھیں نا یا بچوں کے بچے انڈے پراٹھے۔“

”تیری مامی تو تجھے یہ بھی نہیں دیتی۔“

”ایسے نہ کہہ یار وہ مجھے گھوریاں، کوسنے، طعنے بوری بھر بھر دیتیں ہیں۔“

”چل پھر بیگ لے کر نکل، گھوریاں کوسنے

باسی نہ ہو جائیں اور وہ تین ماہ کی بچی بھی تیرے انتظار میں ہو گی کہ تو آئے اور اسے سنبھالے۔"

منہ بناتا حمزہ چلا گیا ملتان اور احمد عائزہ کی بھیجی کار میں بیٹھ گیا، کیا شاندار کار تھی، اس کا دل خوش ہو گیا، مزید دل اس وقت خوش ہوا جب کار گلبرگ کے انتہائی عالیشان بنگلے کے پورچ میں جا کر رکی، بنگلے کو دیکھ کر وہ کار سے اترنا بھول گیا اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ عائزہ اتنی امیر ہے وہ آرٹ کی سٹوڈنٹ ہے اور وہ دو بہن بھائی ہیں وہ اتنا ہی جانتا تھا اور اتنا ہی عائزہ نے بتایا تھا، اندازہ اسے تھا کہ وہ ایک اچھے گھرانے سے ہے لیکن اتنے امیر ہونے کا اسے گمان نہیں تھا، اتنی امیر لڑکی کو وہ چچی کے قصے سناتا رہا تھا وہی پیاز کاٹنے، چاول، دال، چنے، کپڑے دھونے اور گھر کی صفائی کے قصے؟

"اندر نہیں آئیں گے؟" ڈرائیور دروازہ کھولے پوچھ رہا تھا وہ بیگ اٹھا کر باہر نکلا۔

"یہ بیگ مجھے دے دیں، میں اندر لے جاتا ہوں۔"

"نہیں میں اپنے کام خود کرتا ہوں۔" اب ایک ایسی خودداری کی دھاک بٹھائی جا سکتی تھی اس بنگلے میں۔

ڈرائیور اندر کی طرف بڑھ گیا وہ بھی آس پاس خاص کر وسیع لان پر نظر ڈالتا آہستہ روی سے اندر کی طرف بڑھنے لگا اصولاً تو عائزہ کو باہر آ کر اسے اندر لے جانا چاہیے تھا پر اس نے سوچا امیر لوگ ہیں نہ جانے کیا طریقہ کار ہیں ان کے۔

"آہ میرے شیر۔" آواز اتنی دم دار خوش حال اور گونج دار تھی کہ وہ چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔

ڈی این جی کی نیلی لانگ نیکر، انکل سام کارٹون کی سفید ٹی شرٹ پہنے وہ بھاری بھرکم پیپی وجود اسی سے مخاطب تھا اور اسی کی طرف دونوں بازوں پھیلائے لپک رہا تھا۔

احمد نے ممکنا شیر کو دیکھنے کے لئے گردن پیچھے کی طرف کی کہ یقیناً وہ اس کے پیچھے کسی اور سے مخاطب ہیں لیکن اس اثناء میں ہی انہوں نے احمد پر جھپٹا مارا اور زوردار مارا، دونوں بازوں کے شکنجے میں کس لیا، احمد چرمرا گیا، جب ان کی تسلی ہو گئی تو اس سے الگ ہو کر ایک نظر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا جیسے ندیدے بچے کسی دوسرے بچے کے ہاتھ میں پکڑی آئسکریم کو دیکھتے ہیں۔

"السلام علیکم انکل!" وہ اس امیرانہ خوش آمدید سے گھبرا گیا۔

"وعلیکم السلام میرے بچے، وعلیکم السلام۔" وہ اس پر پھر جھپٹے، سینے سے لگایا، پھر سے چرمرا دیا اسے معلوم ہوتا کہ سلام کا جواب ایسے دیا جائے گا تو ذرا فاصلے پر ہو کر سلام کرتا۔

"جی شکریہ۔" وہ ان سے الگ ہوا، انہوں نے اس کا بازو تھام لیا اور اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے ان کے والہانہ انداز سے وہ بے چارہ گھبرایا جا رہا تھا۔

"آپ عائزہ کے ڈیڈ ہیں غالباً؟" عائزہ تو اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، اپنے ڈیڈ کو چھوڑ گئی تھی اس کے لئے آن لائن تو ایسے بات کر رہی تھی جیسے گھر ہی ہو۔

"بالکل؟" اس بار انہوں نے پشت پر خالص پنجابی انداز سے دھموکا جڑا، احمد کو یقین ہو گیا کہ ہر سوال کا جواب ایسے ہی دھماکہ انگیز ہو گا۔

"روزہ ہے نا تمہارا؟" وہ کاؤچ پر بیٹھ گیا تو وہ پوچھنے لگے۔

"جی!" وہ آس پاس دیکھنے لگا عائزہ تو کہیں دور دور بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"میں شبلی ہوں، تم مجھے شبلی چچا کہہ سکتے ہو۔" اسے آس پاس دیکھتے دیکھ کر وہ بولے۔

"چچا۔" احمد گڑبڑا گیا، اتنے پپی جیسے والے انکل چاہتے تھے انہیں چچا کہا جائے کافی غیر بیانہ سوچ کے حامل لگتے ہیں، اس نے سوچا لیکن انہیں صرف مسکرا کر دکھایا۔

"تم آرام کیوں نہیں کر لیتے۔" ساتھ ہی انہوں نے حاجرہ بی کو آواز دی۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" عائزہ سے ملے بغیر آرام کرنے کیسے چلا جائے۔

"عائزہ شاپنگ کے لئے گئی ہے۔"

"اچھا۔" وہ حیران ہوا اسے بلا کر خود شاپنگ کے لئے چلی گئی۔

"میں یہیں انتظار کر لیتا ہوں۔"

"کمرے میں اے سی ہے، مطلب جا کر آرام کرو۔"

"وہ تو یہاں بھی ہے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اے سی کی طرف اشارہ کیا، وہ کچھ مشکوک ہو رہا تھا اس ساری صورتحال سے عائزہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور اس کے ڈیڈی اس پر اتنا مہربان ہو رہے تھے۔

"ہم لاؤنج میں صوفوں پر دراز نہیں ہوتے۔" انہوں نے اتنے پیار سے طنز کیا کہ احمد سلگ کر رہ گیا، حاجرہ بی اسے ساتھ لے کر کمرے تک آئی کمرے کو دیکھ کر وہ مزید سلگ گیا اپنی غربت پر۔

وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرہ نظر آ رہا تھا، اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، حیرانگی کو اس نے ایک طرف رکھا اور واش روم میں گھس گیا۔

ٹھنڈے پانی نے اسے یقین دلایا کہ عائزہ کے گھر آنے کا فیصلہ اس کا بروقت اور سودمند رہا، ہوسٹل میں بھی بھلا رمضان کا کوئی مزا آتا، خیر چچی کے گھر بھی کبھی مزا چھوڑ آرام نہ آیا لیکن اس نے سوچا تھا وہ چلا ہی جائے گا، چچا کے لئے ہی سہی، بہت پیار کرتے تھے اس سے، اپنے نوالے بچا بچا کر اسے دیتے اور پھر ایسی باتوں کو پکڑ کر چچی خوب فساد کرتیں، ایسے فساد اس کے کالج جانے تک ہوتے رہے، کالج سے سکالرشپ لے کر وہ ایم بی اے کرنے یونیورسٹی آ گیا اور چچا نے سکون کا سانس لیا کہ اب وہ کچھ وقت سکون اور خوشی کا لاہور میں گزار سکے گا اور ان کے گھر کا ماحول اور چچی کا مزاج بھی ٹھیک ہو گیا، جو ہر وقت احمد کی وجہ سے ہی خراب رہتا ہے ان کا خیال تھا کہ وہ یتیم و مسکین سب کچھ کھا جاتا ہے، سارے اخراجات اسی کی وجہ سے بڑھتے ہیں چچا کی کمائی میں اسی کی وجہ سے گزارا نہیں ہوتا۔

وہ ایک اکیلا چچی کے ہر مسئلے اور دکھ کی جڑ تھا، جبکہ وہ چچی کے لئے کام والی بنا رہا، کپڑے دھونے کی مشین لگاتا، سب کے کپڑے دھوتا، فرش دھوتا، برتن بھی، چاول دال چن دیتا، سبزی بنا دیتا، چاول ابال لیتا تھا، روٹی بھی پکا لیتا تھا چچی سے اچھی ہی پکا لیتا تھا، چچا کو اس کے ہاتھ کی بنی چھوٹی چھوٹی لیکن اچھی طرح سے سینکی ہوئی روٹیاں بہت پسند تھیں اور چچا کے چھ عدد بچوں کو بھی ان چھ کو چار چار گھنٹے پڑھاتا تو وہ بھی اچھے نمبرز لے لیتے، امتحان کے دنوں میں چچا اسے اپنے کسی دوست کے یہاں بھیج دیتے تاکہ وہ اچھی طرح سے پڑھ سکے اور گھر کا بیشتر کام اس سے کروانے والی چچی کا مزاج بگڑ جاتا، اب کی چچا نے کہا کہ۔

"ایم بی اے کرو، جاب کرو اور اپنا گھر بناؤ اور مجھے بھی اپنے اس گھر میں رکھ لینا، بہت رہ لیا تمہاری چچی کے ساتھ۔"

احمد اپنے لئے بناتا نہ بناتا اسے چچا کے لئے ایک گھر ضرور بنانا تھا وہ اس کے ماں اور باپ دونوں تھے اور وہ ان کی محبت کا قرض کیسے بھی کر کے کبھی بھی نہیں اتار سکتا تھا۔

بہت دیر تک نہانے کے بعد وہ باہر نکلا اور اے سی آن کر کے سو گیا۔

حاجرہ بی تین بار اسے اٹھا کر گئیں لیکن وہ نہیں اٹھا، ناچار شبلی چچا نے آ کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی عین اس کے منہ پر پھینکا وہ تڑپ کر اٹھا، (چچی یہاں بھی آ گئی کیا؟) شبلی چچا پر نظر پڑتے ہی وہ ضبط نہ کر سکا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"سارا جنگل بیچ کر سو رہے ہو۔"

"جنگل کا مالک ہوتا تو یہی کرتا۔"

"تم اس کے بنا بھی یہی کر رہے ہو، جلدی سے آ جاؤ افطار کا وقت ہوا جاتا ہے۔" احمد کو ذرا سا غصہ آیا عائزہ کا سوچ کر خاموش ہو گیا اور پھر اتنے اعلیٰ کمرے میں سونے کا تجربہ اسی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا ورنہ اسے اس بنگلے کے پھاٹک کے قریب سے بھی گزرنے نہ دیا جاتا۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ ڈائننگ ٹیبل تک آیا، اب ذرا اسے ہوش آئی تھی اس نے غور کیا کہ شبلی چچا پھر سے وہاں اکیلے بیٹھے ہیں اور سفید شلوار قمیض میں نمازی ٹوپی سر پر رکھے مسلمانی حلیے میں ہیں۔

"کتنا سوتے ہو تم۔" انہوں نے فوراً اٹھ کر اس کے لئے کرسی پیچھے کی، اس انداز پر احمد کھل اٹھا۔

"آپ کے یہاں بجلی نہیں جاتی۔" احمد نے زیادہ سونے کی وجہ بجلی بتائی، آرام دہ پرسکون کمرہ نہیں۔

"جاتی ہے لیکن یہاں جنریٹر بھی ہے۔"

"باقی سب کہاں ہیں؟" اس نے سیدھے صرف عائزہ کا نہ پوچھا۔

"حاجرہ بی کچن میں ہیں، ڈرائیور جا چکا ہے۔"

"میرا مطلب...... عائزہ...... عائزہ کی ماما...... عائزہ کا بھائی یہ سب کہاں ہیں؟" احمد کا منہ بگڑ گیا بڑے میاں مذاق پر مذاق کیے جا رہے ہیں۔

"عائزہ آسٹریلیا ہے، عائزہ کی ماما اپنی آخری قیام گاہ یعنی قبرستان اور عائزہ کا بھائی امریکہ میں ہے۔" انہوں نے بے حد آرام سے جواب دیا۔

احمد حیران تو بہت ہوا سن کر پھر اس نے سوچا کہیں یہ مذاق ہی نہ کر رہے ہو اور وہ جاہل گنواروں کی طرح ری ایکٹ کر دے۔

"آپ نے تو کہا تھا وہ شاپنگ کے لئے گئی ہے؟"

"آسٹریلیا میں شاپنگ نہیں ہوتی کیا؟" وہ مزید اطمینان سے بولے۔

"اس نے تو مجھے یہاں بلوایا ہے۔" وہ سنجیدہ ہونے لگا۔

"وہ تو چھ سال سے آسٹریلیا ہے۔"

"تو یہاں کون ہے؟"

"میں۔" وہ مسکرائے۔

احمد جتنا غصے میں آتا جا رہا تھا وہ اتنا ہی پرسکون ہوتے جا رہے تھے۔

"آپ کا میں نے اچار ڈالنا ہے، دوست تو میں عائزہ کا ہوں۔"

"تمہارا دوست میں ہوں۔" ساتھ مسکرائے بھی۔

"اس عمر میں مذاق۔" وہ چڑ گیا۔

"اس عمر میں بدتمیزی۔" انہیں بھی غصہ آنے لگا۔

وہ ذرا سنبھل کر ضبط سے بیٹھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی یہ ہو کیا رہا ہے۔

"مجھے تو عائزہ نے یہاں بلایا ہے، اگر وہ یہاں نہیں ہے تو میں بھی یہاں سے جا رہا ہوں، گڑبڑ کا اندازہ تو مجھے پہلے سے ہی تھا لیکن سوچا وہم ہو گا، کس پلان کے تحت مجھ جیسے شریف پوزیشن ہولڈر کو بلایا ہے یہاں، اغوا کر رہے ہیں مجھے، بہت غریب ہیں میرے چچا اور چچی تو انہیں ایک کوڑی بھی نہ دینے دیں گی، الٹا کہیں گی مار دو کم بخت کو۔"

"بند کرو یہ جذباتی تقریر۔" وہ جھنجھلا کر بولے، حاجرہ بی گرم گرم پکوڑوں کی ٹرے رکھ گئیں۔

"روزے دار کے ساتھ کیا کرنے جا رہیں ہیں آپ، مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔" اس نے گرم گرم پکوڑوں پر نظر رکھ کر کہا۔

"اف اس کے سارے خواب ٹوٹ گئے، خدا پوچھے اس کے خواب توڑنے والوں سے۔" اسے چچی کے قہقہے سنائی دیے۔

"تیرے نصیب میں میرے بچوں پراٹھے ہی ہیں، تجھے نہیں ملنے والے چکن پراٹھے اور فریش جوس کے بھرے گلاس۔" مسجد سے وقت افطار کا سائرن بجنے لگا، شبلی چچا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیے اور وہ انہیں گھورنے لگا۔

"مجھے گھورنا بند کرو اور افطار کرو، پھر بات کرتے ہیں۔" ایک کھجور انہوں نے منہ میں رکھی۔

احمد نے جلدی سے دعا مانگی اور دو پکوڑے منہ میں ٹھونسے اور جوس کا گلاس منہ سے لگا کر غٹاغٹ پی گیا۔

"سب تمہارے لئے ہے جوان۔" طنزاً اچھا کر لیتے تھے وہ گلاس رکھ کر احمد نے چھ عدد کیلوں کا گچھا اٹھایا اور کرسی کھسکا کر تیزی سے باہر کی طرف لپکا، جوس پیتے شبلی چچا کو اچھو لگا۔

"ارے لڑکے...... احمد۔" وہ بھی تیزی سے کرسی سے اٹھے اس کے پیچھے لپکے، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گیٹ تک پہنچ چکا تھا گیٹ لاک تھا، اس نے گیٹ کو کھولنے کی کوشش کی پھر اچھل کر اور گیٹ پر پاؤں رکھ کر گیٹ پر چڑھ گیا، ہانپتے کانپتے انہوں نے لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی۔

"چھوڑیے مجھے میں شور مچا دوں گا۔" احمد بلند آواز میں بولا۔

"شور تو میں مچاؤں گا، چور...... چور۔"

"میں چور نہیں ہوں، یہ لیں اپنے کیلے۔" اس نے کیلے ان کی طرف اچھال ہی دیے اب خالی پیٹ ہی سڑک پر بھاگنا پڑے گا، کیلے گیٹ کے پاس رکھے بڑے سے گملے میں اٹک گئے۔

"میں کیلوں کی بات نہیں کر رہا، تم سے کہا تھا ذرا کھا پی لو پھر بات کرتے ہیں، تم سے صبر ہی نہیں ہوا۔"

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے ان کے دو موٹے موٹے ہاتھوں سے اپنی ٹانگ چھڑوانے کی کوشش کی پر بری طرح سے ناکام رہا۔

"اغوا کیا ہے نا مجھے دھوکے سے۔" وہ چلایا۔

"تمہیں اغوا کر کے واپس بھیجنے کے لئے بس کا کرایہ مجھے ادا کرنا پڑتا، تو پھر میرے گردے نکال کر بیچ گے، میں سب سمجھ گیا ہوں۔"

"اُف یار بات سنو، ذرا نیچے آؤ۔"

"پاگل نہیں ہوں جو اب پھر سے پھنس جاؤں۔"

"ارے یار، میرے بچے پیارے لڑکے

بات تو سنو، میں تمہیں عائزہ کے بارے میں سب بتا دیتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"
"وہ آسٹریلیا ہے۔" احمد کو سب یاد تھا۔
"ہاں...... مطلب کہ وہ کون ہے۔"
"وہ آپ کی بیٹی ہے، یا پھر گینگ لیڈر ہو گی۔"
"مطلب کہ میں کون ہوں۔" وہ جھنجھلا گئے۔
"آپ اس کے ڈیڈ ہیں۔"
"ارے پاگل میں ہی عائزہ ہوں، مطلب میں ہی عائزہ بن کر تم سے بات کرتا رہا، میرا مقصد غلط نہیں تھا، مجھ بڈھے سے کس نے بات کرنی تھی، اس لئے عائزہ بن گیا، ویسے میں تمہارا سچا دوست ہوں۔"
"عائزہ اور آپ......؟" اس کے خواب ٹوٹے تو ٹوٹے باقی ماندہ حقیقت نے اس کا سر ہی چکرا دیا، وہ گرنے کے قریب ہو گیا۔
"میرے دوست اور آپ......؟" وہ دکھ سے چلایا، شبلی چچا بچوں کی طرح مسکرائے، احمد انہیں غصے سے گھور رہا تھا۔
"آ جاؤ نیچے میرے یار۔"
ان کا یار نیچے آ گیا۔
افطار کر کے، مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ لان میں آ گئے احمد اسٹرابیری شیک کا جگ اکیلا ہی ختم کر چکا تھا، ہر بار گلاس کو بھرتے وہ ادھر ادھر غیر ارادی نظریں ڈال لیتا تھا اپنے چھ عدد چچا زادوں کی تلاش میں جو تھے تو فیصل آباد لیکن اسے ڈر تھا کہ وہ ضرور یہیں کہیں سے نکل کر اس کے گلاس پر جھپٹا ماریں گے لیکن ایسا ہوا نہیں اور وہ سارا جگ پی گیا، اس دوران شبلی چچا صبر سے اسے دیکھتے رہے۔
"حاجرہ بی فروٹس تو لے آئیے۔" اس نے منہ اندر کی طرف کر کے آواز دی۔
"آپ رک کیوں گئے، میں سن رہا ہوں اور یہ اپنا گلاس اگر آپ نے نہیں پینا تو مجھے دے دیں۔" ان کے جواب سے پہلے ہی اس نے ان کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
"تم نے اپنی چچی کے مظالم رو رو کر سنائیں کہ مجھے تم پر ترس آ گیا۔"
"آپ تو ہنسا کرتے تھے۔"
"وہ تمہارے انداز پر ہنستا تھا، بہت لائق بچے ہو تم، میں پچھلے کئی سال سے باہر تھا، کبھی بیٹے کے پاس امریکہ کبھی بیٹی کے پاس آسٹریلیا، تھک گیا تھا بہو اور داماد کے سامنے سوبر ہونے کی اداکاری کرتے کرتے، بس پھر واپس گیا اس سال، تمہاری باتیں سنی تو سوچا کیوں نہ نیکی کمائی جائے، تم اور میں مل کر رمضان ایک ساتھ گزاریں۔"
"میں غریب ضرور ہوں لیکن خود دار ہوں۔" اس خود دار نے ان کے شیک کے گلاس کے آخری گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔
"اسی لئے بھاگے تو کیلے اٹھا کر۔"
"مجھے بھوک لگی تھی، مزید کچھ فروٹس کھا کر میں چلا جاؤں گا۔"
"حاجرہ بی آ بھی جائیے۔" اس نے آواز دی۔
"تمہیں جانے کون دے گا؟"
"مجھے روکے گا کون۔" وہ اکڑ دکھانے لگا، شبلی چچا بے چارے سے نظر آنے لگے۔
"عید تک میرے ساتھ رہ لئے یار، اکیلے بڈھے کے ساتھ رہ لو۔"
"آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا مجھ غریب کو الو بنایا، میں کیوں رہوں؟"
"عید کی ساری خریداری میری طرف سے۔" انہوں نے آفر کی۔
"میں بہت خریداری کرنے کا عادی ہوں۔"
"چچی جان کرواتیں ہوں گی، ہے ناں؟"
"میں جا رہا ہوں۔" وہ ان کے طنز کو سمجھ گیا۔
"اچھا...... اچھا...... ٹھیک ہے، پھر جو جو کہوں گا ماننا پڑے گا۔" احمد نے ذرا غور سے انہیں دیکھا۔
"کیا کہے گے آپ؟"
"بس ڈن، عید تک تم یہاں ہو۔" وہ مسکرائے۔
"عیدی میں، میں کار بھی لے سکتا ہوں۔"
"عید تک میں تمہیں اپنی کار کے نیچے بھی دے سکتا ہوں۔" انہوں نے کمال اطمینان سے کہا۔
حاجرہ بی فروٹس اور کریم فروٹ چاٹ دونوں ہی لے آئیں احمد کی آنکھوں میں ہزار واٹ کے قمقمے جلنے لگے۔

☆☆☆

احمد اپنے سر پر تکیہ رکھے اوندھے منہ گہری نیند سو رہا تھا تراویح پڑھ کے آنے کے بعد اس نے ڈٹ کر ڈنر کیا تھا اور ساتھ ہی اسے نیند آنے لگی تھی وہ شبلی چچا کو شب بخیر کہہ کر سو گیا اور اب شبلی چچا اسے صبح قبل از وقت بخیر کہنے کے لئے اس کے سرہانے کھڑے تھے اور اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ اٹھ نہیں رہا تھا دراصل انہیں چچی کی طرح دھاڑنا نہیں آتا تھا ورنہ وہ پہلی ہی دھاڑ پر اٹھ بیٹھتا، تین کوششوں میں بھی جب وہ نہیں اٹھا تو انہوں نے اس کے سر پر سے تکیہ اٹھایا اور زور سے ان کے کان مروڑے یہ ظلم اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا، وہ بلبلا اٹھا۔
"ابھی اٹھا چچی جان۔" بڑبڑا کر اور ہڑبڑا کر وہ اٹھ بیٹھا۔
"چچا جان۔" انہوں نے تصحیح کی۔
احمد کو پہلے سمجھ ہی نہیں آئی کہ ہوا کیا پھر یاد ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے وہ ایسے گھبرا گیا جیسے بچے انجکشن سے گھبراتے ہیں۔
"آپ نے میرا کان کیوں مروڑا۔" وہ حال میں واپس آیا۔
"تمہاری گردن کی باری تھی اگلی اگر تم نہ اٹھتے، جلدی کرو آؤ میرے ساتھ، وقت نہیں ہے، سحری کھانے کا، سحری میں جگانے......"
"میں تو جاگ ہی گیا ہوں۔" اس نے جمائی روکی۔
"باقی سب کو۔"
"کن سب کو اور لوگ بھی بلا لئے گھر میں میری طرح؟"
"اُف نہیں، دوسرے روزے داروں کو۔"
"حاجرہ بی اور ڈرائیور کو۔" وہ بری طرح عاجز آ گئے اس کے سوالوں سے۔
"تمہاری چچی تمہارے ساتھ بالکل ٹھیک کرتیں ہیں۔"
"کیا آپ رات ہی رات میں غریب ہو گئے ہیں۔" احمد نے ان کے حلیے پر غور کیا، پرانے گھسے ہوئے بدرنگ کپڑے اور سستی سی چپل پہن رکھی تھی انہوں نے۔
"جلدی آؤ میں کار میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اس کے سوال کو نظر انداز کر کے وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔
کچھ ہی دیر میں وہ بھی ان کے ساتھ کار میں موجود تھا لیکن وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور وہ خود ایک بڑے سے ڈھول کے ساتھ پیچھے والی سیٹ پر، کار تک آنے تک اس کا خیال تھا کہ وہ سحری

کھانے کسی ہوٹل میں جا رہے ہیں لیکن کار کے اندر جھانکتے ہی اسے کسی اور ہی منصوبے کی طرف پیش قدمی نظر آئی، شبلی چچا ڈھول پر ایسے ہاتھ رکھے بیٹھے تھے جیسے ماں اپنے لاڈلے دلارے بچے کو گود میں بیٹھاتی ہے، چہرے پر وہی ماؤں جیسی الوہی چمک اور مسکراہٹ تھی۔

''اگر تیسری بار مجھے اور میرے پیارے ڈھول کو گھورا تو اسی ڈھول سے تمہارے بے کار سے سر کو پھوڑ دونگا۔''

''میں اپنے سر کو خود ہی پھوڑ لیتا ہوں آپ اپنے ڈھول کو زحمت نہ دیں، مہمان کو غلام بنا ڈالا آپ نے، کرنے کیا جا رہیں ہیں آپ؟''

''میں تمہاری عمر میں تھا تو بہت خوش رہا کرتا تھا، مہمان اور غلام میں آج کل زیادہ فرق ہوتا بھی نہیں، کاروں اور بنگلوں میں خوش ہی رہا جاتا ہے۔''

''تم سے بھی چھوٹا تھا جب میں ڈھول بجایا کرتا تھا، اس سے پہلے ہوٹل میں ''چھوٹا'' تھا جو بھاگ بھاگ کر کام کرتا تھا، کاروں کو صرف حسرت سے دیکھا کرتا تھا۔''

''جھوٹ۔'' احمد کو حقیقتاً یقین نہیں آیا۔

''اگر یہ جھوٹ ہوتا تو میں اس وقت تمہارے ساتھ نہ ہوتا اس ڈھول کو میں نے بہت یاد کیا، اسے اپنے گھر میں چھپائے رکھا، رنجے میں میں بڑا ہوتا گیا اور اس سے دور ہوتا گیا، جس سے پانچ سال میں نے رزق کمایا تھا، دن میں اسے لے کر کہیں نکل نہیں سکتا، سوچا تم بھی ہو، ڈھول بھی ہے رمضان بھی، کیوں نہ اپنی خواہش پوری کی جائے۔'' وہ مسکرائے وہی بچگانہ مسکراہٹ۔

''سڑی ہوئی خواہش۔'' احمد جل گیا۔

''اب دائیں طرف موڑ لو۔'' انہوں نے بتایا، دائیں طرف مڑتے ہی کچھ فاصلے کے بعد کار کو جھٹکے لگنے لگے۔

''آ گئیں لوکل آبادیاں۔'' احمد بڑبڑایا۔

ایک طرف اندھیرے میں کار کھڑی کر کے دونوں باہر نکلے، شبلی چچا کی خوشی دیکھنے لائق تھی احمد اتنا ہی جل بھن رہا تھا، پیدل تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد شبلی چچا نے بہت اہتمام سے ڈھول کو گلے میں لٹکایا ایسے ہی جیسے خود کو کوئی میڈل پہنا ہو، پھر ڈھول کو بجا کر دیکھا۔

''کتے وتے بہت ہوتے ہیں ان علاقوں میں۔'' احمد کو انہیں بھگانے کا ایک ہی عذر نظر آیا۔

''بہت واقف ہو تم کتوں سے۔''

''میں نوجوان ہوں بھاگ لوں گا۔''

''چھ سال یورپ میں ایسے جوگنگ کی ہے کہ تمہارے ڈیڈ بھی مجھ سے تیز نہیں بھاگ سکتے۔''

''میرے ڈیڈ کا نام مت لیں۔'' احمد نے پنجابی فلمی ہیرو کی طرح دھمکی دی۔

''ڈیڈ...... ڈیڈ...... ڈیڈ۔'' وہ ڈھول بجانے لگے مسکراتے آگے بڑھتے گئے۔

رات دو بجے کا وقت تھا، لوکل آبادی تھی، مسجدوں سے کلام پاک پڑھنے کی آوازیں آ رہیں تھیں، گلیاں سنسان اور اندھیری تھیں، وہ دونوں کئی بار الجھ کر گرے، احمد کو یہ ایک نئی مصیبت لگی، جبکہ وہ ماہرانہ انداز سے ڈھول بجا رہے تھے۔

سبزی کی دوکان کرنے والا ارشد سارا دن کا تھکا ہارا صحن میں سو رہا تھا، پہلے تو بجلی کی وجہ سے نیند نہیں آئی اوپر سے پنکھے کی رفتار اللہ، ماشاء اللہ اس سے زیادہ تو دس بندے پھونکیں مارے تو تیز ہوا نکلے جتنی وہ پنکھا اتنی مشقت سے ہوا نکال رہا تھا باقی سب گھر والے بنا پنکھے کے چھت پر سو

رہے تھے ایک پنکھے کی عیاشی کے لئے وہ اکیلا ہی صحن میں لوہے کی چارپائی پر گہری نیند سو رہا تھا، تھکا ہارا تھا منہ کھلا ہوا تھا، دونوں ہاتھ سینے پر بندھے تھے اور سر چارپائی کے کنارے کے عین قریب تھا، ڈھول کی زوردار تھاپ عین اس کے سرہانے اٹھی، وہ بے چارا خواب میں عورتوں سے بھاؤ تاؤ کرواتے پر لڑ رہا تھا کہ تیز دھماکہ خیز آواز سے ہڑبڑا گیا اور جو سر چارپائی کے کنارے سے لڑھکنے کو تیار تھا وہ آدھا چارپائی سے نیچے کو لٹک گیا وہ بری طرح سے خوفزدہ ہوا۔

اور شبلی چچا ڈھول پر ڈھول پیٹے جا رہے تھے اور ساتھ آواز لگا رہیں ہیں، ''روزے داروں، اللہ نبی کے پیاروں اٹھو سحری کا وقت ہوا جاتا ہے'' احمد ان کے انداز پر ہنسنے لگا اور منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر خود بھی چلانے لگا اب اسے بھی مزا آ رہا تھا۔

گلی کا موڑ مڑ کر وہ ذرا کشادہ گلی میں آئے، ایک بچے کے رونے کی تیز آواز آئی۔

''میرا منا اٹھا دیا۔'' کھڑکی میں سے عورت کی جھنجھلائی آواز آئی، شبلی چچا اپنی ہی ترنگ میں ڈھول بجاتے رہے۔

''چل جا بھی اب کہ مردے بھی اٹھائے گا، اے منے کے ابا ذرا دیکھنا، یہ کون ہیں، پہلے تو کبھی اس علاقے میں کوئی ڈھول والا نہ دیکھا، کم بخت بجلی سونے کیسے دیتی ہے کہ یہ اٹھانے آ گئے ہیں، دیکھنا یہ تو بجانا بند ہی نہیں کر رہا یہ کھڑکی کے پاس ہی کھڑا ہے۔''

''ضرور کوئی چور اچکے ہوں گے، گٹر کے ڈھکن چرانے والے۔''

''ٹھہر تیری تو میں بجاتا ہوں۔'' شبلی اور احمد دونوں چونکے، گھر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی احمد پہلے بھاگا، پیچھے ہی شبلی چچا ڈھول کو گلے میں لٹکائے بھاگے، اندھیری گلیوں میں گرتے پڑتے وہ مین سڑک تک آئے، کار کہاں کھڑی کی تھی وہ جگہ بھول گئے، پیدل ہی چل کر سڑک کنارے بنے ہوٹلوں میں سے ایک چھوٹے ہوٹل میں آن بیٹھے، وقت سحر ختم ہونے میں تھوڑا ہی وقت رہتا تھا۔

''پانی۔'' احمد ٹیبل پر رکھے خالی جگ کو دیکھ کر چلایا، ٹیبل مین نے دونوں کو ہانپتے کانپتے بھاگ کر آتے دیکھ لیا تھا، وہ انہیں مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا ایک چھوٹے نے پانی لا کر رکھا۔

''جو کچھ پکا ہے سب لے آؤ۔'' اس نے آرڈر دیا، ٹیبل مین نے استہزائیہ دونوں کی طرف دیکھا۔

''اچھا پیسے ہیں؟'' شبلی چچا نے اسے گھورا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ، پیسے ہیں تو آئیں ہیں۔'' ساتھ ہی انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا جیب سے ہاتھ خالی باہر آیا، پھر ہر جیب سے خالی آیا، انہوں نے یہ گھسے ہوئے پرانے کپڑے پہنے تو والٹ رکھنا بھول گئے اور احمد کیوں رکھتا جیب میں پیسے، اٹھا کر تو وہ لائے تھے اسے۔

''بہت آتے ہیں تم جیسے مفت خورے۔'' ٹیبل مین طنزیہ کہہ کر آگے بڑھ گیا، وقت تھوڑا تھا گھر جانے کا وقت نہیں تھا۔

''اے بھائی مسلمان بھائی ہیں تمہارے ایک روزہ ہی رکھوا دو ہمارا خدا تمہیں اجر دے گا۔'' شبلی چچا بڑے پیار سے منت کرنے لگے، ٹیبل مین بڑے انداز سے پلٹا ان کی طرف دیکھا پھر پلیٹ میں نمک اور جگ میں پانی لا کر رکھا۔

''اس سے بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے میرے مسلمان بھائیوں۔'' احمد نے شبلی چچا کو گھورا، شبلی چچا نے ٹیبل مین کو اور ٹیبل مین تو دونوں کو گھور ہی رہا تھا۔

☆☆☆

ہمت کر کے عصر کی نماز پڑھ کر وہ نیم مردہ سا کمرے میں صوفے پر بیٹھا تھا اس سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا فون بجنے لگا تو اس نے بمشکل اٹھ کر فون اٹھایا۔

''یار مامی تو اس بار ہٹلر ہی بن گئیں ہیں کہتیں ہیں مہنگائی بہت ہے۔'' حمزہ بہت دکھی نظر آ رہا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہیں۔'' احمد نے نقاہت سے کہا۔

''کیا؟''

''مہنگائی بہت ہے، ترس کھا کر بھی اب کوئی کھانا نہیں کھلاتا۔''

''تجھے کیسے پتہ؟'' احمد نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا جس میں آج صرف نمک اور پانی ہی گیا تھا۔

''پتہ چل جاتا ہے میرے بھائی، پتہ چل جاتا ہے، عائزہ کے گھر تو تو مزے میں ہے نا، تجھے تو پایوں کا چورا ملا۔''

''چلو چورا تو ملا۔'' احمد کی حالت اور آواز اور لٹک گئی، اپنے دل کی بھڑاس نکال کر حمزہ نے فون بند کر دیا۔

وہ مغرب تک کے لئے سونے کی کوشش کرنے لگا، آنکھ کھلی ہی تھی کہ شبلی چچا عجلت میں آئے۔

''جلدی کرو اٹھو، افطاری نہیں کرنی؟''

''اذان ہو گئی؟'' وہ بے چارہ خوش ہو گیا۔

''اذان میں ابھی بہت وقت ہے تم میرے ساتھ آؤ۔''

''آج افطاری باہر کریں گے؟'' احمد میں انجانی قوت آئی۔

''ہاں آج جاؤ بس تم۔'' وہ فوراً اٹھ کر ان کے پیچھے لپکا اور کار میں جا بیٹھا، ڈرائیونگ وہ خود کر رہے تھے۔

''ڈرائیور کہاں ہے؟''

''وہ گاؤں جا چکا ہے عید کرنے کے لئے، تم جو آ گئے تو میں نے اسے چھٹی دے دی۔''

''مجھے مہمان بنایا ہے یا ملازم؟''

''دوست صرف دوست۔'' وہ مسکرائے۔

''کون سا ہوٹل ہے جو آ کر نہیں دے رہا۔'' احمد نے نقاہت سے سیٹ پر اپنے سر کو ڈھلکا دیا۔

''کس نے کہا ہم ہوٹل جا رہے ہیں؟''

''آپ کے کسی دوست کی دی افطار پارٹی میں جا رہے ہوں گے پھر۔'' احمد بدستور پر یقین تھا۔

''آں...... ہاں مسلمان دوست کی۔'' کار کو جھٹکے لگنے شروع ہوئے ہیں، کار گلبرگ کی سڑکوں کو پیچھے چھوڑ آئی ہے اب وہ کرشن نگر کی حدود میں داخل ہو رہی تھی۔

''کس کنگلے دوست کے جا رہے ہیں ہم؟'' احمد نے پوچھا لیکن اسے جواب نہیں ملا، کار تنگ سی سڑک سے ہو کر چند تنگ گلیوں کے شروع میں روک دی گئی۔

''آ جاؤ باہر۔'' شبلی چچا بہت پر جوش تھے۔

''آ جاؤ بھئی باہر۔'' اس کی طرف باہر سے جھک کر کہا۔

''لے آئے نہ کسی کنگلے دوست کے یہاں، کسی بڑے ہوٹل نہ لے جائے کسی ڈھنگ کے ٹھابے میں ہی لے جاتے بچے کو، میری چچی کے خاندان سے لگتے ہیں آپ، ان کے میکے کے بہت سے لوگ لاہور میں رہتے ہیں۔'' احمد جلا کڑھتا بول رہا تھا شبلی چچا آگے چلنے لگے ساتھ اسے ''بھوکا'' کہنا نہیں بھولے۔

''ہاں ہوں میں بھوکا۔'' تھوڑی بہت جتنی جان بچی تھی اسی کا زور لگا کر وہ چلایا، آگے آگے چلتے تین چار گلیاں پار کر کے شبلی چچا نے ایک چھوٹے سے گھر کے اڑائے ہوئے رنگ و روغن والے گھر کے دروازے پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا۔

''السلام علیکم، میں نعمان احمد شبلی ہوں، آپ کا مسلمان بھائی، مسافر ہیں، چاہتے ہیں آپ ہمیں اپنے ساتھ افطاری کا شرف عطا کریں۔'' احمد بچی کھچی پوری جان سے چکرا گیا، اسے یقین نہیں آیا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے وہ حقیقی طور پر حقیقت ہی ہے، اس کا سر چکرانے لگا، دروازہ کھولنے والے شلوار پر میلی سی بنیان پہنے آدمی کے چہرے پر جو تھوڑے بہت نرمی کے تاثرات تھے وہ بھی غائب ہو گئے اور اس نے کڑے تیوروں سے گھورنے پر ہی اکتفا کیا ان دیوانوں کے لئے منہ کا ایک لفظ ضائع نہ کیا اور دروازہ زور دار ''ٹھاہ'' سے بند کیا۔

''شبلی چچا!'' احمد نے ان کا بازو ہلایا۔

''کہہ دیں یہ سب مذاق تھا، کہہ دیں۔''

''جب میں گاؤں سے شہر کمانے کے لئے آیا تھا اور بے گھر تھا اور جیب سے بھی خالی ہوتا تھا تو ایسے ہی شاندار رمضان گزرتا تھا، بہت پیارے لوگ تھے سب، اپنے ساتھ اپنے دستر خوان پر بٹھاتے تھے۔'' وہ یاد ماضی میں مدغم ہو کر بے حد پیار سے اسے بتانے لگے ان پر ذرا برابر اثر نہیں ہوا تھا کہ آدمی نے کیسے دروازہ بند کر لیا تھا۔

''وہ زمانہ اور تھا، اب تو لوگ سگے رشتے داروں کو پانی نہیں پوچھتے اور پھر چور اچکوں سے بھرے اس شہر میں کون گھسنے دیں گا ہمیں، حالات دیکھیں کتنے خراب ہیں، آپ ماضی کو زندہ کرنے کے درپے ہیں۔'' احمد کو اب ہنسی آنے لگی تھی۔

''چور اچکے ہر وقت و زمانے میں ہوتے ہیں۔'' شبلی چچا ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

''چلیں گھر، مجھ سے تو چلا بھی نہیں جا رہا۔'' اس کی بات شبلی چچا نے سن لی اور آگے بڑھ کر ایک تیسرے گھر کے دروازے پر دستک دینے لگے، احمد غش کھا کر گرنے کے قریب ہو گیا۔

''مار پڑوائیں گے مجھے کیا، آپ کی عمر کا تو بہت سے لوگ خیال کر ہی لیں شاید......'' لیکن شبلی چچا کھلنے والے دروازے پر بھی وہی کلمات دہرا رہے تھے اور ٹھیک دروازے کو ایسے ہی بند کیا گیا جیسے مانگنے والوں پر کیا جاتا ہے، احمد تو پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ایک قریبی تھڑے پر بیٹھ گیا، اس سے نہ چلا جا رہا تھا نہ ہنسا نہ ہی بولا، سحری میں کھایا گیا نمک کب کا پسینے کی صورت باہر آ چکا تھا، شبلی چچا ہمت ہارنے کے لئے تیار نہیں تھے، بہت دور کے ایک گھر کے باہر کھڑے ان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور وہ لپک کر احمد تک آئے۔

''وہ راضی ہیں ہمیں مہمان بنانے کے لئے۔'' احمد حیران ہوا وہ اٹھ کر چلتا ان کے ساتھ ان کے ڈھونڈے گئے گھر کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا، کچھ ہی دیر بعد نیکر پاجامہ پہنے ایک آٹھ سالہ لڑکا تین موڑھے رکھ گیا، پھر وہ شربت کا جگ لایا، شربت جس کا رنگ گلابی تھا، نہیں نہیں وہ فالسے کا شربت نہیں تھا وہ سرخ شربت کی چھوٹی سوتیلی بہن تھا۔

شبلی چچا سے خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، کچھ ہی دیر میں ایک پلیٹ میں تین کھجوریں آ گئیں، احمد کی نظریں دروازے پر ہی تھیں کہ اب کوئی دہی بھلے، پکوڑے سموسے آئے کہ آئے۔

افطار کا وقت ہوا ہی جاتا تھا، دروازہ کھلا اور وہی لڑکا انہیں دیکھ کر پھر سے اندر چلا گیا، احمد شبلی

چچا کو گھورنے لگا۔
"مجھے اٹھا کر کار تک لے جائیے۔" اس نے ضبط سے کہا۔
"کفران نعمت مت کرو لڑکے۔"
"کھجوریں کھا کر اور شربت پی کر ہی جاؤں گا، فکر نہ کریں۔"
پکوڑوں کی خوشبو باہر تک آ رہی تھی، مسجد سے افطار کا اعلان ہونے لگا۔
"یعنی پکوڑے باہر نہیں آنے۔" احمد نے کھجور منہ میں رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کے قریب جا کر بولنے لگا۔
"مسافر ہیں پر وہ تو کھلاؤ جو خود کھا رہے ہو۔" شبلی چچا گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
"پاگل مت بنو احمد ان کی مہمان نوازی کا مذاق مت اڑاؤ۔"
دروازہ کھلا اس بار چار سالہ بچہ تقریباً نہ ہونے کے برابر نیکر پہنے ہاتھ میں دو پکوڑے لئے باہر آیا اور ان کے آگے کر دیے، احمد نے شبلی چچا کی طرف دیکھا اور انہوں نے احمد کی طرف اور ان کے قہقہوں سے فضا گونج اٹھی۔
دل سے افراد خانہ کا شکریہ ادا کر کے وہ لوگ ڈنر کرنے ہوٹل آ گئے جو جھنجلاہٹ احمد پر پہلے طاری تھی وہ پھر نہ رہی۔
"میں گاؤں سے آیا تھا شہر کام کرنے اور اتنے پیارے لوگ تھے اس لاہور شہر کے کہ مجھے کبھی بھوکا نہیں رہنے دیا، جس گھر سے مانگا ملا، پیٹ بھر ملا، بعد ازاں میں نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں کھانے کھائے لیکن آپاؤں، خالاؤں کے ساتھ بڑھا کر دروازے کی اوٹ سے دی گئیں روٹیاں یاد آئیں اور پھر میرا دل چاہتا کہ کاش میں وہ کھانے پھر سے کھا سکوں، لیکن یہ اسٹیٹس، اس نے مجھے کچھ کرنے ہی نہ دیا، بچوں سے بھی ڈرتا تھا، اب میں کیوں ڈروں، تم ہو نہ میرے ساتھ۔"
"تو آپ کو ایک ایسا ساتھی چاہیے تھا جو آپ کے ہر الٹے سیدھے کام میں آپ کا ساتھ دیں؟"
"پلاننگ کی نہیں تھی لیکن ہوتی چلی گئی۔" وہ ہنسے۔
"ویسے بھی پیسے میں کیا رکھا ہے، میں نے لاہور آ کر بہت سے کام کیے، پھر باہر چلا گیا، ڈالرز کمائے، امیر ہو گیا اور اب دیکھو، پیسے میں امیر تر ہوں اور ساتھ بیٹھ کر کھانے والا کوئی نہیں۔" وہ سنجیدہ ہو گئے۔
"آپ واپس چلے جائیں۔"
"واپس ہی تو آیا ہوں۔"
"جہاں اپنے ہو، وہی اصل گھر ہوتا ہے چچا، امریکہ ہو یا پاکستان۔"
"اپنوں میں ہی تو آیا ہوں احمد۔" اس جواب پر احمد انہیں دیکھ کر ہی رہ گیا۔

☆☆☆

پہلے احمد جز بز ہوا ہو تو ہوا ہو اب وہ بھی شبلی چچا کے ساتھ ساتھ مزے کر رہا تھا زندگی اس نے کیسی بھی گزاری تھی اتنی مزے کی بہر حال نہیں گزاری تھی اگلے دن وہ خود بہت ذوق و شوق کے ساتھ سحری کے لئے اٹھانے گیا، شبلی چچا ڈھول بجاتے رہے ہو "روزے داروں سحری کا وقت ہوا جاتا ہے" کہتا رہا، ان سے ایک بھول ہوئی کہ وہ ٹھیک اسی گھر کی کھڑکی کے سامنے پھر سے دو منٹ تک ڈھول بجاتے رہے جہاں سے پہلی بار ان کی وجہ سے منا اٹھ گیا تھا، منا اب کی بار پھر سے اٹھ گیا تھا منے کی اماں بھی۔
"یہ کم بخت پھر سے آ گئے۔" وہ بلند آواز سے بڑبڑائی۔

"ٹھہرو بد معاشوں۔" منے کے ابا چلائے دونوں خواس باختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، بھاگنے کا خیال بعد میں آیا پہلے لوہے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔
"بھاگ لو چچا۔" احمد نے ان کا وزنی باوز گھسیٹا۔
"اب دکھائیں اپنی یورپ کی چھ سالہ جوگنگ کے جوہر۔" احمد کہہ کر بھاگا اس کے لئے آسان تھا بھاگنا، ڈھول تو شبلی چچا کے گلے میں تھا وہ بے چارے گرتے پڑتے احمد سے دس قدم دور بھاگ رہے تھے، ہانپتے کانپتے وہ بڑی سڑک تک آئے اور ہوٹل میں بیٹھ کر پانی کا پورا جگ چڑھا گئے، ٹیبل مین دور کے ایک ٹیبل پر کھڑا انہیں ہی گھور رہا تھا، پھر وہ ان کے پاس آیا شبلی چچا نے پیسے نکال کر میز پر رکھے کہ وہ دیکھ لے۔
"کہاں سے اڑا کے لائے ہو؟" کہا طنز کیا تھا اس نے۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔" احمد کو غصہ آیا۔
"جانے دو بچہ ہے۔" سانس بحال کرتے شبلی چچا بولے۔
"چھ قیمہ پراٹھے، دو پلیٹ مرغ چنے، ایک بڑا پیالہ ربڑی، جگ بھر لسی، فی الحال جلدی سے یہ لاؤ۔" ٹیبل مین انہیں مشکوک نظروں سے گھورتا چلا گیا۔
"ابھی تمہیں جانتا نہیں یہ۔"
"ایسے ہی کرتے رہے تو عید تک سب جان جائیں گے ہمیں چچا۔"
"ہم کوئی اور کام کر لیں گے۔" وہ مسکرا کر بولے، ان کی مسکراہٹ کو دیکھ کر احمد کو شک ہوا کہ اب نیا کام کوئی نیا گل ہو گا جو وہ کھلائیں گے۔
سحری کھا کر وہ قریبی مسجد آ گئے اور پھر گھر آ کر سو گئے، عصر کی نماز سے پہلے احمد تو واش روم میں گھس گیا اور شبلی چچا کو پکا کر رہا کہ آج وہ مسافر روزہ دار مہمان نہیں بنے گا وہ اچھی سی افطاری کرے گا ڈٹ کر۔
"بھوکے۔" انہوں نے بس اتنا ہی کہا اور اب اسی بھوکے کو ڈھونڈنے وہ اس کے کمرے تک آئے تھے تو اس کی موجودگی کا احساس انہیں واش روم میں ہوا، پلٹنے ہی لگے تھے کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا فون بجنے لگا، پہلے انہوں نے سوچا کہ بجنے دیں پھر ایمرجنسی کا سوچ کر اٹھا لیا۔
"کہاں ہے یار تو؟" حمزہ کی اکتائی ہوئی آواز آئی۔
"میں اپنے گھر ہوں۔" انہوں نے سوچا مذاق ہی سہی۔
"آپ کون جناب ہیں؟"
"احمد کا چچا۔" حمزہ کا دل کھول کر ہنسا، آخر چچا کے گھر ہی جانا پڑا، عائزہ نے تو گھسنے بھی نہیں دیا ہو گا، ہاہاہا۔
"وہ عائزہ کے ہی گھر ہے۔"
"تو چچا کو بھی وہیں بلا لیا، مجھے بھی بلا لیتا۔"
"میں عائزہ کا ڈیڈ ہوں۔" وہ بہت نرمی سے بولے۔
"یعنی احمد کے سسر۔" یکدم ہی حمزہ کی زبان سے پھسل گیا۔
"زبان سنبھال کر لڑکے۔"
"کیوں؟" یہ بھی یکدم ہی پھسلا۔
"اوف، کیا کیا کام ہے تمہیں احمد سے؟" اگلے پانچ منٹ دکھیاری آواز میں حمزہ انہیں اپنے دکھڑے (مامی کے مظالم) سناتا رہا اور وہ...... اچھا...... چچ...... چچ...... ہم...... اوہ...... اف...... ہیں...... بدتمیز...... نہیں وہ...... ہم...... اچھا...... کرتے رہے اور اچھا ٹھیک ہے کہہ کر خدا حافظ کر دیا۔

احمد کو شاندار افطاری کروا کر عشاء کے بعد وہ جلدی سونے کے لئے چلے گئے، بقول احمد جو کوئی نیا گل کھلنا تھا وہ نہیں کھلا، تھوڑا سا پڑھ کر وہ بھی سو گیا اور کیا شاندار انداز سے سو رہا تھا، بجلی جا نہیں رہی تھی، کمرے میں گرمی کا احساس تھا نہیں، پیٹ میں من پسند چیزیں ڈالی تھیں بے فکری ہی بے فکری تھی ایسی شاندار نیند تو اسے بچپن سے نہیں آئی تھی، آنے ہی نہیں دی گئی تھی۔

رات کے ایک بجے کمرے کا دروازہ بنا آواز کیے کھولا گیا اور دو لوگ دبے پاؤں اندر آئے، یہ حمزہ اور شبلی چچا تھے، حمزہ نے انگلیوں سے ایک دو تین کے اشارے کیے اور تین پر شبلی چچا نے زوردار مداد ڈھول بجایا جیسے طبل جنگ بجایا ہو، احمد ہڑبڑا کر اٹھا۔

''بچاؤ...... بچاؤ۔'' حمزہ کا قہقہہ بلند بانگ تھا، شبلی چچا کے ڈھول نے اور زور پکڑ لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' احمد چلایا۔

''سرپرائز۔'' دونوں یک زبان چلائے۔

☆☆☆

اب وہ دو سے تین ہو گئے تھے اس لئے شبلی چچا بہت جوش سے اسے ساتھ لے کر سحری کے وقت ڈھول بجاتے نکلے۔

منے کے ابا والے گھر سے ذرا پرے پرے ہی رہے، لیکن ہوا یہ کہ منے کے ابا اپنے گھر کے باہر نہیں بلکہ کسی دوسری گلی میں چھپے ان کی تاک میں تھے، جیسے وہ گلی کے سرے پر نمودار ہوئے ایک جن نما آدمی تیزی سے ان کی طرف لپکا، پہلی نظر احمد کی پڑی وہ جیسے تاڑ گیا آدمی کے ارادے اچھے نہیں تھے۔

''کوئی گڑبڑ ہے چچا بھاگو۔'' اس نے کان میں سرگوشی کی۔

''ٹھہر او ئے منحوس۔'' اس نے دور سے ہی بھڑک ماری، سب صاف ہو گیا وہ الٹے پیروں بھاگے، وہ آدمی بہت دور تک ان کے پیچھے بھاگا لیکن انہیں پکڑ نہ سکا، اسے چکما دینے کے لئے احمد دوسری گلی میں گھس گیا وہ احمد کے پیچھے ہو گیا اور شبلی چچا اور حمزہ آرام سے نکل گئے، کچھ ہی دیر اس نے انہیں سڑک پر جا لیا۔

''آپ مروا کر ہی چھوڑیں گے ہم نوجوانوں کو۔''

''ایسا ارادہ تو نہیں، ہاں ہو جائے تو کچھ برا بھی نہیں۔'' وہ اسے چڑانے لگے، تینوں ہوٹل میں جا بیٹھے۔

''آج کہاں ہاتھ ڈالا ہے؟'' آج ٹیبل مین کی نظروں میں ایسا تاثر تھا جیسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا نا۔

''تمہاری نانی کے گھر......'' جواب دینے میں پہل احمد نے کی۔

''مر دے بھی نہیں چھوڑتے۔''

''کھانے میں کیا ہے؟'' احمد اس سے مزید اور کیا بحث کرتا۔

''کلیجہ۔'' اپنے گھرے پیلے دانت اس نے نکلچائے۔

''تمہارا؟ تین پلیٹ لے آؤ اور گٹر میں ڈال دو، ہمارے لئے کل والا آڈر۔''

''ہونہہ۔'' کر کے وہ چلا گیا۔

''یہ کیا چیز ہے؟'' حمزہ کو ہنسی آ رہی تھی۔

''آج تو بال بال بچے۔'' شبلی چچا کا سانس ابھی بھی پھولا ہوا ہی تھا۔

''آنے والے ہمارے بچے بال بال بچ گئے۔'' احمد طنز کرنے سے باز نہیں رہ سکا۔

''لیکن میں جانتا ہوں باز آپ پھر نہیں آئیں گے۔''

''کتنا جانتے ہو تم مجھے، بہر حال ایک خوشخبری سنانی تھی تمہیں، ذرا غور سے سننا۔'' حمزہ نے پراٹھے کے ایک بڑے نوالے کو آلو قیمہ میں ڈبویا، کھاتے ہوئے وہ بہرہ ہو جاتا تھا۔

''سن رہے ہو حمزہ؟'' آلو قیمے کی پلیٹ اس کے آگے سے اٹھا کر وہ پوچھ رہے تھے۔

''جی...... جی۔'' بھرے ہوئے منہ کے ساتھ وہ بولا۔

''آج ہم ایک نیا کام کریں گے؟''

''پی سی میں ڈنر؟'' پوچھنے میں حمزہ نے پہل کی۔

''بھوکے نہیں، کام مطلب کام۔''

''کوئی بزنس شروع کروا کر وہیں رہیں ہیں ہمیں۔'' حمزہ کو شبلی چچا پر بہت پیار آتا تھا۔

''ہاں کہہ سکتے ہو۔'' ساتھ سر بھی ہلایا، حمزہ کا ان کے لئے پیار اور بڑھ گیا۔

''کیا خوشخبری سنائی ہے آپ نے خدا آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین۔''

''ابھی میں زندہ ہوں۔''

''میرا مطلب جب مریں گے تب۔''

''بزنس کیا ہے ویسے؟'' احمد مشکوک ہو رہا تھا۔

''دن میں پتہ چل جائے گا۔'' اب وہ خود دل لگا کر کھانے سے انصاف کرنے لگے۔

دن کہاں دور تھا وہ بھی آ گیا، وہ تینوں انار کلی کی ایک چوڑیوں کی دوکان میں کھڑے تھے، شبلی چچا نے ایک بھاری رقم دے کر وہ دوکان چند دنوں کے لئے حاصل کی تھی، احمد انہیں سمجھا رہا تھا کہ اگر انہیں پیسے ضائع کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ پیسے ان کی جیبوں میں ڈال کر ضائع کر کے اپنا شوق پورا کر لیں، لیکن ایسے بونگیاں نہ ماریں اور وہ احمد اور حمزہ کو سمجھا رہے تھے کہ دوکان کیسے چلانی ہے، ڈیلنگ کیسے کرنی ہے۔

''پہلی بات تو یہ کہ خواتین صاف ستھرے دوکان داروں کو پسند کرتیں ہیں خاص کر چوڑیوں کی دوکان پر، ورنہ تو وہ ہاتھ بھی پکڑنے نہیں دیتیں۔''

''اچھا۔'' بہت معنی خیز اچھا تھا احمد کا۔

''تو آپ ہاتھ پکڑتے رہیں ہیں ان کے۔'' ان کو کھینچا گیا۔

''ہاں بہت۔'' ان کی زبان پھسلی پھر وہ سنبھل گئے۔

''چپ رہو، میری عمر کا لحاظ کرو۔''

''آپ خود اپنی عمر کا لحاظ نہیں کر رہے، کیسے کیسے شوق ہیں آپ کے۔''

''شوق دا کوئی مل نہیں ہوندا پتر۔''

''تجھے ہاتھوں کا بہت شوق ہے۔'' حمزہ شوق سے بولا۔

''دیکھنے کا۔'' حمزہ مسکرایا۔

''باپ دادا راجے مہاراجے تھے؟''

''شاید ہو، کون جانتا ہے۔''

''راجے مہاراجوں کی باقیات ایسی نہیں ہوتی۔'' شبلی چچا نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور وہ اور احمد دل کھول کر ہنسے۔

''اچھا بس، سنو، خواتین کے ساتھ نرمی ادب و محبت سے بات کرنا۔''

''کتنی محبت سے۔'' احمد نے پوچھا۔

''جس سے گال پر چانٹا پڑے اس سے کم محبت سے۔''

''چچا آپ کو کبھی پڑا، اس کار خیر میں۔'' حمزہ کو مزا آ رہا تھا۔

''دو...... کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' ان کی زبان پھر پھسلی پر دیر ہو چکی تھی، احمد اور حمزہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسے۔

''ہم باری باری نماز پڑھنے جایا کریں

گے، دوکان اکیلی نہیں رہے گی۔" ان کے بدتمیز قہقہے بند کرانے کے لئے وہ سمجھانے لگے۔

"جی جی کیوں نہیں۔" دونوں نے کہا۔

دو خواتین دوکان کے اندر آئیں، شبلی چچا انہیں ڈیل کرنے لگے، احمد اور حمزہ جیولری کاؤنٹر پر کھڑے تھے، انجوائے کر رہے تھے بہت، دو ینگ مچھنی لڑکیاں آئیں۔

"یہ کتنے کا ہے۔" نیلے سوٹ والی نے ایک کڑے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"پچیس کا۔" احمد جھٹ بولا۔

"پچیس کا؟" سفید سوٹ والی حیرانگی سے بولی۔

"صرف پچیس کا؟" حمزہ نے بھی شرکت کی، سامنے چوڑیوں کے کاؤنٹر پر کھڑے شبلی چچا کے کانوں تک لفظ پچیس گیا اور وہ خواتین کو وہیں چھوڑ کر بھڑک کر ان کے کاؤنٹر تک آئے۔

"چار دے دیں۔" سفید سوٹ والی بولی، شبلی چچا نے دونوں کو گھورا۔

"پچیس سے ان کا مطلب پچیس ڈالرز ہے۔"

"ڈالرز؟" دونوں بیک وقت حیران ہوئیں۔

"دراصل کل ہی یہ دونوں امریکہ سے آئے ہیں۔"

"امریکہ سے یہاں اس دوکان پر کام کرنے؟"

"شوقیہ کام...... یو نو...... کریزی امریکن۔"

"شکل سے لگتے تو نہیں کہ کل ہی امریکہ سے آئیں ہیں، انہیں سمجھا کر کھڑا کرنا تھا یہاں، ہمارا موڈ خراب کر دیا۔"

"کم قیمت سن کر آپ کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا ویسے۔" حمزہ نے اپنی بوگی ماری۔

"تین سو کا ہے یہ۔" شبلی چچا بولے۔

"اتنے زیادہ۔" نیلے سوٹ والی زیادہ ہی حیران ہو گئی۔

"پچیس ڈالرز ہی دے دیں پھر۔" احمد مسکرایا۔

"مجھے تو آپ سب پاگل لگتے ہیں۔" سفید سوٹ والی کو غصہ آ گیا۔

"مفت دے دیں تو ٹھیک لگے گے؟" یہ سوال پوچھتے حمزہ حد درجہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"درفٹ۔" نیلے سوٹ والی نے خالص دیہاتی اور جاہلانہ انداز میں کہا اور دونوں دوکان سے نکل گئیں، احمد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا وہ سمجھا یہ قریب کی پنجاب یونیورسٹی یا این سی اے کالج کی طالبات ہونگی، وہ تو کسی اور ہی جگہ کی طالبات نکلیں۔

"سن لیا۔" شبلی چچا نے مزید دل لگا کر انہیں گھورا۔

"اچھا آپ نے سن لیا۔" احمد ڈھیٹ بن گیا۔

"کنگلا کرو گے کیسے، پچیس روپے میں کوئی تھپڑ نہیں مارتا تم کڑا بیچ رہے تھے؟"

"پچیس روپے میں، میں پچاس تھپڑ مار سکتا ہوں۔" حمزہ کے لئے پچیس بھی بہت بڑی رقم تھی۔

"میں سو......" احمد نے بولی لگائی۔

"میں تم دونوں کے گلے دبا دوں گا، مفت میں۔"

☆☆☆

فریال لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پاپا انعام علی کا فون آیا وہ اسے بتا رہے تھے کہ وہ آج بھی افطار کے لئے گھر نہیں آ سکیں گے، انہیں کسی آفیشل افطار پارٹی میں جانا ہے، ماما لاؤنج میں ہاتھ میں تسبیح گھماتیں آئیں تو اس نے انہیں بتا دیا، جسے سنتے ہی ان کے مزاج بگڑے نظر آنے لگے مگر وہ کچھ بولی نہیں۔

"پاپا کتنا مصروف رہتے ہیں نا۔" منال نے ہوم ورک کرتے سر اٹھا کر کہا۔

"ہر کامیاب انسان مصروف ہی ہوتا ہے۔" فریال کو اپنے پاپا پر فخر تھا۔

"کیا دوسرے لوگ کامیاب نہیں؟" منال ہر وقت ڈرامہ ان کہی کا جبران ہی بنی رہتی تھی۔

"پتہ نہیں۔" وہ اس کے سوالوں سے عاجز تھی۔

"کون پتہ کرے گا پھر۔"

"تم کر لو۔"

"اتنی بڑی ہو کر آپ نے اب تک معلوم نہیں کیا، اسی لئے آج تک آپ کی کوئی پوزیشن نہیں آئی۔" جواب میں فریال نے اسے کشن کھینچ مارا۔ ہر کوئی اسے یہی سنا جاتا تھا کہ اس کی پوزیشن نہیں آتی۔

دوسری طرف انعام علی اپنی آفیشل پارٹی کے ساتھ انار کلی بازار گھوم رہے تھے۔

احمد ایک بے حد موٹی خاتون کی موٹی کلائی میں چوڑیاں چڑھانے کی کوششیں کر رہا تھا خاتون کی فرمائش تھی کہ وہ دوکان سے ہی چوڑیاں چڑھوا کر جائے گی۔

"تمہیں چوڑیاں نہیں چڑھانی آتیں؟" خاتون کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا بیس منٹ میں دو ہی چوڑیاں کلائی میں گئیں تھیں باقی کا ڈھیر کاؤنٹر پر ٹوٹ کر لگا ہوا تھا۔

"نازک کلائی میں چڑھانی آتی ہیں۔"

"غربت زدہ...... سوکھی سڑی کلائیوں میں؟" خاتون نے غصے سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

"گھنٹے سے کھڑا کر رکھا ہے مجھے اپنے سامنے گھورنے کے لئے، کام وام آتا نہیں۔" احمد گھورنے کے لفظ پر تلملا کر رہ گیا، خاتون دوکان سے باہر نکلیں۔

"پیسے کون دے گا، ڈھائی تین درجن چوڑی ٹوٹی ہے۔" احمد دوکان سے منہ باہر نکالا کر چلایا، خاتون نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"مطلب۔"

"جا...... جا۔" حمزہ موبائل پر گیم کھیل رہا تھا ساتھ ساتھ ہنس رہا تھا۔

"واہ کیا خاتون تھیں؟"

ایک انکل اور ایک ماڈرن اور بے حد خوبصورت لڑکی اندر آئے تو حمزہ نے جھٹ موبائل چھوڑ دیا۔

"جی فرمایئے۔" وہ ساتھ ہی مودب بن گیا، لڑکی گردن اکڑائے ایک ادا سے دوکان میں موجود چوڑیوں اور جیولری کا جائزہ لینے لگی۔

"ڈیئر یہ دیکھو۔" انکل نے لڑکی کو گلابی رنگ کے چوڑیوں کے سیٹ کی طرف متوجہ کیا۔

"ڈیئر آپ یہ دیکھے۔" حمزہ کو بہت جلدی تھی لڑکی کا ڈیئر بننے کی جھٹ ایک دوسرا آسمانی رنگ کا نازک ڈیسنٹ سا سیٹ اتار کر اس کے سامنے کیا، جبکہ اس کے ڈیئر کہنے پر انکل نے اسے گھورا۔

"ویری نائس۔" لڑکی نے حمزہ کا دیا سیٹ پکڑ لیا انکل کا منہ بن گیا۔

"لائیں میں پہنا دوں۔" حمزہ نے ہاتھ آگے کیا کہ وہ لڑکی کا ہاتھ پکڑے۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" انکل بھڑک اٹھے۔

"انہیں یہ پسند ہے۔" احمد نے بھی شرکت کی۔

"مجھے نہیں ہے۔" ان کا غصہ بڑھنے لگا۔
"آپ نے پہنی ہیں؟" حمزہ نے حیران ہونے کی کمال اداکاری کی۔
"کتنے کا ہے یہ؟" لڑکی نے نئی ادا سے پوچھا۔
"جو دل چاہے دے دیں۔" حمزہ کے یہ الفاظ باہر سے آئے شبلی چچا نے سن لئے وہ قریبی دوکان سے مینگو شیک پینے گئے تھے، حمزہ کی اس بات نے ان کے چودہ طبق روشن کر دیے۔
"پچاس روپے ٹھیک ہیں؟" انکل بھی کم نہیں تھے۔
"یہ چار سو کا ہے۔" شبلی چچا لپک کر کاؤنٹر کے پیچھے اور انکل کے عین سامنے جا کھڑے ہوئے۔
"ان کا کہنا ہے جو دل چاہے دے دیں، میں پچاس ہی دونگا۔" وہ پھیلتے ہی جا رہے تھے۔
"یہ تو پاگل ہیں۔" چچا نے دانت کچکچائے۔
"تو ایسے پاگل رکھے کیوں ہیں دوکان میں؟"
"آپ انہیں پیسے دیتے ہیں یا میں جاؤں۔" ماڈرن لڑکی کو اس بھاؤ تاؤ کی بحث سے ہتکی محسوس ہونے لگی۔
"لے دیں اپنی بیٹی کو۔" حمزہ نے بروقت بدلہ لیا۔
"شٹ اپ۔" حمزہ سے کہا اور اپنی ڈیئر کا ہاتھ پکڑ کر دوکان سے باہر لے آئے لڑکی جھنجھلا گئی۔
"سب کو ایسے ہی بھاگا دیا کرو، بہت نکمے ہو تم، دو پیسے نہیں کما سکتے، ہر وقت مشغل، مذاق۔" شبلی چچا ناراض ہو گئے تو وہ دونوں سنجیدہ ہو گئے، رات دو بجے تک سنجیدگی سے دوکان داری کرتے رہے، حمزہ کا تو سر پھٹا جاتا تھا عورتوں کی چی چی چوں چوں سے، ساری دوکان اتروا لیتی اور لے کر کچھ نہ جاتیں، ایک دو روپے کے لئے گھنٹہ بحث کرتیں اور پھر لے کر بھی نہ جاتیں، دوکان بند کرنے سے پہلے انہوں نے پیسے گنے، حساب کیا اچھی بچت ہو گئی تھی، شبلی چچا نے ایک ایک ہزار دونوں کو دیا۔

اگلے دن وہ لوگ خریداری کرنے ایک ساتھ گئے دوکان عارضی طور پر اس کے اصلی مالک کے پاس تھی شام تک کے لئے ان لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ افطار کے بعد وہاں چلے جائیں گے، حمزہ اور احمد کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی زندگی میں پہلی بار دل کھول کر خریداری کرنے والے تھے وہ، شبلی چچا نے خندہ پیشانی سے انہیں خریداری کروائی، جب وقت وہ پرفیوم شاپ میں تھے فریال ٹھیک اسی شاپ کا گلاس ڈور دھکیلتی اپنی مام کے ساتھ اندر آئی، احمد نے دیکھ تو لیا تھا لیکن ظاہر ایسے کیا جیسے وہ اپنی ہی خریداری میں اتنا مصروف ہے کہ آس پاس کی خبر نہیں۔

"دس بارہ تو فرینڈز کے لئے ہو گئے نا، تین چار اپنے لیے لے لیتے ہیں۔" فریال اس کے قریب کے کاؤنٹر پر آ کر کھڑی ہوئی تو وہ بلند آواز سے بظاہر حمزہ سے مخاطب ہوا، شبلی چچا کچھ کلاک دیکھ رہے تھے۔
"دس بارہ؟" حمزہ حیران ہو کر بولا احمد نے آنکھ مار کر فریال کی طرف اشارہ کیا فریال نے انہیں دیکھ لیا تھا حیران وہ یوں ہوئی کہ ان غریب غربا کا وہاں کیا کام۔
"او ہائے فریال۔" احمد نے اسے اچانک دیکھ لئے جانے کی اداکاری کی، اس نے صرف گھور کر منہ بنایا۔

"تم بھی اسی شاپ میں آتی ہو۔" احمد ہمت نہیں ہارا تھا۔
"نئے نئے ملازم ہوئے ہو اس شاپ میں۔" فریال نے جل کر پوچھا۔
"تم چھوڑ چکی ہو؟"
فریال نے جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا احمد کو دیکھتے ہی اسے ہر بار اپنا یونیورسٹی کے کوریڈور میں گرنا یاد آ جاتا تھا۔
"لیا نہیں تم نے کچھ؟" اس کی ماما پوچھ رہی تھیں احمد اور حمزہ لپک کر ان کے قریب آئے، انہیں حد درجہ سعادت مندی سے سلام کیا۔
"ہم فریال کے دوست ہیں آنٹی۔" احمد نے بہت احترام سے آنٹی کو بتایا۔
"اچھا...... اچھا...... خریداری ہو رہی ہے عید کی؟"
"فی الحال صرف دوستوں کے لئے اور آپ؟"
"میں تو فریال کے پاپا کے لئے آئی تھی۔"
"چلیں بچوں؟" شبلی چچا قریب آئے، احمد نے ان کا تعارف آنٹی سے کروایا، فریال نے بھی سلام کر ہی لیا شبلی چچا کی پرسنلٹی ہی کمال کی تھی فریال کو یقین نہیں ہوا کہ وہ انہی کے ساتھ ہیں، ان دونوں کو تو ہمیشہ لنڈے کی ٹی شرٹس میں ہی دیکھا تھا کہاں شبلی چچا کی امریکن ڈریسنگ، فریال کی ماما کے تاثرات تو اور کمال کے تھے، کبھی فریال نے ذکر ہی نہ کیا۔
"تم دونوں کبھی گھر نہیں آئے؟" وہ پوچھ رہیں تھیں فریال ہکا بکا رہ گئیں احمد اور حمزہ کی بتیسی باہر آ گئی۔
"فریال نے کبھی بلایا ہی نہیں۔" احمد بولا۔
"آپ لوگ کیوں نہیں آتے ہمارے گھر افطار کے لئے؟" شبلی چچا نے دعوت ہی دے ڈالی۔
"پہلے آپ آ جائیں، کل کیسا رہے گا؟" فریال کی ماما نے بھی بھرپور دعوت دی۔
"ٹھیک ہے آنٹی، ہم ضرور آئیں گے۔" حمزہ نے دعوت پکی کی، فریال اپنی ماما کو خفگی سے اور ان دونوں کو غصے سے دیکھنے لگی۔
"ہم کل کا انتظار کریں گے۔" احمد کی زبان سے پھسلا۔
"میرا مطلب ہے آپ کل ہمارا انتظار کیجئے گا۔"
"ضرور۔" وہ مسکرائیں۔

☆☆☆

افطار اور پھر ڈنر کے ساتھ ان دونوں نے فریال کی گھوریاں بھی کھائیں، وہ دونوں ایک جیسے نئے نئے خریدے گئے براؤن کرتوں اور سفید شلوار میں بہت پیارے لگ رہے تھے، فریال کی ماما کو تو دونوں ہی اچھے لگے، وہ سب لاؤنج میں بیٹھے آئسکریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
"رمضان میں بھی انعام صاحب اتنی دیر تک آفس میں رہتے ہیں؟" شبلی چچا نے پوچھا۔
"رمضان ہی کیا وہ تو ہر وقت ہی مصروف رہتے ہیں۔" وہ بے چاری بھری ہی بیٹھی تھیں۔
"انہی کی محنت کی وجہ سے آپ اتنی عیش، میرا مطلب آرام دہ زندگی گزار رہی ہیں؟" حمزہ کو کھاتے ہوئے بولنا ہی نہیں آتا تھا الٹا ہی بولتا تھا۔
"اگر میرے پاپا اتنی محنت نہ کریں تو ہم کنگلوں کی طرح زندگی گزاریں۔" کہا تو فریال نے مسکرا کر پر احمد اور حمزہ دونوں تلملا کر رہ گئے۔
"پاپا آ گئے۔" پورچ میں کار رکنے کی آواز سے منال لپک کر باہر نکلی اور واپس آئی تو ایک

جانے پہچانے صاحب ان کے ساتھ تھے۔

"تم...... تم دوکان والے۔" احمد پر نظر پڑتے ہی وہ بھڑک اٹھے، کھڑے کھڑے ہی بولے۔

"میں فریال کا کلاس فیلوہ ہوں سر، یہ میرے چچا ہیں اور یہ حمزہ، ویسے آپ کس دوکان کی بات کر رہے ہیں؟" کتنا معصوم لگ رہا تھا احمد۔

انعام علی نے ایک نظر میں ان تینوں کو تولا، تینوں کے تاثرات کافی دھمکی انگیز سے تھے۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" شبلی چچا بھی پیچھے نہیں رہے۔

"افطار پر آپ کا کافی انتظار کیا۔" حمزہ نے بھی چھیڑا۔

"میں مصروف تھا۔" وہ ضبط سے بیٹھتے ہوئے بولے۔

"انار کلی میں؟" احمد باز نہیں آیا۔

"انعام صاحب اگلے ہفتے آپ کو ہمارے گھر آنا ہے اپنی فیملی کے ساتھ، آپ کے آنے سے ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔"

"چچا اور وہ ان کی ڈیئر۔" احمد نے جان بوجھ کر بات ادھوری ہی چھوڑی وہ اسے کچا کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔

فریال کے گھر سے وہ دوکان پر آ گئے، دو لڑکے آئے، نوجوان ذرا شرمائے ہوئے گھبرائے سے، کہ کوئی دیکھ نہ لے ایک تو بار بار گردن پیچھے موڑ موڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"یہ اس کی کلائی میں آجائے گی۔" گو اس نے سرگوشی کی صورت بات کی تھی اپنے دوست سے لیکن حمزہ بھی بڑی چیز تھا۔

"کس کی کلائی میں؟"

"ان کی بہن کی۔" سوال حمزہ نے کیا جواب احمد نے دیا لڑکے شپٹا گئے۔

"یہ اس کی کلائی میں نہیں آئے گی۔" حمزہ نے مزے سے لڑکے سے خطاب کیا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟" لڑکا مشکوک نظر آنے لگا۔

"یہ ڈھائی انچ کی چوڑی ہے بہت موٹی کلائی میں آئی ہے۔"

"آپ کی والدہ محترمہ کیا ڈھائی انچ......"

"وہ اتنی موٹی نہیں ہے۔" لڑکا بھڑک اٹھا۔

"آپ کی والدہ؟" احمد نے پوچھا۔

لڑکا جز بز ہو گیا ناچار ساتھ کھڑے دوست کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں اس کی بھابھی۔"

"تم اس کی بھابھی کے لئے چوڑیاں لے رہے ہو اور یہ نہیں لے رہا، کتنی بری بات ہے۔" حمزہ ایسے معاملات کا مزہ لینا خوب آتا تھا۔

"یہ کیوں لے گا اس کے لئے؟" لڑکا مزید بھڑک گیا۔

"تم بھی تو لے رہے ہو۔" احمد نے تیل ڈالا۔

"اوف...... نہیں لیتا میں بھی۔" وہ سیٹ پٹخ کر باہر نکل گیا، شبلی چچا ضبط سے دیکھتے رہے، احمد اور حمزہ نے دانت نکال کر دکھائے۔

☆☆☆

دوکان سے فارغ ہو کر وہ لکشمی چوک سحری کھانے کے لئے آ گئے، رمضان المبارک میں لاہور کے بازاروں اور خاص کر سڑک کنارے بنے ہوٹلوں، دوکانوں کا نظارہ دیکھنے لائق ہوتا ہے ایسے دنوں میں لاہور اور لاہور والے راتوں کو آنکھیں نہیں جھپکتے، رات کو وہ نظارہ ہوتا ہے کہ دن کی گہما گہمی کو مات کرتا ہے۔

سڑک کنارے بیٹھے وہ لوگ گرما گرم کباب کھا رہے تھے، قریب ہی جگ بھر پستے بادام کا دودھ رکھا تھا، کئی کاریں آس پاس ادھر ادھر کھڑی تھیں لوگ فیملیز اور فرینڈز کے ساتھ سحری کھانے آئے ہوئے تھے۔

احمد کی نظر ان سے ذرا فاصلے پر آ کر رکنے والی کار پر پڑی اور وہ آنکھیں چندھیا کر کار کی فرنٹ سکرین کو گھورنے لگا، حمزہ کی نظر بھی پڑ گئی، دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے، شبلی چچا مٹی کے پیالے میں جمی کھیر انگلی سے کھانے میں مصروف تھے، احمد اور حمزہ دونوں کار کے قریب آ گئے احمد انعام علی کی طرف کی کھڑکی میں اور حمزہ ڈیئر کی کھڑکی کے پاس۔

"گھر سے اس وقت نکلنے کے لئے مجھے بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔" وہ لڑکی کی طرف رخ کیے اسے بتا رہے تھے باہر سے انجان تھے۔

"ہیلو انکل۔" احمد پہلے کھڑکی میں جھک کر بولا۔

"تم۔" وہ بری طرح سے گھبراتے نہ تو کیا کرتے۔

"جی ہم۔" حمزہ بھی بولا اور ہاتھ میں پکڑے موبائل سے تصویر بنائی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" لڑکی انعم چلائی۔

"دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔" انکل بھی چلائے، حمزہ تصویریں بناتا ہی رہا، جب تک وہ کار وہاں سے بھگا کر نہیں لیں گئے۔

"دو بیٹیاں ہیں ان کی۔" احمد کو غصہ آیا۔

"اور ساتھ کسی اور کی بیٹی، کہاں جا رہے ہیں لوگ رمضان المبارک میں ایسے کام افسوس کا قیام ہے۔" احمد نے فون نکال کر فریال کو کال کی وہ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی خود کو کچھ کھانے کے لئے راضی کر رہی تھی، احمد کی کال دیکھ کر منہ بن گیا۔

"تمہارے پاپا کہاں ہیں؟"

"تمہیں اس سے کیا؟"

"کہاں ہیں وہ؟" اس کا انداز ذرا سخت ہو گیا۔

"مسجد...... وہاں اہتمام تھا سحری کا، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"جس مسجد میں وہ ہیں اسی میں میں ہوں نا۔"

"تو مجھے کیوں فون کر کے پوچھا؟"

"ایویں...... دل چاہ رہا تھا۔" احمد مسکرایا تو فریال کا خون کھولنے لگا۔

اسی دن کی شام کو انعام علی اپنی بیگم اور فریال پر برسنے لگے۔

"کیا ضرورت تھی ان لفنگوں کو گھر بلانے کی۔" فریال تو حیران رہ گئی ٹھیک ہے وہ انہیں پسند نہیں کرتی تھی وہ بھی فضول سی وجہ سے، لیکن اتنا وہ جانتی تھی کہ بہرحال وہ لفنگے نہیں ہیں، پوزیشن ہولڈرز ہیں اور پروفیسرز کے چہیتے اور پھر اس کے پاپا کیوں لفنگے کہہ رہے تھے۔

"کیا ہوا پاپا؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"بس وہ تمہارے یونیورسٹی فیلوز ہیں یا کچھ بھی تم ان سے کبھی بات مت کرنا، ایسے ہی منہ اٹھا کر تمہاری ماں ہر کسی کو گھر بلا لیتی ہے۔" فریال نے ان کے غصے کو دیکھتی ہی رہ گئی، وہ غصہ کر رہے تھے اور وجہ بھی نہیں بتا رہے تھے، رات گئے تک وہ کشمکش و پیچ میں رہی پھر احمد کو فون کر ہی لیا، پہلی بار اس کا خیال تھا کہ شاید کچھ ہوا ہو۔

"میں جو تمہیں بتاؤں گا وہ تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔" احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایسا کیا ہے۔" وہ اور پریشان ہو گئی اور

اگلے دس منٹ تک احمد کی بات تحمل سے سننے کے بعد مزید پریشان ہو گئی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا، احمد نے اس کے آئی ڈی میں تصویریں بھیج دیں، وہ دیکھ کر بھی اسے یقین نہیں آیا اور وہ آنکھوں سے آنسو بھی پونچھنے لگی، ساری رات سو بھی نہ سکی، مما کو بتا کر وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

"تمہاری ماما سے کہا تو ہے کہ تم دونوں کو پاکستان بھیج دے، پر اس کا خیال ہے کہ ہر سڑک، ہر گلی، ہر گھر کے باہر ایک دہشت گرد بم ہاتھ میں لئے کھڑا ہے، ہاں یار میں بھی تمہیں بہت یاد کرتا ہوں، نہیں میں نہیں مانوں گا، تم اپنی ماما کو مناؤ، نہیں نہیں، اس بار مجھے عید پاکستان میں ہی کرنی ہے، نہیں آؤں گ میں، بس نہیں ہم...... ہاں ہوں ناراض...... تم سب کے ساتھ میں اتنا عرصہ رہا اور تم سب ایک بار بھی میرے پاس نہیں آ سکتے...... ٹھیک ہے...... بائے......" عائزہ کے بیٹے صارم سے بات ختم کر کے وہ کھڑکی میں آن کھڑے ہوئے، احمد نے اتفاقاً کمرے کے آگے سے گزرتے سب باتیں سن لی تھیں اور جیسے اب وہ کھڑے تھے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اداس ہو گئے ہیں۔

"کیا ہوا چچا؟" وہ ان کے پاس آیا۔

"بیٹا، بٹی کو یاد کر رہے ہیں۔"

"انہیں بھی اور بچوں کو بھی، میں چھوٹا تھا تو میرا باپ نہیں تھا، بڑا ہوا تو ماں نہ رہی، بچے بڑے ہوئے تو بیٹی بیاہ کر چلی گئی، بیوی خدا کے پاس اور بیٹا امریکہ سیٹل ہوتے، میرے سارے اپنے کبھی ایک ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکے۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"اور میں زیادہ ہی جذباتی ہو رہا ہوں نا؟"

"میں بھی ہونا چاہتا ہوں۔" احمد نے منہ بسورا۔

"کیا خیال ہے روزے داروں کو جگانے چلیں؟" شبلی چچا دل سے مسکرائے۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ؟" تینوں اس بار دس روزوں کے وقفے سے آئے تھے اور کیونکہ شرارت پر آمادہ تھے تو ٹھیک منے کے ابا کے گھر کے باہر کھڑے تھے، حمزہ نے اندھیرے میں انگلیاں دکھا کر ایک دو تین کیا اور تین پر شبلی چچا نے خوب زور لگا کر ڈھول بجایا۔

"منے کے ابا یہ منحوس مرے نہیں ابھی تک، لو پھر آ گئے، آج ان کے گلے دبا کر ہی آتا۔" جب تک دروازہ کھلنے کی آواز آئی وہ دونوں بھاگ گئے۔

اگلے دن شبلی چچا دونوں کو بتائے بغیر اسی گھر دن کے اجالے میں گئے، خاتون خانہ ہی تھیں گھر میں، ان سے معذرت کی، منے کے لئے پھل لے گئے تھے وہ دیئے اور بتایا کہ انہیں تنگ کرنا ہرگز مقصود نہیں تھا، خاتون خانہ نے پہلے تو دو چار باتیں سنائیں پھر مسکرانے لگیں، ہر کوئی بجلی اور مہنگائی کے ہاتھوں ہی خوار تھا ورنہ لوگوں کے مزاج و اخلاق اتنے برے نہ تھے۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا تھا اس لئے دوکان والے نے اپنی دوکان لے لی تھی، وہ تینوں ادھر ادھر کے ہوٹلوں میں سحر و افطار کرتے، شبلی چچا انہیں نت نئے سڑک کنارے کے ہوٹلوں میں لے جاتے۔

پھر رات گئے تک واک کرتے، شبلی چچا ان کے ساتھ بہت خوش تھے، انہیں لالچ سے میرا یہ نوجوان اچھے لگے، حمزہ کی اماں اس کے ماموں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھیں، جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں، حمزہ سے چھوٹی ایک بہن بھی تھی جو کالج بھی جاتی تھی اور ٹیوشن بھی پڑھاتی تھی اور رات

دن مامی کا گھر بھی سنبھالتی تھی، حمزہ ہی ان کی پہلی اور آخری امید تھا، ایک گھر کی ٹیوشن اسے بھی ملی ہوئی تھی لیکن وہ لوگ رمضان کے لئے مری میں شفٹ ہو گئے تھے ایڈوانس اسے دے گئے تھے جو وہ اماں کو دے آیا تھا، شبلی چچا نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایم بی اے فائنل میں ان کا رزلٹ شاندار رہا تو ان کے لئے نوکری کا بندوبست وہ کریں گے۔

احمد اور حمزہ اسی پر ان کے شکر گزار تھے، انہوں نے پیدا ہوتے ہی محرومیاں دیکھیں تھیں مسئلہ غربت نہیں تھا مسئلہ تنگ دلی تھا جو ان کے رشتے داروں کے دلوں میں تھا، حمزہ کے پاس تو پھر ماں، بہن تھی احمد کے پاس وہ بھی نہیں تھے، چچا میں اس کی جان تھی لیکن اگر چچی بھی اپنا اخلاق کچھ بہتر کر لیتی تو وہ گھر اس کے لئے جنت ہوتا۔

اگلے دن حمزہ نے گھر فون کیا تو پریشان ہو گیا، اماں بیمار تھیں اس نے محسوس کر لیا تھا مگر وہ اسے بتا نہیں رہیں تھیں، وہ ان کے پاس جا رہا تھا۔

"تم انہیں اپنے ساتھ لے آؤ حمزہ۔" شبلی چچا نے سنا تو سنجیدگی سے کہا۔

"اپنے ساتھ لا کر رکھوں گا کہاں، میں خود تو ہوسٹل میں رہتا ہوں، چند دنوں کے لئے لایا تو مامی دوبارہ گھسنے نہیں دیں گی، ابھی تعلیم مکمل نہیں ہوئی، انہیں کہاں سے سنبھالوں گا۔" وہ اور پریشان نظر آنے لگا۔

"عید تک وہ ہمارے ساتھ رہ لیں گی، اس دوران میں ماڈل ٹاؤن کا گھر ذرا ٹھیک کروا لوں گا چھوٹا سا گھر ہے بند پڑا ہے، تم وہاں رہ لینا، جاب مل جائے تو مجھے ایک ساتھ کرایہ دے دینا۔" حمزہ انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"آپ اتنا کچھ کر رہیں ہیں میرے لئے، ایک اجنبی کے لئے؟"

"اجنبی ہونے کو ہم سب اجنبی ہیں، ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی، ورنہ عزت سے احترام سے، پیار و محبت سے کسی کو بھی اپنا بنایا جا سکتا ہے۔"

"آپ مجھ سے کرایہ لیں گے نا؟" اسے شک تھا کہ وہ اسے یہ سب از راہ مہربانی عنایت کر رہیں ہیں۔

"ہاں ہاں جوان میں جانتا ہوں کہ تم بہت غیرت مند ہو ایسے تھوڑی میری مدد لو گے۔" حمزہ انہی کی کار لے گیا اور شام تک صدف اور اماں کو ساتھ لے آیا، اس نے مامی کو بتا دیا تھا کہ اس نے لاہور میں ان کے لئے رہائش کا بندوبست کر لیا ہے وہ خوش تو کیا ہوتیں جل بہت گئیں، ماموں البتہ آبدیدہ ہو گئے اور خوش بھی کہ چلو اب بیٹا ہی اس قابل ہو گیا ہے، اماں نے ہی اپنا زیور بیچ بیچ کر فیسیں بھری تھیں، اچھے دن آنے ہی والے تھے، ان اچھے دنوں کا آغاز رمضان المبارک سے ہی ہو گیا تھا، حمزہ تو کھل اٹھا، اس کی اماں کو اب کہیں جا کر سکون کا سانس آیا تھا، کام کرنے کی انہیں عادت ہی تھی، بخار ٹھیک ہوا تو حاجرہ بی کے ساتھ لگی رہتیں، صدف سے حمزہ نے کہہ دیا تھا کہ وہ پرائیوٹ ایف اے کے امتحان لاہور سے دے لے۔

شبلی چچا نے فون کر کر کے فریال کو افطار پر آنے کے لئے کہا، اس نے ناں بھی نہیں کی تو ہاں بھی نہیں کی۔

رات کو وہ لوگ شاپنگ سینٹر میں شاپنگ کر رہے تھے کہ پھر سے انعام علی اور انعم انہیں نظر آ گئے، انعم شاپنگ بیگز سے لدی پڑی تھی، احمد نے جھٹ فون نکال کر فریال کو فون کیا، وہ بھی گلبرگ میں رہتی تھی جھٹ شاپنگ سینٹر آ گئی، احمد اور حمزہ

ان کے پیچھے پیچھے ہی تھے۔
فون پر فریال کو گائیڈ کرتے رہے اور فریال عین اپنے پاپا کے سامنے جا کھڑی ہوگی، وہ اتنی بری طرح سے گھبرا گئے کہ ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز ہاتھ سے چھوٹ گئے۔

”پاپا یہ کون ہیں؟“ اس کی آواز رندھ گئی، انعم بے نیازی سے کھڑی رہی۔

”یہ انعم ہیں، میرے آفس میں کام کرتی ہیں، یہاں اتفاق سے مل گئیں تو سوچا ان کی مدد سے تم سب کے لئے بھی گفٹس لے لوں۔“

”اچھا تو یہ سب ہمارے لئے ہیں۔“ فریال نے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا۔

”بالکل۔“ انعام علی نے ساتھ پر زور انداز سے سر بھی ہلایا۔

”لائیں یہ سب میں پکڑ لیتی ہوں۔“

”شکریہ انعم اب آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے میں آ گئی ہوں۔“ اس نے نہ صرف کہا بلکہ بڑھ کر انعم کے ہاتھ سے سبھی بیگز بھی لینے چاہے، انعم دو گھنٹے لگا کر دل جمی سے شاپنگ کی تھی اتنا کھپ کر اب وہ یہ بیگز کیسے جانے دیتی وہ بیگز چھوڑ ہی نہیں رہی تھی، فریال نے اچنبھے سے انعام علی کی طرف دیکھا وہ گڑبڑا گئے انعم کو گھورنے لگے، لیکن انعم بھی ڈھیٹ تھی ان کی نظریں سمجھ کر بھی نظر انداز کر رہی تھی۔

”پاپا یہ تو دے ہی نہیں رہیں۔“ فریال نے اطمینان سے اپنے پاپا کی طرف دیکھ کر کہا

”مذاق کر رہیں ہیں بیٹا، میں انعم...... ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟“

”میں مذاق نہیں کر رہی، یہ سب میری چیزیں ہیں...... میں اسے کیوں دوں۔“ انعم نے ان کی پوزیشن کا ذرا سا بھی لحاظ کیے بغیر صاف کہہ دیا، انعام علی ہکا بکا رہ گئے، کیا چیز ہوتیں ہیں عورتیں، اتنا کچھ پہلے لے کر دیا، اتنا کچھ اب لیا، لیکن وہ موقع کی نزاکت ہی نہیں سمجھ رہی تھی۔

”مس انعم......“ انہوں نے پھر بات سنبھالنی چاہی۔

”میں نہیں دوں گی۔“ اس نے ان کی طرف دیکھ کر صاف کہا اور ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ گئی، فریال اپنے پیارے پاپا کی طرف دیکھنے لگی، آنسو اس کے گالوں پر آ کر پھسلنے لگے۔

”آپ سے یہ امید نہیں تھی۔“ اتنا ہی کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی انعام علی اس کے پیچھے لپکے۔

انعام علی کی بیگم ایک سادہ سی گھریلو خاتون تھیں جو انعام علی انہیں بتاتے وہ اس پر یقین کر لیتیں، زیادہ سوال جواب وہ نہیں کرتیں تھیں اب اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اگر بیویاں ایسی ہوں تو شوہر آزادی سے کچھ بھی کرتے پھرے۔

فریال چھپ چھپ کر روتی رہی، انعام علی اسے مناتے رہے، فریال نے ماما کو نہیں بتایا تھا یہی بہت تھا ان کے لئے، پہلے وہ جھوٹ بولتے رہے، پھر صفائیاں دینے لگے اور پھر انہوں نے اپنی پیاری بیٹی سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ انعم سے نہیں ملیں گے، فریال کو ان پر یقین نہیں تھا اب...... اور اسے یقین دلانے کے لئے وہ وقت پر گھر آنے لگے، ان سب کو لے کر عید کی شاپنگ کے لئے چلے جاتے، اپنا نمبر بھی تبدیل کر دیا اور پھر فریال کے کہنے پر رمضان المبارک کے آخری جمعے کی افطاری کے لئے شبلی صاحب کے گھر بھی آ گئے، گو وہ آنا نہیں چاہتے تھے لیکن آ گئے، شبلی صاحب کے گھر کی رونق تو دیکھنے لائق تھی، ان کے پوتا پوتی بھی امریکہ آسٹریلیا سے آ چکے تھے۔

لان میں واک کرتے شبلی صاحب نے دھیمی آواز میں ایک بات ان سے کہی۔

”خاندان بنائے رکھنے کے لئے بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور یہ ساری جدوجہد خاندان کے سربراہ کرتے ہیں۔“ ساتھ ان کے کاندھے پر تھپکی دی اور مسکرانے لگے، انعام علی انہیں شرمندگی سے دیکھ کر رہ گئے۔

آتے ہوئے شبلی صاحب نے سب کو عید کے تحائف دیئے، چاند رات کو احمد ایک چھوٹا سا تحفہ پیک کر کے فریال کے گھر دے آیا، ان دونوں میں اچھی دوستی نہیں تھی لیکن ہو تو سکتی تھی نا۔

ان سب کے لئے یہ عید بہت خاص تھی، اسے پیار و محبت سے خاص بنایا گیا تھا۔

حمزہ کو یہ خوشی تھی کہ وہ پہلی بار آزادی و سکون سے اپنی اماں کے ساتھ عید منا سکے گا، اس نے ایک لمبا عرصہ اس وقت کے لئے انتظار کیا تھا، اسے لگتا تھا دو ڈھائی سال اسے اور لگ جائیں گے نوکری ملنے اور رہائش کا انتظام کرنے میں وہ شبلی چچا کا دل سے ممنون ہو گیا تھا۔

شبلی چچا ان دونوں کے ممنون تھے، ایک عرصے بعد وہ اپنے دل کے ارمان نکال سکے تھے۔

عید کی نماز پڑھ کر ان سب نے مل کر ناشتہ کیا، کھانے پینے کی چیزیں حمزہ کی ماں نے بنائیں تھیں اور کیا خوب بنائیں تھیں۔

عیدی میں شبلی چچا نے ان دونوں کو عارضی ایوننگ جاب کا عندیہ دیا، یہ اچھی تھی دونوں کی، اس جاب کے لئے انہوں نے اپنے بیٹے سے بات کی تھی اور بیٹے نے لاہور میں ایک چھوٹی سی کمپنی چلانے والے اپنے دوست سے۔

رات کا کھانا ان سب کا فریال کے گھر تھا، احمد نے عید کارڈ میں فریال کے لئے ایک بات لکھی تھی۔

”بڑے گھروں میں نہیں بڑے دلوں میں گھر بسانا چاہیے میرے پاس چھوٹا یا بڑا کوئی بھی گھر نہیں ہے لیکن ایک بے حد بڑا دل ضرور ہے۔“ فریال اس بات پر مسکرا دی، کارڈ کا احتیاط سے سنبھال کر الماری میں رکھ دیا، وہ کارڈ جس پر بے شمار رنگوں کے بے شمار پھول کھلے تھے اور جس پر عید مبارک لکھا تھا۔

☆☆☆

عید منائیں اپنوں کے سنگ

قرۃ العین

''عجیب ضد کر رہی ہو صاعقہ تم۔'' وہ رات سے صاعقہ کا پھولا منہ دیکھ کر اب جھنجھلانے لگا تھا۔

''بلکہ بلاوجہ کی نامعقول سی ضد ہے۔'' کچن میں سوجے منہ کے ساتھ ناشتہ بناتی صاعقہ کو اس نے پھر سے سمجھانے کی کوشش کی ابتدا کی۔

''اب میں ضدی بھی ہوں، نامعقول باتیں بھی کرتی ہوں اور کچھ مسٹر خالد۔'' روٹی کو توے پر غصے سے پٹختے ہوئے نہایت چٹخائے لہجے میں پلٹ کر صاعقہ نے خالد سے پوچھا تھا۔

''افوہ، صاعقہ آخر تم بیکار کی بات کیوں بڑھا رہی ہو۔'' خالد جھلایا۔

''میں بڑھا رہی ہوں ہمیشہ آپ کی ہر بات کو اولیت دی زندگی میں شاید پہلی بار آپ سے ایک بات کی فرمائش کی اجازت چاہی اور جواب میں اپنی سوائے خامیاں سننے کے اور تو کچھ نہیں سن رہی مگر آپ نے کہا ناں میں ضدی ہوں تو یوں ہی سہی اب میں چاہے اکیلی ہی جاؤں مگر میں اب آپ کے ساتھ ہرگز نہیں جا رہی ایک جائز بات کی ہے مگر میرا کیا حق کہ کسی خواہش کا اظہار کر سکوں۔'' صاعقہ کو بے حد غصہ آ گیا تھا روٹی کو توے پر جلتا چھوڑ کر بلند آواز میں بڑبڑاتی ہوئی وہ بیڈروم میں آ کر بیڈ پر بیٹھی چھکوں پھکوں رونے لگی تھی خالد یہ صورت حال دیکھ کر تو بوکھلا ہی اٹھا۔

''حد ہو گئی۔'' جلدی سے چولہا بند کرتا وہ صاعقہ کی جانب لپکا شکر ہے بچے گرمیوں کی چھٹیوں کے باعث گھر کے سامنے چھوٹے سے پارک میں اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیلنے جا چکے تھے ورنہ ان کے سامنے سچویشن سنبھالنا کافی مشکل ہو جاتا خالد کے لئے۔

''اچھا بابا رونا تو بند کرو بالکل بچوں جیسا ردعمل ظاہر کر رہی ہو ٹھیک ہے جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا نو بحث نو ضد اب جلدی سے ناشتہ بنا کر دو مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' صاعقہ کو مسلسل زور و شور سے روتا دیکھ کر آخرکار خالد نے ہار مانتے ہوئے اس کی بات مان ہی لی اور اس کے بعد صاعقہ کو منانا کچھ مشکل نہ تھا خالد سے پکا وعدہ لے کر آنسو صاف کرتے ہوئے چہرے پر نم مسکراہٹ سجائے وہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی اور خالد اس کی پشت کو بے بس نظروں سے دیکھتا اپنی سوچوں میں الجھا کھڑا رہ گیا تھا۔

آخرکار کیا جواب دے گا سب کو، کیا عذر تراشے گا، کتنی Embarrasing صورت حال لا کھڑی کی تھی، صاعقہ نے اس کے لئے لیکن اس کے سر پر تو ایک ضد سی سوار ہو گئی تھی اور ایک اچھے اور بے ضرر شوہر ہونے کے باعث آخرکار اسے صاعقہ کی ہی ماننی پڑی تھی۔

''لیکن یہ میں صاعقہ پر ضرور واضح کر دوں گا کہ آئندہ میں اس کی یہ بات نہیں مانوں گا۔'' خالد نے دل میں تہیہ کیا اور آفس جانے کے لئے تیار ہونے لگا۔

☆☆☆

''کیوں آخری بار کیوں خدانخواستہ یہ میرا آخری موقع ہے کیا سال دو سال بعد تو مجھے یہ کام کرنے دے ہر دفعہ میں بحث مباحثہ میں نہیں پڑوں گی بس اور میں نے کون سی ناجائز بات کی ہے بس چھوٹی عید کی ہی بات کی ہے ایک دفعہ ادھر ایک دفعہ ادھر بس اب نئے سرے سے خالد مجھے مت کھپایئے گا میں ویسے بھی سارا دن گھر کے کاموں میں معروف رہ کر تھک چکی ہوں اور اب ہمارے بیچ یہ معاہدہ طے پا چکا ہے اس پر کوئی چخ چخ بخ بخ نہیں ہو گی۔'' صاعقہ نے خالد کی بات سنتے ہی تنک کر جواب دیا اور کروٹ بدل کر

سوگئی اور خالد بس چپ کا چپ ہی بیٹھا رہ گیا۔

خانگی جنگی میں کوئی بھی شریف شوہر زندگی گزارنا نہیں چاہتا لہٰذا اسے چپ ہونا ہی پڑتا ہے اور کچھ باتوں پر سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

"نہ جانے صاعقہ کے دماغ میں یہ بات آ کیسے گئی، کبھی مجھ سے یوں ضد لگا کر نہیں بیٹھی تھی پر اس عورت ذات کا کوئی اعتبار نہیں کسی ایک جگہ پر اس مخلوق کے دماغ کی سوئی اٹک جائے تو وہاں سے ٹس سے مس نہیں ہوتی۔" خالد نے سینے سے لمبی سانس خارج کرتے ہوئے سوئی ہوئی صاعقہ پر یونہی نظر ڈالتے ہوئے سوچا اور خود بھی لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگے۔

☆☆☆

بات دراصل یہ تھی کہ صاعقہ اب کی دفعہ ہر سال کی طرح اپنے سسرال میں چھوٹی عید منانے کی بجائے اپنے میکے میں جا کر عید کرنا چاہتی تھی اور یہ بات بظاہر اتنی غیر معمولی یا عجیب معلوم نہ ہوتی مگر صاعقہ کے دونوں جیٹھ اور خالد ہر سال عید کی چھٹیاں اپنے آبائی گھر جا کر مناتے تھے یوں ان سب کے درمیان ایک خاموش معاہدہ ساتھ اور اتنے عرصے سے گھر سے دور ماں باپ سے دور، بہن بھائیوں میں مل بیٹھ کر، رونق لگا کر رہنے کا بہانہ تھیں ان کی عیدیں اور اب اگر صاعقہ نہ جاتی تو اس کی غیر موجودگی کا ٹھوس جواز دینا ہی خالد کو مشکل لگ رہا تھا وہ اپنے لئے جورو کا غلام جیسے جملے نہیں سننا چاہتا تھا چاہے کوئی منہ پر نہ کہتا دل میں تو سوچتا صاعقہ کی اس حرکت کے بعد اسے سب کی نظروں میں آ جانا تھا، مگر ایک ہفتے سے چھڑی یہ جنگ آخر کار صاعقہ نے اپنے آنسوؤں کے ہتھیار سے جیت ہی لی تھی وہ خوش تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ خالد خوش نہیں۔

ماسٹر قاسم علی کے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں اور ان کا ایک ہی خواب تھا کہ ان کی اولاد بہت زیادہ تعلیم حاصل کرے اور اس کے لئے سفید پوشی میں انہوں نے بہت اچھے برے حالات کا سامنا کرتے ہوئے اپنے تمام بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی ان کی بیوی رقیہ بیگم نے اس میں بھرپور ساتھ دیا تھا بڑے دو بیٹے عاصم اور ہاشم اسی تعلیم کے بل بوتے پر سرکاری افسر بن کر مختلف شہروں میں بس کر اپنی نوکریاں سرانجام دے رہے تھے، خالد جو کہ سول انجینئر تھا ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر سے دور جاب کر رہا تھا اسی کمپنی کی کالونی نے انہیں فلیٹ نما گھروں کی سہولت بھی دے رکھی تھی باقی دو چھوٹے بیٹے وکیل تھے اور اپنے ماں باپ کے پاس ہی رہتے تھے سب شادی شدہ تھے دو بیٹوں کے فرض سے بھی سبکدوش ہو چکے اور چھوٹی دو بیٹیاں جو ابھی بالترتیب کالج اور یونیورسٹی جا رہی تھیں بیاہنے والی تھیں یوں تو ان کے خاندان میں رشتے طے ہو چکے بس تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ان دونوں کے فرض سے اکٹھا ہی سبکدوش ہونے کا ارادہ تھا۔

ریٹائر قاسم علی اور ان کی بیوی انہوں نے خود بھوکے رہ کر اپنے بچوں کو تعلیم اور تربیت دی تھی جو قربانیاں کی تھیں اس کا صلہ اب انہیں خدا خوب دے رہا تھا قاسم علی اپنے اصولوں کے پابند اور سخت تھے اور آج بھی گھر میں اللہ کے فضل سے ان ہی حکمرانی تھی بڑے بیٹے سے لے کر چھوٹے تک نا صرف دل سے احترام اور محبت کرتے تھے بلکہ ہر بات میں انہیں کا فیصلہ مانا جاتا تھا اور اس کے لئے انہوں نے اپنی بیویوں کو بہت اچھی طرح سے باور کرا دیا ہوا تھا کہ والدین کے خلاف ان کی ایک بات بھی نہ سنے گے تھوڑی

بہت کبھی کبھار برتن آپس میں ٹکرانے کی آواز آ تو جاتی تھی لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں ان کے گھر کا سادہ پرسکون محبت بھرا ماحول اور ان بہن بھائیوں کی آپس میں محبت ہی تھی کہ بڑے تین بیٹے عید کی چھٹیاں ملتے ہی گھر کی جانب بھاگتے تھے، مگر پچھلی بقر عید کے موقع پر ایک معمولی سے واقعہ نے ایسی صاعقہ کے دل میں گرہ لگائی تھی جسے اب وہ کسی صورت کھولنے پر تیار نہ تھی ہوا یوں تھا کہ صاعقہ کی دونوں بڑی جیٹھانیاں جو کہ سگی بہنیں بھی تھی عید سے ایک روز قبل ان کے والد کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ظاہر ہے ایسی صورت میں انہیں فوراً میکے جانا پڑا رقیہ بیگم نے بھی جلدی جلدی انہیں بھجوا دیا عید کے روز سارا کام تقریباً صاعقہ کے سر آن پڑا اور صاعقہ شادی کے شروع کے سال تو سسرال ہی رہی مگر گزشتہ ساڑھے تین سالوں سے خالد کے ہمراہ الگ رہ رہی تھی بہت زیادہ لوگوں اور بہت زیادہ کام کی اسے عادت نہیں رہی تھی گو اس کے ساتھ دو دیورانیاں بھی تھیں اور خود ماشاءاللہ رقیہ بیگم بھی اس عمر میں بھی کام پھرتی سے کر لیتی تھیں، مگر اسے لگا جیسے اس کے زیادتی کی گئی ہے اگر پہلے ایک جٹھانی ہو آتی اور پھر دوسری تو کیا حرج تھا یہ بات وہ محض کلس کر سوچ کر رہ گئی تو ہم پر کوئی پابندی تو نہیں کہ ہم ہر سال عید اتنے کام سرانجام دیتے گزارے سارا وقت تو باورچی خانے کی نظر ہو جاتا ہے کبھی بڑوں کی فرمائشیں کبھی چھوٹوں کی فرمائشیں اور پورا خاندان بے حد چٹورا اور بہترین لذیذ کھانے کا شوقین کسی کو حلیم کھانے کا شوق چڑھتا تو دوسرے ٹائم شامی کباب اور پلاؤ بیٹھا تو ہر کھانے کے ساتھ لازمی کبھی کھیر کبھی زردہ چھٹیاں تو وہ سب لوگ یوں گزارتے تھے جیسے کھانے کے لئے ہی آئے ہے اور ساتھ میں بچوں کے اور گھر کے دوسرے کام، کام بانٹنے کے باوجود صاعقہ تو تھک کر چور ہو جاتی تھی اسی لئے اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ یہ چھوٹی عید وہ اپنے میکے میں اپنے حسین دور کی یادیں تازہ کرتی ہوئے گزارے گی صاعقہ دو بہنیں اور ایک بھائی تھا صاعقہ سے بڑی بہن جو کہ اب کینیڈا میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھیں جب تک یہاں رہیں صاعقہ کو کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا نہ اپنی شادی سے پہلے اور نہ اپنی شادی کے بعد شادی کے بعد چھوٹے بچوں کے ساتھ صاعقہ کا جب بھی میکے جانا ہوتا وہ خوب جی بھر نیند پوری کرتی باجی بھی اس کا سن کر آ جاتیں اور پھر ایک دو دن صاعقہ کے خوب مزے ہوتے اور اب چھوٹے بھائی آصف کی شادی کو بھی دو سال کا عرصہ بیت چکا تھا ان کا ایک سال کا بیٹا تھا اور صاعقہ کے دو بیٹے بالترتیب چھ، سات سال کے اور ایک بیٹی جو ڈھائی سال کی تھی صاعقہ کو خوب گھن چکر بنائے رکھتے تھے۔

☆☆☆

ٹرین میں بیٹھ کر میکے میں باقی کے پندرہ روزے خوب نیندیں پوری کرتے اور خوب آرام کرتے اور اپنے گھر کی آزادی محسوس کرنے کے خواب دیکھتی صاعقہ بے حد مسرور تھی خالد نے انہیں ٹرین میں سوار کرا دیا تھا اور آگے سے آصف انہیں لینے کے لئے آ جانا تھا صاعقہ کی فون پر بات ہو چکی تھی۔

"بھئی بچوں اگر آپ لوگوں کا وہاں دل نہ لگا تو پپا کو فون کر دینا میں آپ کو لینے آ جاؤں گا۔" چلتے وقت خالد نے ٹرین کے سفر سے پرجوش بچوں سے کہا وہ گھر اکیلے جانے اور بچوں کے بغیر اتنے دن رہنے سے اداس تھا۔

"لو خواہ مخواہ ہی دل نہیں لگے گا مانا کہ چھوٹا سا شہر ہے مگر بچوں کی سب سہولتیں موجود ہیں

وہاں ان ماموں انہیں روزانہ پارک لے کر جائیں گے، کھانے پلانے لے کر جائیں گے خوب سیریں کرائے گے خوب مزے کرائے گے۔" صاعقہ نے جھٹ جواب دیا اور بچے جو ماں کا فیصلہ سن کر شروع میں ضد کر رہے تھے کہ انہیں دادا ابو کے گھر جانا ہے وہاں خوب مزہ آتا ہے مما سے ایسی ہی لالچ بھری باتیں سن کر نانا ابو کے گھر جانے کو تیار ہوئے تھے۔

"جیسے چاچو اور تایا ابو کر جاتے ہیں۔" چھوٹے حمزہ نے جھٹ پوچھا۔

"ہاں ہاں ان سے بھی زیادہ ماموں مزہ کروائے گے وہاں تو اتنا ہجوم ہوتا ہے یہاں پر تو بس آپ لوگ ان کی آنکھ کے تارے ہوں گے خوب مزہ کریئے گے ہم اس عید پر۔" صاعقہ نے چہکتے ہوئے جواب دیا اور ٹرین کے چلنے پر جلدی سے الوداعی کلمات کہتے ہوئے خالد اسے رخصت لی اور کھڑکی سے ہٹ کر سیٹ پر مسکاتے لبوں کے ساتھ آنکھیں موند لیں۔

"ہوم سویٹ ہوم میں آ رہی ہوں اپنا میکہ اپنا گھر زندہ باد۔" صاعقہ نے دل میں نعرہ لگایا۔

☆☆☆

"ہائے باجی آپ نے بہت اچھا کیا جو عید یہاں منانے چلی آئیں، خوب رونق رہے گی اور عید پر بھی مزہ آئے گا۔" فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا جب سب لوگ روزہ افطار کرنے کے بعد نماز سے فارغ ہو کر آپس میں بیٹھے ہوئے تھے آصف نے بھی مسکراتے ہوئے تائید میں سر ہلایا صاعقہ لوگ دوپہر کو گھر پہنچ گئے تھے کچھ گرمی اور روزہ اور پھر سفر کی تھکن صاعقہ تو سب سے مل کر گھوڑے گدھے بیچ کر یوں سوئی کہ افطار سے قبل ہی اٹھی فائزہ نے اتنی گرمی میں تنہا ہی افطاری کی تیاری کی اور خوب کی دودھ سوڈا، فروٹ چاٹ، سموسیاں، پکوڑے اور بچوں کی فرمائشیں پر چپس اور نوڈلز بنائے اور رات کے کھانے پر بھی کم اہتمام نہ تھا مرغ پلاؤ، کدو کا رائتہ، شامی کباب اور صاعقہ کی پسند کی چکن جلفریزی تیار کر رکھی تھی اس نے اور میٹھے میں ٹرائفل۔

"اف فائزہ اتنا اہتمام گرمی میں کہاں اتنا کچھ کھانے کو دل چاہتا ہے اور تمہارے اندر کوئی جن ہے جو روزے کی حالت اور اتنی گرمی میں تم نے اتنا کچھ بنا ڈالا۔" رات کے کھانے کا اہتمام دیکھ کر صاعقہ بے ساختہ بول اٹھی۔

"ارے باجی یہ تو آپ کی آمد کا سن کر کل کی کچن میں گھسی ہوئی ہے۔" آصف جلدی سے بولا۔

"ہاں بھئی فائزہ تمہارے آنے کا سن کر بہت خوش ہے کہہ رہی تھی خوب رونق رہے گی دو سال سے تو بے چاری ہم چار لوگوں کے ساتھ عیدیں منا رہی ہے اور خود اس کے گھر میں ماشا اللہ چار بھائی بال بچوں سمیت دو چھوٹی بہنیں خوب رونق ہوتی ہے ان کے گھر عید پر اس لیے تمہارا اور بچوں کا سن کر خوش ہے کہ چلو کچھ تو رونق رہے گی۔" امی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا انہیں صاعقہ کا یوں ایک دم کھانے پر فائزہ کو برملا ٹوکنا اچھا نہیں لگا تھا اس لئے بات کا رخ موڑتے ہوئے انہوں نے کہا، اور صاعقہ اندر سے بے حد خوش اور شانت تھی یہی نخرے دکھانے تو وہ اپنے گھر آئی جو حق وہ یہاں جتا سکتی تھی بھلا وہ سسرال میں کیا۔

"بس اب تو میں ہر سال ایک عید یہاں اور ایک وہاں کیا کروں گی۔" صاعقہ نے دل میں کتنی بار کا کیا ارادہ پھر دہرایا اور مزے لے کر کھانا کھانے لگی۔

☆☆☆

"مما! نہ یہاں پر کمپیوٹر ہے جس پر گیمز کھیلے اور نہ کیبل جس پر کارٹون دیکھیں۔" اگلے روز صاعقہ کا بڑا بیٹا حمزہ بسورتا ہوا صاعقہ کے پاس آن کھڑا ہوا جو بڑے مزے سے صوفے پر بیٹھے امی سے محلے کے لوگوں کے بارے میں دریافت کر رہی تھی فائزہ کام والی کے ساتھ لگ کر کچن کا پھیلاوا سمیٹ رہی تھی صبح سحری میں صاعقہ نے آلو کے پراٹھوں کے فرمائشیں کر ڈالی تھیں بلکہ اس نے رات ہی کو فائزہ سے کہہ دیا تھا سونے سے پہلے آلو ابال کر سوئیے گا تاکہ سحری میں دیر نہ ہو۔

"اف تو ان دو چیزوں پر جیتے ہو تو لوگ جاؤ دونوں بیٹ بال کے ساتھ باہر جا کر کھیل لو۔" صاعقہ نے بدمزہ ہوتے ہوئے کہا۔

"باہر کہاں جا کر کھیلیں اتنی دھوپ ہے صحن میں چھوٹا سا ہے دادا ابو کی طرح بڑا سارا گھر تو ہے نہیں اور نہ پھل دار درختوں کی چھاؤں ہیں باہر کیا کھیلے ہم جا کر۔" یہ بھی صاعقہ کا بیٹا تھا منہ پر سچائی بیان کرنے والا ویسے بھی وہ چھٹیاں اپنے ددھیال میں ہی اپنے سارے کزنز کے ساتھ کھیلتے کودتے مزے سے گزارتا تھا اور حمزہ سے چھوٹا عمر بھی بھائی کا ہم خیال نظر آ رہا تھا۔

"اچھا بابا اب یہ وقت کسی طرح سے گزار لو شام کو ماموں تم دونوں کو پاس ہی پارک میں لے جائیں گے وہاں خوب کھیل آنا اور واپسی پر آئس کریم بھی کھا کر آنا۔" صاعقہ نے دونوں کو چمکارا۔

"تو پھر شاپ سے ہی کچھ کھانے پینے کی چیزیں دلا دیں وہاں چاچو ہوتے تو کتنے مزے سے مزے مزے کی چاکلیٹس اور کینڈیز لا کر دیتے ہمیں۔" اب عمر ٹھنکا۔

"دونوں باپ پر ہی گئے طعنے مارنے میں ماہر۔" صاعقہ نے دل میں بھنا کر سوچا اتنے مزے سے بیٹھی وہ گپیں مار رہی تھی خواہ مخواہ ڈسٹرب کر دیا۔

"اچھا نانا ابو سے کہہ دو لے جاتے ہیں نزدیک کی شاپ پر۔" صاعقہ نے جان چھڑانے والے انداز میں دونوں سے کہا۔

"ارے بیٹا ان کے تو گھٹنوں میں درد رہتا ہے وہ اتنا نہیں چل سکتے دیکھ نہیں رہی صبح کے اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں ویسے بھی وہ سارا دن اخبار پڑھتے ہیں، ٹی وی پر ہولناک دل دہلانے والی بلکہ ہارٹ اٹیک کا موجب بننے والی خبریں سنتے یا پھر سوتے ہیں۔" امی جو اتنی دیر سے ماں بیٹوں کی گفتگو خاموشی سے سن رہی تھی جھٹ ان سے کہا۔

"میرے سسر تو اس عمر میں بھی چاک و چابند ہیں صبح سویرے اٹھ کر صحن میں تمام بچوں کو دوڑیں لگواتے ہیں، مسواک کرواتے ہیں، باغبانی بھی خود ہی کر لیتے ہیں نزدیک سے سودا سلف لانے کی ذمہ داری بھی انہوں نے زبردستی اپنے سر لے رکھی ہے لاکھ ان کے بیٹے کہتے رہے کہ یہ سب کام نہ کریں پر وہ کہتے ہیں کہ نوکری سے ریٹائر ہوا ہوں زندگی سے نہیں اور اب ہی تو اصل زندگی جینے کا وقت آیا ہے، اپنی صحت کا بے حد خیال رکھتے ہیں وہ۔" صاعقہ نے بے ساختہ کہا۔

"بس بیٹا اپنی سوچ اور اپنی صحت کی بات ہے۔" امی بس یہی کہہ کر رہ گئی اور اسی وقت پاس سوئی تانیہ اٹھ کر رونے لگی اور صاعقہ جو اسے امی کو پکڑا کر خود لائٹ آنے پر نہانے کا سوچ رہی تھی کہ فائزہ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے امی کی جانب چلی آئی۔

"امی اسے ذرا سنبھالے میں ذرا صفائی وغیرہ کروا لوں۔" فائزہ جلدی سے گول گوتھنے سے مانی کو امی کی گود میں ڈال کر واپس پلٹ گئی۔

"ارے آصف ذرا بچوں کو سامنے پارک میں تو لے جاؤ سخت بور ہو چکے ہیں صبح کے کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" شام کو صاعقہ نے آرام سے اپنے بیٹے کے ساتھ کھیلتے آصف سے کہا۔

"توبہ کرئے باجی اتنی گرمی ہے باہر اتنا لمبا روزہ رکھا ہوتا ہے ہمت کہاں ہے مجھ میں مجھ سے تو روزوں میں اس قسم کے کسی کام کی امید نہ رکھیے۔" آصف نے ٹکا سا جواب دے ڈالا اور صاعقہ چپ کی چپ کھڑی رہ گئی پچھلے رمضان بھی تو بہت گرمی تھی مگر ان کے دونوں چچاؤں نے شام کی ڈیوٹی سنبھال رکھی تھی سبھی بچوں کو سیر کرانے لے جاتے تھے تاکہ افطاری بنانے میں بھی آسانی رہے اور بچے بھی خوب انجوائے کر سکیں انہوں نے کبھی روزے، گرمی یا تھکان کا احساس تک نہ کیا تھا۔

"یہاں پر بھی تو بیٹھے ہی ہوئے ہو وہاں پارک میں بھی بینچ پر جا کر بیٹھنا ہی ہے۔" صاعقہ نے قدرے خفگی سے اس کے یوں جواب دینے کا احساس دلانے کے لئے کہا۔

"یہاں آرام سے تھکا ہارا آ کر گھر میں بیٹھا ہوا ہوں اور وہاں پارک آپ کے یہ دو شیطان مجھے آرام سے بینچ پر بیٹھنے دے گے پیچھے پیچھے اپنے خوار نہیں کریں گے میں تو بس روزہ کھول کر عشاء کی نماز کے فوراً بعد سونے کی تیاری پکڑتا ہوں آدھی رات کو تو اٹھ کر سحری کرنا پڑتی ہے پھر اتنا لمبا گرمی کا دن ہمت ختم ہو جاتی ہے اس وقت تک۔" آصف نے اسی لہجے میں ایک بار پھر جواب دیا اور اپنے بیٹے کو اٹھائے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ موٹر بائیک کی چابی پکڑے اور اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے باہر کی جانب چلا۔

"آصف کدھر جا رہے ہو بیٹا؟" امی نے باہر جاتے آصف سے پوچھا، پاس ہی صاعقہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"امی مانی کے دوکان جانے کا وقت ہے تک نہیں رہا آرام بھی نہیں کرنے دیا چوں چوں کر رہا ہے اس بائیک کی سیر کرا لاؤں اور دوکان سے چپس وغیرہ لا دوں۔" آصف نے پلٹ کر جواب دیا۔

"ماموں ہمیں بھی لیتے جائیں۔" حمزہ نے جھٹ کہا۔

"ارے نہیں یار مانی کے ساتھ میں تم دونوں کو کیسے سنبھالوں گا میں بس ابھی آیا۔" صاعقہ کے دل میں کچھ چبھا تھا جس طرح سے آگے آصف اسے جواب دے چکا تھا، وہ اب اسے اس کی زیادتی کا احساس بھی نہیں دلا پائی تھی، مگر اسے دکھ سا ہوا تھا۔

"آصف کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔" صاعقہ امی کے سامنے شکایت کیے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

"فضول کی باتیں نہیں سوچتے بیٹا بچی بات ہے اتنی گرمی کے روزے نبھانا آسان نہیں اور مانی تو روز اس وقت آصف کو دیکھتے ہی بائیک کی طرف ہمکنے لگتا ہے جب تک اس کی سیر نہ کرے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا میں ذرا فائزہ کو دیکھ لوں کیا بنا رہی ہے کوئی سبزی وغیرہ بنا دوں اس کے ساتھ۔" امی اسے ہی نرم لہجے میں ٹوکتیں باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی اور صاعقہ بس چپ چاپ بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

"باجی جلدی اٹھ جائیں سحری کی تیاری کریں وقت کم رہتا جا رہا ہے۔" ایک دو روز بعد آصف نے صاعقہ کو سحری کے وقت اٹھاتے ہوئے کہا اور صاعقہ جو رات ساری ننھی تانیہ کے ساتھ لگی رہی تھی آصف کی بات سن کر چکرا کر رہ گئی۔

"کیوں فائزہ کو کیا بات ہے؟" صاعقہ نے یوں نیند خراب ہونے پر قدرے چڑ کر پوچھا۔

"باجی اس کے سر میں بہت درد ہے اور مانی نے بھی رات اسے آرام نہیں کرنے دیا فائزہ کہہ رہی تھی کہ رات آپ کی فرمائشیں تھی کہ سحری میں قیمے کے پراٹھے بنے تو قیمہ اس نے رات ہی کو بوائل کر کے فریج میں رکھ دیا بس اب آپ اٹھ کر جلدی سے تیاری کریں روزہ لمبا ہوتا ہے سحری اچھی طرح سے کی جائے تو ہی دن گزرتا ہے۔" آصف جلدی سے تفصیل سنا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور صاعقہ اس افتاد پر حیران پریشان چند لمحے بیٹھی رہ گئی۔

تانیہ کو پاس سوئی امی کے پاس لٹا کر وہ جلدی سے کچن کی جانب بڑھ گئی اس کا موڈ بے حد آف تھا ایک تو رات بھر آرام نہ کیا اور اب اکیلی ساری سحری تیار کرنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"اس وقت وہاں پر کتنی رونق ہوتی تھی سبھیں خواتین کچن میں جمع ہوتی تھیں ہر ایک نے اپنا کام سنبھالا ہوتا تھا جو ان کی ساس نے مساوی سب کو تقسیم کر کے دیا ہوتا تھا اور اگر کسی کا چھوٹا بچہ یوں رات بھر جاگ کر اور ماں کو جگا کر پریشان کیے رکھتا تھا تو اس کے حصے کا کام اس کی ساس بڑے خوش اسلوبی سے انجام دے لیتی تھی اور اتنی رونق میں تو کام کرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور یہاں یوں نیند ہی بوجھل ہوتی آنکھوں کے ساتھ صاعقہ کو تنہا سحری بنانا دوبھر لگ رہا تھا اور وہ جو وہاں رونق سے بیزار دل میں چڑیا گھر سے الفاظ استعمال کرتی کام میں مصروف ہوتی تھی اب اسی رونق کو شدت سے محسوس کر رہی تھی۔"

"مما ہم یہاں آ کر بہت بور ہو رہے ہیں خواہ مخواہ پندرہ دن پہلے یہاں لا کر بٹھا دیا۔" سہ پہر کو دونوں پھر بسورنے لگے تھے۔

"باجی میرے کچھ دوست افطاری پر آ رہے ہیں جلدی سے انتظام کرے۔" صاعقہ ابھی انہیں پچکارنے ہی لگی تھی کہ آصف نے آ کر جلدی مچاتے ہوئے کہا۔

"کیا افطاری کا انتظام؟" صاعقہ کو سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ کس طرح سے جواب دے ہکلا کر رہ گئی۔

"ہاں باجی دہی بڑے صرف آپ ہی نرم اور پھولے ہوئے بنا سکتی ہیں فائزہ تو انہیں پتھر بنا دیتی ہے اور سندھی بریانی آپ پر ختم ہے ایک دو چیزیں اور بنا لیجئے گا اور کچھ فائزہ آپ کی ہیلپ کر دے گی میں واپسی پر سامان لیتا ہوا آیا ہوں بس جلدی سے اٹھ کر کام شروع کر دیں افطاری تک سب تیار ہو جانا چاہیے میری اچھی باجی سب بہت مزے کا بنائیے گا۔" آصف اپنا ہی راگ سناتا ہوا ابا جی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور صاعقہ کو طوہاً کرہاً اٹھ کر کچن میں آنا پڑا۔

فائزہ کو بخار نے آ لیا اور یوں باقی کے کام بھی صاعقہ کے سر آن پڑے وہ تو بس بوکھلا کر رہ گئی لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے کرنا ہی تھا دو دن سے سحری افطاری اسی کے سر تھی پھر روزانہ کے گھر کے کام اوپر سے روز بچوں کے میلے کپڑے دھونے وہ جو خواب لے کر میکے آئی تھی کچھ ہی دنوں میں چکنا چور ہو کر رہ گیا تھا وہاں پر تو

سب کے کام بٹے ہوئے تھے اس لئے اضافی بوجھ کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور جس کالونی میں لوگ الگ رہتے تھے وہاں پر بھی صاعقہ نے کام والی رکھی ہوئی تھی اور چھوٹی سی فیملی کا تھوڑا سا کام ہوتا تھا جو وہ تانیہ کو سنبھالتے ہوئے بے حد آرام سے کر لیتی تھی۔

''باجی کے دم سے کتنی رونق لگی ہوئی ہے کتنا مزہ آ رہا ہے عید پر بھی خوب مزہ آئے گا میری امی ابو کے گھر تو اتنی رونق ہوتی ہے عید پر بہت مزہ آتا ہے۔'' فائزہ جو دو دن بعد بخار سے اٹھی تھی اور اپنی ساس کے پاس تخت پر لیٹی ہوئی تھی صاعقہ کی موجودگی میں کہا۔

''تو تم اب کی دفعہ عید وہیں پر کر آؤ میں ہوں ناں یہاں پر۔'' صاعقہ نے جلے لہجے پر اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

''ہائے نہیں باجی عید تو اپنے اصل گھر میں ہی کرنے کا مزہ آتا ہے بس گھڑی دو کے لئے مہمان بن کر ہو آتی ہوں پر پھر امی ابو کی تنہائی کی وجہ سے ہم شام کو واپس آ جاتے ہیں۔'' فائزہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' صاعقہ کو فائزہ کی ڈھکی چھپی سی بات سمجھ نہیں آئی امی قرآن پاک پڑھنے میں مصروف تھیں رمضان کا مہینہ زیادہ تر ان کا عبادت میں ہی گزرتا تھا۔

''دیکھئے نہ باجی میکہ تو پرایا ہوا اصل گھر تو یہ ہے میرا ہر طرح کا حق میں یہاں پر جتا سکتی ہوں وہاں پر تو مان ہے کوئی مانے مان نہ مانے میں کیا کر سکتی ہوں اس لئے عید کے روز صبح سویرے سوئیاں وغیرہ بنا کر کھلا کر جب آصف عید گاہ جاتے ہیں میں جلدی جلدی کام نمٹا کر ان کے لاتا عید کا جوڑا پہن کر خوب تیار ہوتی ہوں امی جی ہر عید پر لازمی مجھے ڈھیر ساری چوڑیاں لے کر کر دیتی ہیں، ابو جی سے آصف سے آتے ہی عیدی ملتی ہے یہ سب چیزیں مجھے اپنا حق محسوس ہوتی ہے میں آصف سے یا امی سے لاڈ سے فرمائش کر کے چوڑیاں یا عیدی لیتی ہوں وہاں میکے میں تو اب بھابیوں کا اصل حق ہے وہاں میں جا کر حق نہیں جتا سکتی ہے ہاں اگر کوئی خیال کرے تو خوشی محسوس کر سکتی ہوں ارے لگتا ہے مانی جاگ گیا ہے میں لے کر آئی۔'' فائزہ نہ جانے صاعقہ کو کیا جتلانا چاہ رہی تھی جو یوں بات کرتی ہوئی جوتی پاؤں میں اڑستی اپنے کمرے کی جانب تیزی سے بڑھ گئی اور صاعقہ تو جیسے سن ہی بیٹھی رہ گئی، تو گویا اب اس کا میکے پر حق ختم ہو چکا تھا اور یہی تو سچ تھا امی ہمیشہ سے ہی صلح جو اور خاموش طبع تھیں ان سے شکایت کرنے کا فائدہ ہی کیا تھا الٹا انہوں نے سمجھانے بیٹھ جانا تھا۔

صاعقہ سوچ رہی تھی کہ ایک عید ادھر اور ایک عید ادھر کیا کرے گی یہ عید ہی یہاں پر گزارنا مشکل لگنے لگا تھا وہ بہت عجیب سا محسوس کرنے لگی، بچپن، لڑکپن اور جوانی اسی گھر میں گزارنے والی صاعقہ کو اب یہی گھر اجنبی لگنے لگا تھا فائزہ نے ہر چیز اپنی مرضی سے سیٹ کی ہوئی تھی کچن کی کیبنز میں ان کی ترتیب بدل دی گئی تھی صاعقہ کو چھوٹی موٹی چیز ڈھونڈنے کے لئے کافی تلاش بسیار کرنا پڑتا تھا یا پھر فائزہ کے انتظار میں بیٹھنا پڑتا تھا امی ابو کے خاموش رویہ کی وجہ بھی اسے با خوبی سمجھ آ رہی تھی انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ رہنا تھا اور وہ گھر کا پرسکون ماحول بنائے رکھنے کے لئے بیٹے کی لاڈلی بیوی کے ساتھ بنا کر رکھنا ہی عقلمندی تھی۔

صاعقہ کام چور یا سست نہیں تھی بات رویے اور احساسات کی تھی وہاں بھرے پرے سسرال میں اس نے خود سے ہی اخذ کر لیا تھا کہ بس وہاں پر کام اور بے حد کام کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں اسی سوچ کی وجہ سے وہ ان خوبصورت رشتوں سے جڑے احساسات کو محسوس ہی نہیں کر پا رہی تھی جو کہ پہلی دفعہ یہاں اپنے میکے میں آ کر اسے احساس ہونے لگا تھا۔

اکیلے خالد کو گھر جانے پر کتنی شرمندگی محسوس ہوئی ہوگی اور اس نے نہ جانے کیا کیا ان کی غیر موجودگی کی تاویلیں گھڑی ہوں گی اسے اب اپنی ضد بے جا لگنے لگی تھی اس پر پابندی تو کوئی نہیں تھی سسرال کی طرف سے نہ خود خالد کی طرف سے بلکہ خالد نے اس کی ضد کے جواب میں کہا تھا کہ وہ عید کے اگلے روز ملنے چلے گے پر صاعقہ نے تو خواہ مخواہ چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا لیا تھا لیکن ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تھا صاعقہ دل میں کچھ ٹھان کر اٹھی۔

''حمزہ! ادھر آؤ میری بات سنو۔'' صاعقہ نے بڑے بیٹے کو پکارا اور پھر اسے کچھ سمجھایا صاعقہ کی بات سن کر حمزہ کا چہرہ کھل اٹھا اور صاعقہ کو مزید سے یہ احساس ہوا کہ انجانے میں وہ اپنے بچوں پر بھی زیادتی کر گئی ہے۔

☆☆☆

''بھئی چاند رات مبارک ہو میرے چاند کو۔'' خالد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے نہایت رومانٹک انداز میں صاعقہ سے کہا۔

''ہٹیں بھی۔'' صاعقہ شرما کر رہ گئی اور بچوں کے دھلے کپڑوں کی تہہ لگا کر الماری میں رکھنے لگی، جو صبح اس کی جٹھانی نے دھوئے تھے آج مشین انہوں نے لگائی ہوئی تھی۔

''خالد!'' صاعقہ نے کچھ سوچتے ہوئے لیٹ کر بیڈ پر لیٹے ہوئے خالد کو پکارا۔

''جی جناب! جی سرکار!'' خالد نے چھیڑنے والے انداز میں جواب دیا۔

''آپ نے، اچھا آئی ایم سوری میں نے خواہ مخواہ ضد کر کے آپ کو پریشان کیا اور آپ کتنے اچھے ہیں مجھے کچھ بھی نہیں جتایا بلکہ حمزہ کے ایک فون پر ہی اتنی گرمی اور روزے میں ہمیں اتنی دور لینے چلے آئے۔'' صاعقہ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں شرمندگی نمایاں تھی۔

''ارے صاعقہ تم خواہ مخواہ تپی ہو رہی ہو تمہارا موڈ اپنے میکے عید منانے کا تھا تو ٹھیک ہے مجھے بس یہی تھا کہ چھٹیاں ہیں میں اور بچے یہاں پر مل کر ریلیکس ہو کر منائے گے اور بس اور ویسے بھی بس اس ٹاپک کو اب بند کر دو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں اور ویسے بھی ہر کام میں بہتری ہوتی ہے اب تم تمہیں کم از کم یہ تو اندازہ ہو گیا کہ میں کتنا اچھا ہوں۔'' خالد نے صاعقہ کی شرمندگی کو رفع کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''خالد صبح عید ہے اور میں تو وہاں کوئی شاپنگ بھی نہیں کر سکیں نہ اپنی نہ بچوں کی۔'' اب کی دفعہ صاعقہ نے روہانسی انداز میں اپنا مسئلہ بیان کیا وہاں پر اس نے یونہی فائزہ سے بازار چلنے کو کہا تھا کہ عید کی شاپنگ کرے تو اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے تھے کہ بھئی اتنی گرمی میں تو وہ شاپنگ کا سوچ بھی نہیں سکتی اور وہ تو رمضان سے پہلے ہی عید کی شاپنگ مکمل کر چکی اسے جانا ہے تو وہ امی کے ساتھ چلی جائے اور امی بے چاری کہاں جا سکتی تھیں اور پھر گرمی اور سحری افطاری یا پھر گھر کے دوسرے کاموں میں صاعقہ میں خود بھی ہمت نہ بچتی تھی کہ وہ بازار کا ایک چکر لگا پاتی لہٰذا روز ہی کل ضرور جاؤں گی کا کہہ کر پھر کل پر ٹال دیتی اور یونہی ٹالتے ٹالتے چاند رات آ گئی تھی۔

''ارے جان من یہ بھی کوئی مسئلہ ہے اظہر

نے تمام بچوں کو چاند رات کی شاپنگ پر لے جانا ہے سب کے لئے چوڑیاں بھی لانی ہیں ہم بھی چلتے ہیں اور جتنی چاہو شاپنگ کر لانا۔" خالد نے چھوٹے بھائی کا نام لیتے ہوئے چٹکیوں میں مسئلے کو اڑایا۔

"صاعقہ بیٹا!" صاعقہ کی ساس صاعقہ کو پکارتی چلی آ رہی تھیں۔

"جی امی آ جائیں۔" خالد نے جلدی سے اٹھتے ہوئے مودب لہجے میں کہا۔

"لو بھئی صاعقہ یہ تمہارا اور تمہارے بچوں کے ریڈی میڈ سوٹ ہیں ساتھ ہی تمہاری چوڑیاں وغیرہ ہیں۔" صاعقہ کی ساس نے نرم لہجے میں ایک بڑا سا شاپر صاعقہ کو تھماتے ہوئے کہا اور خود خالد کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"امی اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔" صاعقہ کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

"ہائے بچے تکلف کیسا یہ تو ان بھائیوں کا کام ہوتا ہے یا بچوں نے عید کے یہ کام یونہی بانٹیں ہوئے ہیں بڑے سب کے لئے سوٹ بنواتے ہیں چھوٹے دوسرے لوازمات وغیرہ لاتے ہیں یہ تو محبتوں کو بانٹنے کا ایک طریقہ ہے بچے اب کی دفعہ تم بھلے یہاں پر نہیں تھی مگر تمہارا حصہ تو لازمی آنا تھا ناں اس لئے بڑی دلہن تمہارے لئے بھی شاپنگ کر لائی تھی اور یہ تو اچھا ہی ہو گیا کہ تم لوگ عید سے ایک دن قبل پہنچ گئے اب اور مزہ آئے گا عید کا اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ تمہارے ابو کی طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے میں نے تو تمہیں کہا تھا فون پر بھی کہ اگر چاہو تو یہ عید وہیں پر ہی کر لو جب تک تمہارے ابو کی طبیعت سنبھل نہ جائے پر اللہ کا شکر ہے میرے بیٹے ہی نہیں اللہ نے مجھے بہوئیں بھی بڑی اچھی ملنسار اور فرماں بردار دی ہیں اور ویسے بھی بیٹا تمہارا اصل گھر تو یہی ہے ناں ہم بھی بچوں سے اداس تھے وہ بھی دور ہو گئی تمہارے آنے پر جیتی رہو۔" صاعقہ کی ساس نے نہایت تفصیل سے شفقت سے اسے جواب دیا اور صاعقہ تو یہ بات بہت اچھی طرح جان چکی تھی کہ وہ شادی کے بعد لڑکی کا اصل گھر جس پر اس کی حکمرانی ہوتی ہے حق ہوتا ہے اور جہاں پر دوسرے رشتوں کی محبتیں ہوتی ہیں اس کے شوہر کا گھر ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

"امی ہم نے کچھ زیادتی نہیں کر ڈالی صاعقہ باجی کے ساتھ وہ کیا سوچتی ہو گی ہمارے بارے میں۔" فائزہ نے اپنی ساس کے پاس بیٹھے پالک کاٹتے ہوئے بات کی۔

"نہیں بیٹا یہ زیادتی نہیں تھی زیادتی وہ تھی جو وہ رشتوں میں کرنے چلی تھی معمولی سی ٹھوکر اگر گرنے سے بچا لے تو ایسی ٹھوکر لگ جانی چاہیے یا لگا دینی چاہیے۔" فائزہ کی ساس نے پالک کے پتے چنتے ہوئے جواب دیا۔

"جس روز مجھے خالد نے فون کر کے صاعقہ کی ضد کے بارے میں بتایا تھا میں نے اسی روز جان لیا تھا کہ صاعقہ معمولی سی بات کو دل پر لگا کر میاں بیوی کے رشتے کے کچے دھاگے میں تناؤ لا رہی ہے اور پھر یہاں آ کر بھی تو اس کا رویہ درست نہیں تھا یہ اس کے ماں باپ کا گھر تو ہے لیکن اسے احساس ہونا چاہیے کہ یہ اس کے بھائی کا بھی گھر ہے وہ تمہارے ساتھ برابری کا رویہ رکھتی تو شاید میں اسے باتوں سے ہی سمجھانے کی کوشش کرتی مگر آ کر آرام طلبی اور اضافی اور بلاوجہ کا کام کا بوجھ اگر ہم اس کی مان لیتے تو یہ سلسلہ کب تک چل پاتا ادھر بھی تناؤ اور ادھر بھی تناؤ اسی لئے میں نے تم دونوں کو بلا کر یہ سب کرنے کو کہا بیٹا صاعقہ اور فائقہ تو اپنے گھر کی ہوئیں وہ میرے پاس پرائی امانتیں تھیں اصل بیٹی تو تم ہو میری اور داماد بھی بیٹے ہوتے ہیں اس لئے رشتے کو ان کے اصل خانے میں رکھ کر ہی چلنا چاہیے بلاوجہ کی توقعات رشتوں میں خرابی پیدا کرتی ہیں اور یہ بیٹیاں اپنے میکے کے معاملے میں بڑی صاف دل کی ہوتی ہیں تم یا آصف کو فون کر لو گے تو اس کا دل صاف ہو جائے گا۔" انہوں نے کافی تفصیل کے ساتھ جواب دیا اور فائزہ کے دل میں ان کی قدر مزید بڑھ گئی۔

"ارے نہیں امی فون نہیں ہمارا ارادہ تو عید کے روز ان کے ہاں جانے کا ہے ہمیں وہاں پا کر صاعقہ باجی کے دل سے رنجش دور ہو جائے گی اور اس طرح عید اپنوں کے سنگ منانے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" فائزہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"لیکن بیٹا ہو تو کم از کم تین گھنٹے کا سفر ہے اور تم نے میکے ملنے نہیں جانا وہ لوگ بھی تو اس دن دعوت رکھتے ہیں سب کی۔" وہ جلدی سے بولیں۔

"نہیں امی صاعقہ باجی کے ہاں جانا ضروری ہے عید کے روز ہمیں دیکھ کر ان کی خوشی پوری ہو جائے گی اور بھائی لوگوں کو بھی میں نے کہہ دیا تھا کہ اگلے روز دعوت رکھ لے اور امی میں جب ساس بنوں گی تو آپ جیسی ہی بننے کی کوشش کروں گی۔" فائزہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا اور آخر میں ان کی شفقت کا جیسے اعتراف کیا۔

"جیتی رہو بیٹی، ابھی ذرا شیر خورمہ کی تیاری کر لینا آصف آ گیا تو پھر میں کہوں گی کہ تمہیں بازار سے چوڑیاں پہنا لائے تمہارے ابو نے تمہاری چوڑیوں کے پیسے صبح ہی دے دیئے تھے مجھے۔"

"جی امی میں بس جا رہی ہوں کچن میں بادام اور چھوہارے بھگو دوں گی۔" فائزہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔

"آہ دل بیٹوں کی کمی محسوس کرتا ہے عید پر جب یہاں تھیں چڑیاں کتنی رونق لگاتی تھیں پر اگر بہو کو بھی بیٹی مان لیا جائے تو بھی عید تو اپنوں ہی کے سنگ منائی جاتی ہے بات تو صرف سوچ کی ہے اچھی سوچ ہی اچھا عمل بناتی ہے۔" فائزہ کی ساس نے دل میں سوچا۔

"صاعقہ بیٹا بھئی شیر خورمہ صبح تم نے ہی بنانا ہے تمہارے جیسا لذیذ کوئی نہیں بنا سکتا۔" چاند رات پر سب جب چوڑیاں چڑھا کر آئے تو واپسی پر خاص طور پر صاعقہ کے سسر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جی ابو جی ضرور میں ہی بناؤں گی۔" صاعقہ نے جھٹ جواب دیا اور کچن کی جانب بڑھ گئی صبح سب کے لئے اس نے شیر خورمہ بنانا اور دل سے بنانا تھا۔

☆☆☆

کتاب نگر

سراب منزل

مصنف: اے خیام

تبصرہ: ثمین کرن

”سراب منزل“ اے خیام صاحب کا پہلا ناول ہے، دو افسانوی مجموعے ”کپل وستو کا شہزادہ“ اور ”خالی ہاتھ“ آ چکے ہیں، ادبی جریدوں میں سے انتہائی معتبر جریدہ ”روشنائی“ سے وابستہ ہیں۔

”سراب منزل“ بڑی سادہ سی کہانی ہے، اسلوب بالکل داستان کا سا ہے، ناول کی دلکشی یہ ہے کہ کہانی میں دلچسپی برقرار رہتی ہے اور قاری کو مہمیز و مجبور کرتی ہے کہ وہ آگے جان لے کہ کیا ہوا؟

بظاہر اک سادہ سی داستان اک ایسے نوجوان کی جو دیارِ غیر جانے کے خبط میں مبتلا ہے اور اس کے لئے ہر حد سے گزر جانے کو تیار۔

کہانی پاکستان کی سرحدوں سے شروع ہو کر ہالینڈ میں آگے بڑھتی ہے جہاں ”فرحان“ ناول کا ہیرو غیر قانونی طور پر داخل ہوتا ہے اور غیر قانونی داخلہ بھلا کن مراحل کو چھوتا ہے دیکھیے۔

”استنبول سے انقرہ اور انقرہ سے جرمنی پہنچنے میں ہی اسے بائیس دن لگ گئے تھے اور جرمنی سے پھر ہالینڈ، وہ بھی سرحدی پولیس سے بچتے بچاتے کہیں پر کار کے ذریعے اور کہیں پیدل چل کر، بعض اوقات فرحان کو اپنا چھوٹا سا سفری بیگ بھی بھاری معلوم ہونے لگتا اور ہر جگہ موسم کی شدت، ہالینڈ میں داخل ہوتے ہی اسے محسوس ہوا جیسے چاروں طرف سے اس پر تند و تیز ہوا نے حملہ کر دیا ہو“

ناول میں داستان کا سا اسلوب نمایاں ہے جیسے کردار اپنی کہانی زندہ کہانی خود سنا رہے ہوں، کردار نہ صرف اپنی کہانی بیان کرتے ہیں بلکہ اپنے عمل و ایکشن کے ذریعے ہی اپنے ساتھ جڑی فلاسفی و نفسیات کو بیان کرتے ہیں اور کردار نگاری کا یہ کمال ہمیں اے خیام کے ہاں ملتا ہے کہ وہ بہت لمبی چوڑی تفصیلات میں جائے بغیر، کوئی گہرا فلسفہ بیان کیے بنا کردار کے عمل سے اس کی نفسیات کو بیان کرنے میں قادر ہیں۔

ناول کا ہیرو فرحان اک ایسا نوجوان جسے یورپ کی رنگینیاں نظر آتی ہیں اک نا عاقبت اندیش نوجوان جو ملک میں باعزت روزی کو لات مار کر دیارِ غیر میں ہر رسوائی اٹھانے پہ مجبور نظر آتا ہے۔

اور یہ دیکھیے۔

”یہ مادہ پرست ملک ہے اور یہاں رہنے والے بھی ماہ پرست ہیں، جب کوئی تم سے بات کر رہا ہو گا نہ، وہ اس وقت سوچ رہا ہو گا کہ تم سے بات کرنے میں اس کا کیا فائدہ ہے۔“

کیا ان مذکورہ لائنوں میں دونوں ملکوں کا سماجی، معاشرتی و معاشی تفاوت واضح نہیں کر دیا اے خیام نے؟ نہ جملوں کی بھر مار نہ ثقیل فلسفہ مگر دو ملکوں کی ثقافت کو کھول کر رکھ دیا گیا ہے اور یہ اسلوب تحریر پورے ناول میں نظر آئے گا، کہانی اک افسانوی انداز میں آگے بڑھتی ہے اور کردار مکالمے میں اپنے عمل و ایکشن سے اپنی نفسیات اور اپنی طبقاتی و ملکی تعزیق و نفسیات و ثقافت کا اظہار کرتے ہیں۔

ناول میں فرحان اک مضبوط و طاقتور کردار ہے جو بیک وقت اک بے وقوفانہ و سراب منزل کو جانب گامزن ہے مگر دوسری طرف اک آہنی فیصلے و قوت کا مالک بھی نظر آتا ہے یورپ جانے کی خواہش میں وہ سلیمہ جیسی محبوبہ کو بھی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے وہ سلیمہ جو بقول فرحان بہت ذہین ہے۔

”ارے آپ تو کوئی وعدہ نہیں کرتے لیکن آپ کے بقول میں ذہین ہوں اس لئے سب کچھ سمجھ لیتی ہوں۔“ وہ پھر ہنسی فرحان ٹھٹھک گیا سلیمہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

”یہ تم بات بات پر ہنستی کیوں رہتی ہو؟“ فرحان بولا۔

”کیوں؟ آپ کو میری ہنسی پسند نہیں ہے کیا؟“ سلیمہ نے بھی سوال کر ڈالا۔

اور پھر فرحان کے ابا ہیں جن کی زندگی کو دیکھ کر ہی فرحان کے اندر یہ بغاوت پنپتی ہے کہ وہ باہر جا کر بہت سا کمائے، فرحان کے ابا نے بقول ناظمہ خالہ کیسی زندگی گزاری۔

”انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا بیٹا، عزت، احترام، تعظیم، تم لوگوں کو اچھی تعلیم دلوائی، محنت اور ایمان داری کی کمائی میں برکت بھی ہوتی ہے بیٹے اور ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی ہوتی رہتی ہے۔“

پھر شہزاد مرزا ہے وجاہت مرزا جیسے زمانہ ساز خود غرض انسان کا بیٹا ایلیٹ کلاس سرمایہ دارانہ نظام کا نمائندہ، وہ شہزاد مرزا جو کہ فرحان کا بے غرض اور پر خلوص دوست ہے اس کا کردار اپنی کلاس کی نمائندگی کرتا ہوا کس طرح نکھر کر سامنے آتا ہے جیسے کوئی پرت اترنے پر حقیقت بے حجاب ہو جائے، وہ وجاہت مرزا کے بیٹے ہونے کا ثبوت دیتا ہے کہ وہی خود غرضی و زمانہ سازی اس کے لہو میں سرائیت کرتی نظر آتی ہے۔

وجاہت مرزا جو انڈین سول سروس کے میر تھے، اپنی ہوشیاری کے سبب وزارت صنعت میں قیام پاکستان کے بعد ایڈیشنل سیکرٹری کا عہد سنبھال لیا اور اپنے غریب ماں باپ کو اس خوف و شرمندگی سے کہ اس کے سٹیٹس سمبل کو دھبہ نہ لگے اور اپنی انڈیا میں موجود منکوحہ سے مکمل قطع نظر کر لیا اور یہاں پاکستان میں شائلہ جو چین بوتیک کی مالک اور ایک بڑے تاجر اور سیاست دان کی صاحب زادی تھیں سے شادی کر لی، اس وجاہت مرزا اور شائلہ کا بیٹا شہزاد مرزا جو ناول کے آغاز میں اک مخلص دوست اور فرحان کے والد علی احمد صاحب کا شاگرد مگر کس طرح وہ رابعہ کی زندگی سے فرحان کی غیر موجودگی میں کھیل جاتا ہے اور رابعہ کا کردار فرحان کی سراب منزل کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔

ناول ایک ایسی داستان کی مانند ہے جو اپنے تمام کرداروں سے انصاف کرتا ہوا کہانی کو بڑے سلیس و رواں انداز میں لے کر آگے کی جانب گامزن ہے اور اپنے فطری انجام کو پہنچتی ہے۔

فرحان نے ہالینڈ جا کر اپنے آپ کو جس دلدل میں پھنسایا وہ اس میں دھنستا ہی چلا گیا، اور اک مدت کے بعد اک طویل کڑی ریاضت ہر قسم کی گھٹیا جاب و محنت کشی کے بعد لیلیٰ جس کے ساتھ وہ پیپر میرج کرتا ہے اس کو مستقل رہائش کا پروانہ دلوا پاتی ہے۔

اس کے بعد کی داستان وہی ہے جو عموماً اس راہ کے مسافروں کے ساتھ ہوتا ہے اک عمر کی کڑی منزل کے بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ اک سراب منزل کے پیچھے بھاگتے رہے اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنا سایہ بھی ساتھ نہ تھا۔

☆☆☆

تحریم محمود

القرآن

O ''اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔'' (سورہ انعام)

O ''وہی تو ہے، جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' (سورہ انعام)

O ''اے محمد! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔'' (سورہ انعام)

O ''اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے، یعنی ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں۔'' (سورہ انعام)

O ''اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو۔''

سعدیہ جبار، ملتان

حدیث نبوی ﷺ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کر لے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچا دیں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

روایت ہلال کی تحقیق اور شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زادالمعاد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو رمضان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔'' (صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

خوفناک بلا

ایک شخص نے رات خواب میں ایک خوفناک بلا دیکھی، اس نے پوچھا۔

''تو کون ہے؟''

دعا نے جواب دیا۔

''میں تیرے برے عمل ہوں۔''

پوچھا۔

''تجھ سے چھٹکارا پانے کی کیا صورت ہے؟''

کہا۔

''کثرت درود بلند آواز سے درود پڑھنے کی فضلیت ایک گناہ گار شخص کو انتقال کے بعد ان کے پڑوسی نے خواب میں دیکھا وہ جنت کے اندر ہے۔''

پوچھا۔

''تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟''

اس نے بتایا۔

''میں ایک اجتماع میں شریک ہوا، وہاں ایک محدث صاحب نے دوران بیان ارشاد فرمایا، جو شخص نبی پاک پر بلند آواز میں درود شریف پڑھے اس کے لئے جنت واجب ہے، میں نے بلند آواز سے درود پاک پڑھا، مجھے دیکھ کر حاضرین نے بھی اونچی آواز میں درود سلام پڑھا، اس عمل کے سبب اللہ نے مجھ سمیت تمام شرکائے اجتماع کی مغفرت فرما دی۔''

نازیہ کمال، حیدر آباد

قدر پوچھو

☆ دین کی قدر عالم سے پوچھو۔
☆ آنکھ کی قدر بینا سے پوچھو۔
☆ دولت کی قدر غریب سے پوچھو۔
☆ روٹی کی قدر کسی بھوکے سے پوچھو۔
☆ ماں کی قدر کسی یتیم سے پوچھو۔
☆ علم کی قدر کسی ان پڑھ سے پوچھو۔
☆ باغی کی قدر کسی مالی سے پوچھو۔
☆ صحت کی قدر کسی بیمار سے پوچھو۔

مریم رباب، خانیوال

زندگی

زندگی ایک کھلونا ہے آخر اس کو ٹوٹ ہی جانا ہے کیوں نہ اچھا ہو کہ یہ کسی کے کام آ کر ہی ٹوٹ جائے، اپنی زندگی کے ہر لمحے کو حسین و دلکش بنایئے، اس کے ہر لمحے کو انجوائے کریں مگر ہمیشہ یہ خیال رکھیں کہ اپنی زندگی کو حسین بناتے ہوئے کسی کی زندگی کو عذاب میں نہ ڈالیں، ناجائز بھی کسی کو تکلیف نہ دیں، ظاہری سی بات ہے کہ انسان اپنی زندگی میں بہت کچھ کھوتا تب اس کو جا کر کچھ ملتا ہے، اس کھونے اور پانے کی حسین دلکش کشمکش کو زندگی کہتے ہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

زندگی

☆ زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے، یہ ایک راز ہے ایسا راز کہ جس نے راز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان سکا وہ مارا گیا۔

☆ زندگی سمندر ہے اپنے بادلوں کو نامعلوم سفر پر روانہ کرنے والا، انہیں الوداع کہنے والا اور پھر یہی سمندر اپنے مسافروں کو اپنے دریاؤں کو خوش آمدید کہنے والا بھی ہے۔ (واصف علی واصف)

ثنا حیدر، سرگودھا

میرے نفس کی نصیحت

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس سے خلوت برتوں جس سے لوگ بغض و کینہ رکھتے ہوں۔

میں اس حسن پر نگاہ رکھوں جو صورت رنگ اور جدل کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

میں جاگوں جب بستی والے سو رہے ہوں
میں سوؤں جب بستی والے جاگ رہے ہوں۔
میں لبیک کہوں جب کوئی نا معلوم آواز پکارے، جب کوئی خطرہ آواز دے، میں اس سے محبت کروں جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔

درشمن، میاں چنوں

تاثیر میرے لہجے کی

O آپ کی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔

O تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

O نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے۔

O پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔

O بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔

O ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔

O بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

آسیہ وحید، لاہور

قطرہ قطرہ قلزم

☆ ہمہ حال ایک ہی حال میں رہنے کا عمل اس لئے مشکل ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہ سکتی۔

☆ صحت خراب ہو تو کوئی موسم بھی خوشگوار نہیں ہوتا اور صحت خوشگوار ہو تو کوئی موسم خراب نہیں ہوتا۔

☆ بے وفا، وفا کے بدلے میں ہی تو برائیاں کرتا ہے۔

☆ اہل دل حضرات ذرے ذرے سے دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دل انسانوں کو احساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔

☆ کل کے دعوے آج کی معذرت بن جاتے ہیں۔

☆ سیاست ہمیشہ میدان میں رہتی ہے اور حکومت ہمیشہ ایوان میں۔

☆ غریبوں کی حالت بدلنے والے خود فریبی کے ذائقے سے نا آشنا ہوتے ہیں۔

☆ موسم بدلنے کا وقت آ جائے تو خود وقت کا موسم بدل جاتا ہے۔

☆ لامحدود آرزوئیں محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔

☆ مقدر اور انسان ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں اور ہمیشہ جھگڑا کرتے ہیں۔

☆ کبھی کبھی نیکی اس طرح آتی ہے جیسے بارش۔

☆ کبھی کبھی برائی ایک راستے کی طرح پاؤں کے نیچے آ جاتی ہے۔

فرح عامر، جہلم

☆☆☆

ثنا حیدر ---- سرگودھا

عید آتی ہے دل دکھاتی ہے
یاد بچھڑے ہوؤں کی لاتی ہے
جن سے ملنے کا آسرا ہی نہیں
عید ان کا خیال لاتی ہے

....

عید اس پر خفا ہو گئی ہم سے
کہ ہم نے اسے منایا ہی نہیں
ہم اسے کیا بتائیں کہ عید کا دن
ہمارے آنگن میں کبھی آیا ہی نہیں

....

کتنے ترسے ہوئے ہیں خوشیوں کو
وہ جو عیدوں کی بات کرتے ہیں

درشمن ---- میاں چنوں

سنو الفاظ ہیں کم اور تمنائیں ہزار
مبارک ہوں میری جانب سے تمہیں عید کی خوشیاں

....

خوشیوں سے عید ہوتی ہے خوشیوں سے عید کرنا
اپنی اس خوشی میں سب کو شریک کرنا

....

آشنائے حیات عید کا دن
زندگی کا ثبات عید کا دن
صبر و عزم و تحمل کی تصویر
مظہر التفات عید کا دن

آسیہ وحید ---- لاہور

یہ دن بھی مبارک ہے ملو آ کے گلے سے
پھر ہم سے ذرا ہنس کے کہو عید مبارک

....

اس سمت چلے تو تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنیں صرف تنہا اسے کہنا
ہم نے ہلال عید کے ہاتھ بھجوایا یہ سندیسہ
کرتا ہے تمہیں کوئی یاد بہت بار بار اسے کہنا

....

جسے میں نہیں یاد اسے عید مبارک
جو اوروں میں ہے شاد اسے عید مبارک
معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گیا برباد اسے عید مبارک

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

ایسا نہیں کہ تیرے بعد اہل کرم نہیں ملے
تجھ سا نہیں ملا کوئی ورنہ لوگ کم نہیں ملے
اک تیری جدائی کے درد کی بات اور ہے
جن کو نہ سہہ سکے یہ دل ایسے تو غم نہیں ملے

....

تنہا اداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سن رہا ہے مگر بولتا نہیں

....

میں نے یہ سوچ کر بوئے نہیں خوابوں کے درخت
کون جنگل میں لگے درخت کو پانی دے گا

ام ایمن ---- گوجرانوالہ

عید آئی ہے بڑی دھوم سے اس بار مگر
کتنا ویران ہے اس بار بھی گھر تیرے سوا
تیری ہستی کے سوا مانگ کے کیا لینا ہے
ہم نہ مانگیں گے کوئی اور ثمر تیرے سوا

....

عید بھی تیری خوشیاں بھی تیری تو ہمیشہ آباد رہے
دیتا ہے تجھ کو دعا تجھے بھی میری طرح انتظار رہے

....

کبھی دوست بن کبھی دلدار بن کر
روپ بدل بدل کر ڈستے ہیں لوگ
درد دے کر جن کو سکون ملتا ہے
دنیا میں ایسے بھی بستے ہیں لوگ
عابدہ سعید ---- گجرات

وہ اک بار بھی نہ آیا ملنے ہم سے
اور عید ہے کہ پھر آ گئی

....

ہم نے لیا ہونٹوں سے جو نام تیرا
دل ہونٹوں سے الجھ پڑا یہ ہے صرف میرا

....

میں نے چاہا تجھے یہ کچھ نذر کروں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں کے تراشے ہوئے موتی لاکھوں
جس میں شامل ہو مرے قلب کی دھڑکن دھڑکن
فرح عامر ---- جہلم

شاید تیری نوا سے ملے عید کا پیغام
اے دوست مسکرا کہ طبیعت اداس ہے

....

میرے نزدیک ہی رہتے ہیں مرے اک کرم فرما
وہ جب بھی ملتے ہیں اپنی روزہ داری بتاتے ہیں
سحر کے وقت گم ہم نے کبھی دیکھا نہیں
مگر ہر دعوت افطار پر وہ پائے جاتے ہیں

....

سوچ نگر میں اک خیال آیا ہے
آج پھر دل کے دریچہ میں در آیا ہے
بھول جانے کی جسے قسم کھائی تھی
وہ آج پھر مجھے شدت سے یاد آیا ہے
فائزہ قاسم ---- سکھر

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو

....

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو!
اک پل ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کا ساتھ

....

دل یہ کہتا ہے کہ ہر ایک کے آنسو پی لوں
اور کوئی خواب کسی کا نہ ہو ریزہ ریزہ
نعیم امین ---- کراچی

عمر بھر کو داغ دے جاتی ہے ادنیٰ بھول بھی
جرم ثابت ہو نہ ہو الزام پھر الزام ہے

....

وہ میرا ہے جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
ہر قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
ناز میں اس کے اٹھاؤں تو شکایت نہ کرے
ہر غم سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہو

....

جو ہو سکے تو توڑ دے اک نگاہ کی ضرب سے
میری سومنات مزاج کو اس غزنوی کی تلاش ہے
ہما رائے ---- کراچی

مثال موج ہوا دربدر وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ ملا، ہمسفر وہ ایسا تھا
خود اپنے سر لیا الزام بے وفائی تک
کہا نہ کچھ بھی اسے معتبر وہ ایسا تھا

....

عشق سمجھتے تھے جس کو وہ شاید
تھا بس اک نارسائی کا رشتہ
میرے اور اس کے درمیاں نکلا
عمر بھر کی جدائی کا رشتہ

یار ایک مسئلہ ہے یہ دنیا
یار ایک مسئلہ تو میں بھی ہوں
میں نہیں جانتا محبت کو
ہاں مگر مانتا تو میں بھی ہوں
نبیہ آصف ---- قصور

یہ دعا ہے میری آتش عشق میں تو بھی میری جلا کرے
نہ ہو ہنسنا نصیب تجھے تیرے دل میں بھی درد ہوا کرے
تیرے سامنے تیرا گھر جلے تیرا بس چلے نہ بجھا سکے
پھر تیرے منہ سے بھی دعا نکلے نہ گھر کسی کا جلا کرے

....

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

....

چاک دامن کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تصویر کو کہاں بھول گیا عید کا چاند
ان کی ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند
ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی

ان کو دیکھا تو پھر اترا نہ گیا
آسمان تک ہی رہا عید کا چاند

....

ملیں تجھے نہ دکھ زندگی میں
پھول کی طرح تو مہکے خدا کرے
زندہ رہے نام ابد تک تیرا
عید کی خوشیاں تجھے مبارک خدا کرے

....

بڑی یاس میں عید کا دن گزرا
خدا کی قسم تم بہت یاد آئے
رمشہ ظفر ---- بہاولپور

خوشبو بادل پھول یہ کلیاں شبنم تیرے نام
دوست عید کی خوشیاں ہیں سب تیرے نام
جھلمل کرتا نیلا پانی جگمگ کرتے چاند اور تارے
رات کی رانی تارے کرنیں چندا پونم تیرے نام

....

وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب شب برات ہر روز روز عید

....

جو شخص کھو گیا ہم سے اندھیری راہوں میں
اسی کو ڈھونڈ کے لاؤ کے عید آئی ہے
عاصمہ سرور ---- وہاڑی

یہ دیکھیے اداس نگاہوں کو کیا ملے
ہر طرف پھول بانٹتی پھرتی ہے شام عید
عید کے دن نہ سہی عید کے بعد ہی سہی
عید تو ہم بھی منائیں گے تیری دید کے بعد

....

جشن طرف ہو تم کو مبارک مجھ کو یونہی رہنے دو
عید کا دن خوشیوں کا دن ہے شکوہ لب پر لائیں کیا
توڑ کے رشتے ناطے سارے غیر کی محفل کو آباد
باد صبا اب تو ہی بتا ہم رسم عید نبھائیں کیا

....

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
اک تو ہو کہ سمجھتے نہیں ہو ہم کو
اک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

مجھ کو اک خواب پریشان سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کر ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

....

زوبی ناصر ----- ملتان

س: عرصے بعد اس محفل میں آئی ہوں کیسا لگ رہا ہے؟
ج: اگر کوئی صبح کا بھولا شام کو آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔
س: ارے کیا کہا کہ بھول گئے......؟
ج: ارے بھولا نہیں بہت کچھ یاد ہے۔
س: سب سے پہلے شادی کی مبارکباد تو دے دیں؟
ج: نہ بلایا نہ کھلایا اب بتایا، پھر بھی اس خبر سے دل ہوا سوایا۔
س: اس حافظ آباد کی بجائے ملتان سے شامل ہوا کروں گی یاد رکھنا؟
ج: خوشی ہوئی کہ آپ حنا کو نہیں بھولیں۔
س: جی کسی مہربان نے آ کے میری زندگی؟
ج: خدا اس مہربان کو ہمیشہ مہربان ہی رکھے۔

بشریٰ رشید ----- راولپنڈی

س: میں نے آپ کے لئے لاہور سے لے کر راولپنڈی تک پھول ہی پھول راہ میں بچھائے ہیں کب تشریف فرما ہوں گے؟
ج: لاہور تک بچھائے ہیں میرے گھر تک نہیں۔
س: میں زمانے میں وفا ڈھونڈتی ہوں، مگر ملتی نہیں؟
ج: کہتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: خلل ہے دماغ کا۔
س: میں عید پر آپ کا انتظار کروں گی آئیں گے نا؟
ج: چل جھوٹی نہ ہو۔
س: سنجیدگی سے کچھ سوچیں؟
ج: سوچ رہا ہوں اور وہ بھی سنجیدگی سے۔
س: ہم اکٹھے مریں گے اور اکٹھے جئیں گے، کہا تھا نا، آپ بھول گئے؟
ج: ان ہونی باتیں بھول ہی جاتی ہیں۔

فارا نعیم ----- پنڈ دادنخان

س: اس بار بھی روزے نہیں رکھے؟
ج: مجھے کیوں بتا رہی ہو۔
س: اچھا کتنے رکھے؟
ج: یہ تو تمہیں ہی معلوم ہوگا۔
س: سنا ہے بے روزے سب سے پہلے عید مناتے ہیں؟
ج: تجربے کی بات معلوم ہوتی ہے۔
س: آپ کی عید کب شروع ہوتی ہے؟
ج: جس دن عید ہوتی ہے۔
س: عیدی کتنی ملتی ہے؟
ج: کبھی حساب نہیں رکھا۔
س: کچھ خاص جو کھائیں گے بتائیں؟
ج: جو مل جائے صبر شکر کر کے کھا لیں گے۔

فرح اسلم ----- فیصل آباد

س: عید کہاں پر منا رہے ہو گھر یا پھر؟
ج: اپنے گھر ہی منا لیں گے۔
س: کبھی عید مبارک بھی کہہ دیا کرو کنجوس؟
ج: عید کے دن عید مبارک کہہ دوں گا۔

س: عید لینے آؤں یا آپ بھیج دیں گے؟
ج: ہم تو اس بات کے حامی ہیں، ہمارے ہاں آؤ گے تو کیا لے کر آؤ گے۔
س: چلو بڑی عید پر سہی خدا حافظ؟
ج: جان چھڑا ہی گئے نا۔

عمارہ فیصل ----- سیالکوٹ

س: جب وہ ہمارے گھر آتا ہے تو سب کے چہرے کھل جاتے ہیں بتایئے کون؟
ج: وہی جس کے آنے پر تمہارے گھر والوں کے چہرے کھل جاتے ہیں۔
س: ہماری وجہ سے آپ کا نام ہے ہم سوال نہ بھیجیں تو آپ فارغ بیٹھیں رہیں؟
ج: اگر میں نہ جمدی تے تیرا بیاہ نہ ہوندا۔
س: لنڈے بازار میں، میں نے دیکھا آپ کو لگتا ہے عید کی شاپنگ ہو رہی تھی؟
ج: تم سے ملنے کا ایک بہانہ تھا۔
س: جب بھی ملتا ہے خفا خفا سا لگتا ہے؟
ج: عادت سے مجبور جا ہوا۔
س: دل میں تمہارے گھر لیتا ہے وہ بھی کرایہ پر لیتا ہے؟
ج: میں نے دل میں گھر نہیں بنایا تا کہ پڑے نہ کرایہ داروں کا سایہ۔

رضا سلمٰی ----- لاہور

س: یہ کیا محبت کسی اور سے شادی کسی اور سے؟
ج: یہ خود سے پوچھئے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔
س: رات بھر رو رو کر آنکھیں سرخ ہو گئیں؟
ج: کس نے کہا تھا کہ آنکھوں پر اتنا میک اپ کریں۔
س: میں اس کی خاطر بہت تڑپی پر......؟
ج: لیکن آپ کے تو پر نہیں ہیں۔
س: بال لمبے کیسے کروں؟
ج: میں نے کل ہی بال کٹوا دیئے تھے۔
س: رات کو آسمان پر ستارے کیوں نکل آتے ہیں؟
ج: شرم آ رہی ہے مگر کیا کریں بتا ہی دیتے ہیں کہ آپ نے مجھے دیکھ ہی لیا۔

نبیلہ نعمان ----- گلبرگ لاہور

س: زندگی کا سفر کیسے طے کرنا چاہیے؟
ج: جو سواری بھی مل جائے۔
س: ذرا یہ بتایئے کہ فی زمانہ اپنے لوگ پرائے ہو جاتے ہیں اور پرائے اپنے بن جاتے ہیں؟
ج: دونوں سے ہی ہوشیار رہنا چاہیے۔
س: آج کل کے لڑکے کس بات سے ڈرتے ہیں؟
ج: کہیں محبوبہ سے سچ مچ محبت نہ ہو جائے۔

افشاں زینب ----- شیخوپورہ

س: پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ؟
ج: شادی ہو گئی ہے کیا۔
س: درد جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو؟
ج: آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔
س: آج کل لوگوں کے چہروں پر دکھاوے کا تبسم کیوں ہوتا ہے؟
ج: ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے۔

علینہ طارق ----- لاہور

س: سنا ہے بلی کو خواب میں چھچھڑے نظر آتے ہیں آپ کو خواب میں کیا نظر آتا ہے؟
ج: اگر میں کچھ کہہ دوں برا تو نہیں مناؤ گی۔
س: آج کے دور میں اپنوں کا خون سفید ہو گیا ہے وجہ؟
ج: انہیں اپنا تو نہ کہو۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

رنگ حنا

ایک روز مرتضٰی سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسول امین دام ظلکم!
ابوبکر اور عمر کے زمانے میں چین تھا
عثمان کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم
کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے پڑ گئے
اپنی تو عقل ہو گئی اس مسئلے میں گم
کہنے لگے "یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے؟
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم"

فائزہ قاسم، سکھر

تسلی

بھکاری نے ایک خاتون سے پانچ روپے مانگے تو وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولیں۔

"تم کو شرم نہیں آتی ہمارے علاقے میں بھیک مانگتے ہو؟"

بھکاری تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"آپ کو اپنے علاقے کے بارے میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں میں تو اس سے بھی بدتر علاقوں میں بھیک مانگ چکا ہوں۔"

نعیم امین، کراچی

حنا

تیرے نام کی مہندی نے
میرے ہاتھ جو مہکا دیئے تو
عید کے سب رنگ
مہکنے لگے تھے

ہما رائے، کراچی

شاعر

اک شاعر کے گھر چور گئے کچھ چرانے کو
مگر وہ غریب تو گئے تھے پچھتانے کو
شاعر سمجھا میرے قدر دان آ گئے
بیٹھ گیا انہیں غزل سنانے کو

نبیہ آصف، قصور

قطعہ

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برات سے ڈر لگتا ہے

گولڈن ورڈز

☆ عبادت ایسے کرو کہ روح کو لطف دے جو عبادت دنیا میں مزہ نہ دے گی وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔
☆ الفاظ کی تفاسیر بدل جائیں تو معتقدین بھٹک جایا کرتے ہیں۔
☆ نفس کو مال و دولت کے لئے ذلیل مت کرو۔
☆ قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی ان کی قیمت گھٹاتی ہے۔
☆ بعض حقائق کو ماننے کے لئے ہمیں اپنی انتہائی قوت درکار ہوتی ہے۔

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

خوشبو

کل سپنے میں آیا تو
کمرے میں مرے اب بھی

پھیلی ہے کوئی خوشبو

دوری

جان لیوا ہے یہ دوری
دونوں ہی تڑپتے ہیں
کیسی ہے یہ مجبوری؟

رمشہ ظفر، بہاولپور

چاند

تجھے دیکھنے کے شوق میں
سرِشام ہی میں نے
سارے شہر کی بتیاں بجھا دیں
اب تو آ جا
سورج بھی ڈوب گیا
رات نے اپنا سیاہ آنچل پھیلا لیا
تیری راہ تکتے تکتے
آنکھیں بھی تھک گئیں
اب تو آ جا
اب چاند
تجھے دیکھ کر
ہم عید منالیں

عاصمہ سرور، وہاڑی

خدا کے خوف سے

ایک صوفی صاحب مذہبی امور کو بڑی لگن سے ادا کرتے لیکن وہ بے چارے ان پڑھ تھے اور حساب کتاب انہیں بالکل نہیں آتا تھا، چنانچہ جب بھی رمضان آتا تو وہ بھول جاتے کہ کتنے روزے رکھے ہیں اور کتنے باقی رہ گئے ہیں، کسی دوسرے سے پوچھنا وہ اپنی توہین خیال کرتے تھے، اب کی بار رمضان آیا تو انہوں نے ایک عمدہ ترکیب نکالی، روزانہ رات کو جب وہ روزہ افطار کرتے تو ایک گھڑے میں ایک پتھر ڈال دیتے، پھر پتھر گن لیتے، ان کا پوتا بڑا شریر تھا وہ دو تین دن دادا کو یہ عمل کرتے دیکھتا رہا اور ایک دن ڈھیر سارے پتھر گھڑے میں ڈال دیئے، رمضان کے اختتام پر صوفی صاحب نے پتھر گننے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

صبح عید ملنے کے لئے آنے والوں میں سے صوفی صاحب کے ایک بے تکلف دوست نے مذاقاً پوچھا۔

"ہاں بھئی سناؤ کتنے روزے رکھے اب کی بار؟"

"باون۔" صوفی صاحب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا کہا باون؟"

"مگر روزے تو تیس ہوتے ہیں۔" انہیں سنجیدہ دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"خدا کا خوف کرو یار۔"

"میں نے خدا کے خوف سے باون بتائے ہیں ورنہ روزے سو سے اوپر ہو چکے ہیں۔" صوفی صاحب نے ہنوز سنجیدگی سے جواب دیا۔

رابعہ ارشد، فیصل آباد

ذہانت

ایک عالم کا بڑا چرچا تھا کہ وہ روحوں سے بات کروا دیتا ہے، ایک بچہ جو اپنی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے محلے بھر میں مشہور تھا ان عامل کے پاس پہنچا اور نذرانہ پیش کرنے کے بعد کہا۔

"میں اپنے دادا کی روح سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اسے ایک اندھیرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں اگر بتیاں جل رہی تھیں، چند لمحوں بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"کیوں آئے ہو برخوردار؟" قریب سے عالم صاحب کے چیلے نے بچے کو ٹہوکا دیا۔

"یہ تمہارے دادا کی روح بول رہی ہے

پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''دادا جان!'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کی روح یہاں کیا کر رہی ہے؟ جبکہ آپ کا تو ابھی انتقال بھی نہیں ہوا۔''

مسرت مصباح، لاڑکانہ

ایک پنتھ دو کاج

ایک آرٹسٹ کسی خوبصورت کاٹیج کی پینٹنگ بنا رہا تھا۔

''تم میرے کاٹیج کی تصویر بنانے کے بعد کیا کرو گے؟'' کاٹیج کے مالک نے پوچھا۔

''اس کو ایک نمائش میں بھیجوں گا۔''

آرٹسٹ نے جواب دیا۔

''وہاں تو اسے بہت سارے لوگ دیکھیں گے۔''

آرٹسٹ بولا۔

''یہ بات تو سچ ہے۔''

مالک مکان۔

''تو پھر ایسا کرو کہ تصویر میں ایک جملہ بھی لکھ دو، یہ مکان کرائے کے لئے خالی ہے۔''

سعدیہ جبار، ملتان

اپریل فول

ایک چھوٹا مگر ذہین بچہ اپنی ماں کے کمرے میں آ کر اپنے ملازموں کی شکایت کرنے لگا۔

''امی...... امی بشیر اور نوراں کچن میں ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ ڈالے پتا نہیں کیا باتیں کر رہے ہیں، میں اچانک اندر گیا تو دونوں جلدی سے الگ ہو گئے۔''

''کیا میں ابھی ان دونوں کی بتاتی ہوں بچے کے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی دونوں کو، بشیر کو تو ابھی نوکری سے نکالتی ہوں اور نوراں کو۔''

بیگم صاحبہ زور زور سے بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں، بچے کی تالیاں بجانے کی آواز پر رک گئیں۔

''اپریل فول...... اپریل فول، امی اپریل فول امی وہ بشیر تھوڑی تھا وہ تو ابو تھے۔''

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

بیوی کہیں جسے

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، جنگ کے دوران جرمنی کے جہاز بمباری کے لئے لندن پر پرواز کرنے لگے تو ایک میاں بیوی کمرے سے پناہ گاہ کی طرف بھاگے اچانک بیوی راستے میں سے ہی مڑی اور کہنے لگی۔

''میں اپنے دانت تو اندر ہی بھول آئی۔''

میاں نے غصے سے جواب دیا۔

''ہاں ہاں جلدی سے اٹھا لاؤ جرمن جہاز ابھی ڈبل روٹیاں پھینکیں گے۔''

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

دشمن

بیمار میاں اپنی تیز مزاج بیگم سے بولے۔

''بیگم میرے مرنے کے بعد تم دھرم سنگھ سے شادی کر لینا۔''

بیگم بولی۔

''کیا کہا، وہ تو تمہارا جانی دشمن ہے۔''

بیگم تیوری چڑھا کر بولی۔

میاں نے کہا۔

''ہاں بیگم اگر میں اپنی زندگی میں اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لے سکا تو مرنے کے بعد ہی سہی۔''

نازیہ کمال، حیدر آباد

☆☆☆

صائمہ محمود

اُم ایمن: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا
چاند کے ساتھ تھیں ملاقاتیں
ہر ملاقات تم کو یاد کیا
رات کی بیکراں اداسی کا
تھام کر ہاتھ تم کو یاد کیا
اپنی آنکھوں کے خشک صحرا میں
لے کر برسات تم کو یاد کیا

عابدہ سعید: کی ڈائری سے ایک غزل

یقین مجھ کو اس کا کہاں رہ گیا ہے
فقط اب تو دل میں گماں رہ گیا ہے
کہا تھا کبھی اس نے آنے کا لیکن
نہ جانے وہ اب تک کہاں رہ گیا ہے
جہاں دیپ جلتے تھے اس کی چاہت کے
وہاں اب یادوں کا دھواں رہ گیا ہے
محبت وفا دوستی خواب نکلی
بس اک حسرتوں کا جہاں رہ گیا ہے
کل جو آباد تھیں بستیاں ہر طرف
اب ان بربادیوں کا نشاں رہ گیا ہے

فرح عامر: کی ڈائری سے دلکش غزل

یہ پل یہ ساعت سعید مبارک
اے دوست تجھے عید مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگناتی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جسے تو چاہے وہی آ کر ملے تجھ سے
جسے تو سنے وہی نوید مبارک
ہر شخص ہر منزل ہر خوشی ہر سفر
ہر خیال ہر آرزو ہر امید مبارک
وہ چہرہ جسے دیکھنے کو ترسیں آنکھیں
تا عمر اس رخ روشن کی دید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے تیرے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر عید مبارک

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

نجانے کیوں ہم کو سب کچھ پرانا اچھا لگتا ہے
ہے وحشت ہم کو خوشیوں سے ویرانہ اچھا لگتا ہے
تنہائی کے کاموں میں محبت کی زباں لے کر
جو حسرت سے بنایا تھا فسانہ اچھا لگتا ہے
کسی کی بے وفائی نے بہت ہم کو رلا ڈالا
مگر اب تو رونے کا بہانہ اچھا لگتا ہے
یادوں کے سرہانے بیٹھ کر ہم رات بھر روئے
سکھایا جس نے رونا وہ شانہ اچھا لگتا ہے
صحرا کی اوٹ میں جب ڈوبتا سورج سرخی پھیلاتا ہے
تب شام کے ہارے پنچھی کا آشیانہ اچھا لگتا ہے
صبح کی وہ مست ہوا جب چھو کر گزرے شبنم کو
یہ منظر دیکھ کر کلیوں کا مسکانا اچھا لگتا ہے
یہ قول ہے داناؤں کا جنہیں بھولو وہ آتے ہیں یاد
جب ہی تو ہمیں تیرا بھلانا اچھا لگتا ہے

نعیم امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''عید مبارک''

اے باد صبا مبارک اسے کہنا
کہنا کوئی کرتا ہے تجھے یاد ابھی تک

اک دل تری یادوں سے ہے آباد ابھی تک
کہنا کہ تمہیں عید گذشتہ طرح سے
شدت سے خیال آئے گا اس بات کا دن بھر
اک اور برس بیت گیا تجھ سے بچھڑ کر
کہنا یہ فقط ان کے لئے عید کا دن ہے
جن کے لئے محبوب کی یہ دید کا دن ہے
اے کاش کہ یہ عید بھی اپنے لئے ہوتی
مہندی سے ترا نام ترے ہاتھ پہ لکھتے
کچھ پھولوں کے گجرے ترے بالوں میں سجاتے
اے کاش اس سال تو ہم عید مناتے

ہما رائے: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

سوچ کی وادیوں میں گم ہو جائیں
درد کی چاہتوں میں گم ہو جائیں
اجلا چہرہ بھی ہو گیا دھندلا
دھند ہے آئینوں میں گم ہو جائیں
دل کہ آبادیوں سے ڈرتا ہے
آؤ ویرانیوں میں گم ہو جائیں
اب تو چہرے سے غم نمایاں ہے
غم کی پرچھائیوں میں گم ہو جائیں
آج ڈوبا ہے آس کا سورج
غم کی تاریکیوں میں گم ہو جائیں
سکھ نہ آئے گا اپنے گھر بشریٰ
زیست کے فاصلوں میں گم ہو جائیں

نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم

"ہلال عید کی شب"

تیرے چمن چمن میں
روز عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ
تیرے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اترے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تیرے اردگرد جھلملائے
بہاروں سے تیرا دامن بھر جائے

سارا حیدر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

"کیوں......؟"

محبتوں کے شہد میں یہ زہر کیوں ملا دیا
ہنستی اور کھیلتی آنکھوں کو کیوں رلا دیا
کچھ ہاتھوں میں گلاب تھے کچھ آنکھوں میں خواب تھے
معصوم خواہشوں کو یوں مٹی میں کیوں ملا دیا
بہت سے اور کھیل تھے کہیں دلوں کے میل تھے
یہ کھیل خاک و خون کا تو نے کیوں رچا دیا
جو تو یقیں سے دور تھا تو ان کا کیا قصور تھا
ان کے یقیں کی منزلوں کو تو نے کیوں رلا دیا
اسی پہ تو چلا پھرا اسی پہ تو پلا بڑھا
اس پاک سرزمین کو پھر ایسا کیوں بنا دیا

رمشہ ظفر: کی ڈائری سے ایک دلکش نظم

میں نے چاہا
کہ ایسا تحفہ تیری نذر کروں
جسے تو عمر بھر یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے
میرے ہاتھ بلند کیے
کچھ لفظوں کے پھول، دعاؤں کے پنچھی
دل کی گہرائیوں سے آزاد کیے
کہ آنے والے موسموں میں
غم کی گھٹائیں، کبھی تیرے قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے دیئے سدا چمکیں
خدا تیرا دامن حسرتوں سے ہمکنار کرے
کبھی جو تو زندگی کی کڑی دھوپ میں
ڈھلتی عمر کی شام میں
پلٹ کر دیکھے تو
بہت سی خوش رنگ یادیں
گلاب لمحوں کی دلفریب باتیں

☆☆☆

خبر نامہ

عبداللہ

بیگم سیف کی ڈیمانڈ

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے فلمی ہیروئین کی ڈیمانڈ میں اسی وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ شادی نہیں کرتی جیسے ہی وہ مس سے مسز تک آتی ہے وہ مقبولیت کھو رہی ہے، فلم نگری سے ایڈ کرنا تو دور کی بات ہوتی ہے مگر بات اگر چھوٹے نواب سیف کی ہو تو سچویشن بدل جاتی ہے، بیگم سیف کی ڈیمانڈ نہ صرف فلموں میں برقرار ہے بلکہ اشتہارات کی دنیا کی بھی وہ پہلی چوائس ہے، حال ہی میں ایک شیمپو کی ایک برانڈ کے لئے کرینہ نے دس کڑور میں کنٹریکٹ سائن کیا نہ صرف یہ اس ایڈ کو کرینہ کی پسند کی گئی جگہ پر شوٹ کیا جائے گا۔

اسے کہتے ہیں اسٹار پاور اور کرینہ خاں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ شادی کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ پاور فل ہو گئی ہے۔

خوشبو بکھر گئی

نرگس کے بعد خوشبو نے بھی شوبز کی دنیا چھوڑنے کا اعلان کر کے اپنے چاہنے والوں کو شدید قسم کا جھٹکا لگایا شائقین تو ابھی نرگس کی اسٹیج سے دوری کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے کہ اب خوشبو بھی اڑنے کو تیار ہو گئی، خوشبو کا کہنا ہے کہ جب تک ایک بیٹے آریان کی ذمہ داری تھی وہ کسی نہ کسی طریقے سے یہ سب کر رہی تھیں لیکن اب دوسرے بیٹے کی پیدائش کے بعد اسٹیج کے لئے ٹائم نکالنا اس کے لئے مشکل ہے اب اسے اپنے سسر آصف خان کی مرضی پر چلنا پڑے گا، (شوہر بیچارا تو چلتا ہی خوشبو کی مرضی پر ہے) یعنی شوبز سے دوری۔

نرگس کے اسٹیج سے دور ہونے پر ساری نظریں خوشبو پر آ کر ٹھہر گئی تھیں لیکن اب خوشبو کے اڑ جانے کی صورت میں تو اسٹیج نگر میں ویرانی ہی ویرانی چھا جائے گی۔

پانچوں گھی میں

بولی ووڈ کی طرح لولی ووڈ اسٹارز بھی گھریلو فنکشنز اور تقریبات میں اپنی ڈیمانڈ دکھانے لگے ہیں آج کل پاکستان میں بوتیک ز بیوٹی پارلرز اور فاسٹ فوڈز بنانے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، ان کی افتتاحی تقریبات کو پرکشش بنانے کے لئے اسٹارز کو مدعو کرتی ہے کچھ عرصہ پہلے تک تو ایک ٹاپ ایکٹرز بس بزنس کلاس ائیر ٹکٹ اور لگژری ہوٹل کا اسٹے لے کر خوش ہو جاتے تھے، مگر اب بولی ووڈ اسٹارز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شان، ریشم، معمر رانا اور شاہ وغیرہ نے بھی اپنی ڈیمانڈ بڑھا دی ہے اور یہ ڈیمانڈ بھاری اماؤنٹ پر مشتمل ہوتی ہے، ایک گھنٹے کی تقریب میں شامل ہونے، ربن کاٹنے اور پبلک کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے پر ان کے اکاؤنٹ میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اب ملک میں فلمیں بنے نہ بنیں ان اسٹارز کے لئے پیسہ بنانا مشکل نہیں رہا۔

کوئی ہم سا ہو تو......؟

زیبا بختیار نے اپنی انگلش فلم ایکنوریشن کا ٹریلر تقریباً مکمل کر لیا ہے، زیبا نے یہ فلم، فلم فیسٹول کے لئے بنائی ہے، جن جن لوگوں نے فلم کا ٹریلر دیکھا ہے، وہ زیبا کے کام کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکا، اس فلم کے بننے سے پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ زیبا صرف گفتار کی غازی ہے، اسے تو باتوں سے فرصت نہیں وہ فلم کیا بنائے گی؟ مگر ماضی کی اس حنا گرل نے ثابت کر دکھایا، کہ وہ باتوں کے علاوہ کام بھی کرنا جانتی ہے اور اپنے مخالفین کو خاموش کرنا بھی۔

نئی تحقیق

عام طور پر گوشت کو انسانی صحت کے لئے بہترین سمجھا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس سے جسم کو طاقت اور توانائی بھی ملتی ہے تاہم حال ہی میں ایک نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ سبزی خور افراد گوشت کھانے والوں کی نسبت لمبی عمر پاتے ہیں، ماہرین کا کہنا ہے کہ سبزی کھانے والوں میں دل کی بیماریاں، شوگر اور گردوں کے امراض کے خدشات بھی نمایاں حد تک کم ہوتے ہیں

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

عید الفطر پر میٹھے کا مطلب ہے شیر خورمہ لیکن اس بار ہم آپ کو سویوں کی بجی نئی ایک تراکیب بتا رہے ہیں جو نہ صرف مہمانوں کو بھائیں گی بلکہ گھر والے بھی آپ کی تعریف کریں گے، یقین نہ آئے تو آزمالیں۔

شیر خورمہ

اشیاء	
دودھ	دو لیٹر
سویاں	دو کھانے کے چچ
چاول	ایک کھانے کا چچ
گھی	دو کھانے کے چچ
شکر	ایک کپ
بادام کٹے ہوئے	نصف کپ
پستے کٹے ہوئے	نصف کپ
چھوہارے ابال لیں	چار عدد
کدوکش ناریل	نصف کپ
سبز الائچی پچلی ہوئی	دس عدد
زعفران اور کیوڑہ	حسب ضرورت

ترکیب

سویوں کو چورا کر کے ذرا سے گھی میں فرائی کر لیں، باداموں کو بھی کاٹ کر تل کر الگ رکھ لیں، پستے کو بھی کاٹ لیں، ناریل کو بھی تل لیں، نکال کر الگ کر لیں، بھیگے ہوئے چاولوں کو پانی سے نکال کر اچھی طرح باریک پیس لیں، دودھ کو اتنا ابالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، چولہے سے دودھ ہٹا کر ذرا ٹھنڈا ہونے دیں، دودھ نیم گرم ہو تو اس میں سویاں اور چاولوں کا آٹا ڈال کر نصف گھنٹے تک پکائیں، اس میں ابلے چھوہارے، سبز الائچی، تلا ناریل، بادام، پستہ اور شکر ڈال کر پکنے دیں، دس منٹ بعد زعفران اور کیوڑہ ملا لیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے دیں، لذیذ شیر خورمہ تیار ہے۔

اسپیشل سویاں

اشیاء	
سویاں	آدھا کپ چورا
کنڈینسڈ ملک	ایک ٹن
دودھ	تین کپ
تیل	دو کھانے کے چچ
سبز الائچی	تین عدد کچلی ہوئی

ترکیب

تیل گرم کر کے اس میں سبز الائچی اور سویاں ڈال کر ایک منٹ تک تلیں، تمام اقسام کے دودھ ڈال کر اتنا پکائیں کہ سویاں گاڑھی ہو جائیں، چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا کر لیں، اسپیشل سویاں تیار ہیں۔

سویوں کی پڈنگ

اشیاء	
پھیکا مکھن	چار کھانے کے چچ
سویاں	دو کپ چورا کر لیں
گرم دودھ	آٹھ کپ
سبز الائچی	آدھا چائے کا چچ
کشمش	دو چائے کے چچ
بادام چھلے ہوئے	تین چائے کے چچ
شکر	ایک کپ

پستہ ہوائیاں	دو چائے کے چمچ

ترکیب

دھیمی آنچ پر مکھن گرم کر کے چورا سویاں ڈال کر اتنا بھونیں کہ سنہری ہو جائیں، گرم دودھ ڈال کر ابال آنے دیں پھر بادام اور الائچی شامل کر دیں، آدھے گھنٹے تک پکنے دیں، اس دوران چمچہ مسلسل چلاتی رہیں، شکر بھی شامل کر دیں، مزید پانچ سے دس منٹ تک پکائیں، ڈش میں نکال کر ٹھنڈا کر لیں، کشمش اور پستہ چھڑک لیں، ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

سویوں کا مزعفر

اشیاء

سویاں	۲۵۰ گرام
شکر	آدھا کلو
گھی	ایک کپ
دودھ	ایک کلو
سبز الائچی	دس دانے چھلے ہوئے
زعفران	آدھا چائے کا چمچ
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچ
بادام، پستہ	حسب پسند
چاندی کے ورق	حسب خواہش

ترکیب

شکر میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں، اس میں پیلا رنگ ملا لیں، گھی میں سویاں ڈال دیں، سنہری ہو جائیں تو اس میں دودھ ملا کر دھیمی آنچ پر اتنا پکائیں کہ سارا دودھ سویوں میں جذب ہو جائے، اب سویوں میں پیلا شیرہ ڈال دیں، ساتھ ہی بادام اور پستہ ملا دیں، ورق لگا دیں، لذیذ مزعفر تیار ہے۔

بادامی سویاں

اشیاء

سویاں	۲۵۰ گرام
گھی	۲۵۰ گرام
بادام	۲۵۰ گرام
شکر	۷۵۰ گرام
کھویا	۲۵۰ گرام
دودھ	ایک کلو
پیلا رنگ	آدھا چائے کا چمچ
بادام، پستہ	حسب پسند
زعفران	حسب ضرورت
کریم	نصف کپ
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب

گھی گرم کر کے چورا کی گئی سویاں دھیمی آنچ پر سنہری کر لیں، دس منٹ بعد خوشبو آنے لگے تو پہلے سے ابلا دودھ اس میں شامل کر کے پیلا رنگ پانی میں گھول لیں بھی ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ دودھ جذب ہو جائے اور سویاں گل جائیں، بادام پیس لیں، کھویا بھون کر سویوں میں ڈال کر بادام بھی ملا لیں، چینی میں ایک کپ پانی ملا کر شیرہ تیار کر لیں اور سویوں میں شامل کر کے پانچ منٹ کے لئے تیز اور پانچ منٹ کے لئے دھیمی آنچ میں سویاں پکائیں، کیوڑے میں زعفران گھول کر سویوں میں ڈال کر اتار لیں، لذیذ بادامی سویاں تیار ہیں۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

جب یہ شمارہ آپ کو ملے گا رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا ہو گا آخری عشرہ میں عبادتوں کے ساتھ ساتھ عید کی تیاریاں بھی عروج پر ہوتی ہیں۔

عید کے لغوی معنی خوشی، مسرت و شادمانی اور انعام اکرام کے ہیں، اس انعام کے حق دار وہی لوگ ہیں جنھوں نے روزے اور اس کے اغراض و مقاصد کو پورا کیا، تمام مسلمان خواہ وہ کسی بھی خطہ ارض میں ہوں، یہ دن عبادت، اجتماعی خوشی، عقیدت اور پوری تعظیم سے مناتے ہیں، عید جہاں ایک طرف قلبی مسرت اور روحانی انبساط پیدا کرتی ہے، دوسری طرف تعلقات اور محبت کو بھی گہرا کرتی ہے، اسلام چونکہ دین مساوات و مورخات ہے اس لئے اسلام نے ہر موقع پر غریبوں اور مسکینوں کا خیال رکھا ہے اور انہیں بھی عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کے لئے صدقۃ الفطر کو واجب قرار دیا ہے تا کہ غریب و نادار لوگ بھی اپنی ضروریات سے بے فکر ہو کر عید کی خوشیوں میں شامل ہو جائیں صحیح معنوں میں عید وہی ہے جب سب مسرور ہوں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس تہوار کی فضیلت سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آپ سب کو ہماری طرف سے عید کی دلی مبارک باد اور بہت سی دعائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وطن عزیز کے ہر گھر میں عید کی خوشیوں کا پیغام لے کر اترے، ہر آنگن آباد ہو اور سب کے دل خوشیوں سے معمور ہوں، آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہماری نٹ کھٹ مصنفہ کنول ریاض کا منڈی بہاؤ الدین سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

جولائی کا شمارہ ہاتھ میں آیا تو سرسری نگاہ پلٹنے سے انکاری ہو گئی، ٹائٹل، بائنڈنگ اور فہرست میں موجود مصنفین، خوبصورت اور واضح فہرست بذات خود کہہ رہی تھی کہ ”ہم سا ہو تو سامنے آئے“

سردار صاحب کی باتیں پڑھتی ”پیارے نبی کی پیاری باتوں“ سے مستفید ہوتی انشا نامہ پر پہنچی تو بے ساختہ دل نے کہا کہ انشا جی کیسی سچی باتیں کر گئے ہیں، انشا جی آپ آج زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ واقعتاً ہم ”قبل از تاریخ“ کے زمانے میں رہ رہے ہیں، مہرین راحیل سے ملاقات کے بعد میں پہنچ گئی ”کس قیامت کے یہ نامے“ پر فوزیہ شفیق سے ملاقات کا اس سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں فوزیہ کے جوابات اس سے ملاقات کروا دیتے ہیں راحت وفا یہ کیا بھئی صرف خط، کہانی کہاں ہے آپ کی؟ سلسلے وار ناول اور ناولٹ تینوں اچھے جا رہے ہیں جہاں پرنیاں اور معاذ کی کہانی اٹریکٹ کرتی ہے وہیں جہان کی تڑپ دل جلاتی ہے، ”کاسہ دل“ میں شاہ بخت

اور ستارہ دونوں توجہ کھینچ لیتے ہیں، رہی بات فوزیہ غزل کے ناول کی تو شاید فوزیہ آپ کو یاد ہو کہ ایک بار میں نے کہا تھا آپ محبت پہ بہت اچھا لکھتی ہیں تب آپ نے کہا تھا کہ شاید میں نے آپ کے سنجیدہ موضوعات پہ تحریریں نہیں پڑھی تھیں آج اس بات کا اعتراف میں کرتی ہوں لیکن آپ تو سنجیدہ موضوعات کو بھی اتنی ہی خوبصورتی سے لکھتی ہیں جتنا کہ رومانس پر۔

فرحت عمران آپ کے نام سے مجھے فرحت شوکت یاد آ گئیں جواب خال خال ہی نظر آتی ہیں، خیر بات ہو جائے آپ کے ناول کی تو ڈیئر، اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں یہ کہوں گی کہ آپ کے سین، مکالمے، منظر نگاری سب بہت زبردست تھا لیکن معذرت کے ساتھ آپ کے سین کی ترتیب مجھے درست نہ لگی، شروع میں یوں لگا جیسے یہ افسانہ ٹائپ ہے یعنی ایک ہی گھر کی کہانی، آپ کو عبدالاحد کے ساتھ ساتھ مریم اور ضیاء کے سین بھی اکٹھے لے کر چلنا چاہیے تھا، یہ میری ذاتی رائے ہے آپ کی دل آزاری ہوئی تو ایک بار پھر سے معذرت کیونکہ میرا مقصود صرف اصلاح تھا نہ کہ تنقید برائے تنقید۔

سمیرا حمید آپ کے نام نے مجھے چونکا دیا، کہاں پڑھا اس لڑکی کو اور ذہن میں ایک دم سے کلک ہوا، "دمڑی" تب آپ کی تحریر کے آغاز کو ہلکا پھلکا دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ اب اس لڑکی کا رومانس پڑھنے کو ملے گا لیکن جوں جوں پڑھتی گئی تب تب "دمڑی" کو بھول کر میں جمال اور ہاشم میں گم ہو گئی، آپ کا طلسم مردار بھی اپنے منفرد ٹاپک اور خوبصورت انداز تحریر کی بدولت کبھی نہیں بھولے گا۔

میرے خیال میں آپ بہت پرانی رائٹر نہیں ہیں اور یقیناً آپ آگے چل کر آپ یقیناً بہت نام کمائیں گیں بس ایک بات یاد رکھیے گا سب نئی لکھاری اپنے بنانے والوں کو مت بھولیے گا کبھی بھی ایڈیٹرز سے مت الجھیے گا کسی بھی انداز سے یہ وہ لوگ ہیں جو رائٹرز کو رائٹر بناتے ہیں لیکن جب شہرت اور نام مل جاتا ہے تو کم ظرفوں کی طرح رائٹر انہی کو آنکھیں دکھانے لگتیں ہیں لیکن مجھے بھروسہ ہے کہ اپنی سنجیدہ اور میچور تحریروں کی طرح آپ خود بھی ایسی ہی ہوں گی، عاجزی اور انکساری زیر کو بھی زبر بنا دیتیں ہیں اور آپ اس وصف سے یقیناً آگاہ ہوں گی۔

"لاج" ثمینہ بٹ کی اچھی کاوش تھی، خالدہ نثار آپ کی تحریر کا سب سے خوبصورت جملہ جو مجھے لگا وہ تھا "جب تک آپ کی محبت پاس رہی میں انمول رہی جب گنوا بیٹھی تو بے مول ہو گئی" اور یہ محبت ہر رشتے کی محبت کے طور پہ دیکھنی چاہیے محبت محبت ہے اور بے انتہا قیمتی خواہ محبوب کی ہو، ماں باپ کی، دوستوں کی یا بہن بھائیوں کی۔

مبشرہ جی آپ کی عرصے بعد حاضری نے آپ کی تحریر کی صورت ہمارا گلہ مٹا دیا، آپ کی تحریر نے کئی نئے در روا کیے سوچ و نظر کے، عالی ناز مزاح لکھنے والی یوں سنجیدہ موضوعات پہ بھی روانی سے قلم چلا سکتی ہے اس کا اندازہ نہ تھا، آپ کی مزاحیہ تحریروں کے بارے میں میری رائے ادھار تھی جو آج چکانے لگی ہوں اس جملے کے ساتھ کہ "عالی ناز اور مزاح کا چولی دامن کا ساتھ ہے اس مت چھوٹنے دیجئے گا" باقی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ اور آپ ہر طرح کے موضوعات پہ دل کھول کر لکھیں، یقیناً پذیرائی ہو گی۔

سیمی کرن آپ کی دونوں تحریریں افسانہ اور تبصرہ اچھے تھے یونہی اچھی اچھی کتابوں پہ تبصرہ کرتی رہیں اور ہمیں مستفید کرواتی رہیں حنا کے باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے۔

کنول ریاض یہاں آپ کے لئے ہم صرف یہی کہیں گے کہ شکر ہے کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے آخر آپ کو اس محفل میں آنے کا خیال آ ہی گیا جولائی کے شمارے کی تحریروں پر آپ نے بہت جامع اور بھرپور رائے لکھ دی ہے کہ اس کے لئے آپ کا شکریہ تمام مصنفین بھی آپ کا شکریہ ادا کر رہی ہیں دیکھو ذرا ادھر سمیرا حمید، ام مریم، فوزیہ غزل، سندس جبیں، فرحت عمران بھی آپ کی تعریف اور تنقید پر مسکرا رہی ہیں اور یہاں ہم مزے کی بات آپ کو بتاتے چلیں جو کہ فرحت عمران ہماری نئی نہیں پرانی مصنفہ ہیں پہلے یہ متعامل تتاوش کے قلمی نام سے لکھتی تھی، رہی بات عالی ناز کی تو انشاء اللہ ان کی تحریر حنا میں آپ کو پڑھنے کو ملتی رہیں گی، سیمی کرن انشاء اللہ آگے چل کر مزید بہترین کتابوں سے متعارف کرواتی رہیں گی، ایک راز کی بات بتاؤں سیمی کے تبصروں کی طرح ان کی گفتگو بھی بڑی ادبی ہوتی ہے، آئندہ بھی اس محفل کو رونق بخشتی رہنا، ہم آپ کے منتظر رہے گے شکریہ۔

ثمینہ بٹ: لاہور سے لکھتی ہیں۔

حنا اس بار بھی حسب روایت شاندار رہا، "اسلامیات والا حصہ ہمیشہ کی طرح بے مثال تھا، "روزہ" اور "رمضان" کے بارے میں ایمان افروز باتیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔

اس کے بعد انشا نامہ آیا تو یہ حصہ تو میرا خاص پسندیدہ ہے، حنا میں انشاء نامہ ضرور پڑھتی ہوں اور اس بار کا انشا نامہ تو بالکل حسب حال ہی لگا، بہت خوبصورت بہت پر اثر، کاغذ کے کپڑے، کاغذ کے مکان کاغذ کے شیر اور یہ بھی بالکل ٹھیک ہے کہ "روایت ہلال کمیٹیاں بناتے ہیں، آسمان سے تارے توڑ لاتے ہیں۔" واہ کیا بات ہے۔

انٹرویو بس ٹھیک ہی لگا، پھر پہنچی افسانوں کی طرف، سب ہی اچھے تھے، مگر سیمی کرن کی تین عشروں کی کہانی بہت سے در وا کر گئی سوچ کے اور پھر مکمل ناول بھی سارے ہی اچھے تھے مگر سب سے زبردست سمیرا حمید کا "طلسم مردار" رہا، اتنی خوبصورت اور زبردست کہانی، میں تو کتنی دیر تک کچھ بھی بولنے کے قابل ہی نہیں رہی، سمیرا نے جب بھی جہاں بھی لکھا بے حد متاثر کن اور سحر انگیز تھا، دعا ہے کہ خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔

"مبشرہ ناز" کا "زندگی کے آنسو" خون کے آنسو رلا گیا، سعد کے ساتھ ہونے والے ظلم پہ روح تڑپ گئی اور بے ساختہ دل سے ان تمام بے گناہ بہنوں بھائیوں کے لئے دعائیں نکلنے لگیں جو ان ظالموں کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں، اللہ ہم سب کو دیے حفظ و امان میں رکھے اور ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے، آمین۔

باقی مستقل ناول اور ناولٹ پر تبصرہ محفوظ اور اب آتی ہوں کتاب نگر کی طرف سیمی ہر بار کسی نہ کسی خوبصورت کتاب لے کر آتی ہیں کہ بس مزہ آ جاتا ہے، حنا کے باقی تمام سلسلے بھی حسب روایت عمدہ اور شاندار ہے۔

ثمینہ بٹ اس محفل میں پہلی مرتبہ تشریف لائیں خوش آمدید جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی بقیہ تحریریں بھی ہمیں مل چکی ہیں انشاء اللہ جلد شائع کریں گے، اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا شکریہ۔

اقراء سیف: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

سرورق پر مہرین راحیل کو دیکھ کر اچھا لگا، کچھ باتیں ہماریاں انکل سردار محمود نے اعلیٰ لکھا تھا، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ نے دل کو ٹھنڈک کا احساس پہنچایا، مکمل ناول میں منزل

عشق پڑھا بہت اچھا لکھا تھا فرحت عمران آپ نے باقی دونوں مکمل ناول ابھی پڑھ نہیں سکی، افسانے بھی اچھے تھے، "تم آخری جزیرہ ہو" ام مریم میری موسٹ فیورٹ تحریر ہے، سندس جبیں کا "کاسہ دل" بہت اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے، یسی کرن آپ اتنی اچھی کتابیں کہاں سے ڈھونڈ لیتی ہیں یہ راز ہمیں بھی بتا دیں، مستقل سلسلے بھی اچھے تھے، آپی میں پہلی دفعہ حنا میں خط لکھ رہی ہوں اور عید کے حوالے سے ایک تحریر بھی بھیج رہی ہوں، آخر میں حنا اور تمام ریڈز، رائٹرز کو میری طرف سے رمضان اور عید دونوں مبارک اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

اقراء سیف خوش آمدید حنا کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی تحریر مل گئی ہے قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوگی، آئندہ بھی اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

ساجدہ تاج: سرگودھا سے لکھتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زندگی کے اس مقام پر جہاں آج میں موجود ہو وہ آپ سب کی ڈھیروں محبتوں اور خلوص کی بدولت ہے، جس کے لئے میں سردار طاہر محمود اور خصوصاً فوزیہ شفیق آپ کی بے حد شکر گزار ہوں، اب چلتی ہوں جولائی کے شمارے کی جانب، ٹائٹل سادگی لئے بے حد خوبصورت لگا، تمام مستقل سلسلے شامل اشاعت تھے، سب سے پہلے ام مریم کا ناول "تم آخری جزیرہ ہو" کی قسط پڑھی، ویلڈن مریم جی، آپ یقیناً بہت اچھا لکھ رہی ہیں، آپ کے انداز تحریر میں پختگی، روانگی اور منظر نگاری بہت زبردست ہے، اسلوب و بیان بھی خوب ہے، بہر حال میری جانب سے آپ کو بہت مبارک ہو، دوسرے نمبر پر سندس جبیں کی "کاسہ دل" پڑھی جسے پڑھنے کے بعد طبیعت کافی مکدر ہوئی، اسید کا حیا پر تشدد کرنا بہت تکلیف دے عمل ہے دوسری طرف شاہ بخت کا رویہ علینہ سے بہت عجیب سا ہے، کہانی کے تقریباً تمام کردار اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے مسئلوں میں الجھے ہوئے نظر آتے ہیں، کچھ نئے کردار اور نئی کہانیاں سامنے آرہی ہیں، دیکھتے ہیں ناولٹ کا اختتام کس موڑ پر ہوتا ہے "وہ ستارہ صبح امید کا" میں کی اس بار قسط قدرے بور لگی، افسانے تقریباً سب ہی زبردست تھے، آخر میں "کس قیامت کے یہ نامے" کی جانب آئی ہوں زرعہ رباب کھاریاں کے خط میں موجود فرمائش بہت پسند آئی کہ مصنفین سے انٹرویو کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے، واقعی فوزیہ کوئی ایسا سلسلہ ہونا چاہیے جس میں نہ صرف تمام رائٹرز کو ایک دوسرے کے بارے میں جاننے کا موقع ملے، آخر میں ان تمام پڑھنے والی بہنوں کا بے حد شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے نہ صرف میری تحریر پڑھی بلکہ تعریفی خطوط بھی بھیجے۔

ساجدہ تاج کافی لمبے عرصے کے بعد اس محفل کو رونق بخشی آپ نے، حنا کے لئے تعریف اور تنقید دونوں ہی ہمارے لئے اہم ہیں مصنفین بہنوں سے ملاقات کا سلسلہ ہم جلد شروع کر رہے ہیں انشا اللہ، اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

عشناء بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

حنا اس دفعہ دس کو موصول ہوا، سرورق پر مہرین راحیل معصوم اور پیاری لگ رہی تھی فہرست پر نگاہیں دوڑائیں اور اپنی تحریر نا پا کر مایوسی ہوئی۔

شروعات ہمیشہ کی طرح "کچھ باتیں ہماریاں" سے کی جہاں انکل وقت حکومت سے نالاں نظر آئے۔

حمد و نعت سے مستفید ہو کر پیارے نبی کی

جسارت کر لی وہ کیا ہے نہ کہ حنا کے بغیر ہم ادھورے ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ حنا کو ہمارا آنا اچھا نہ لگے خیر ہم اپنی محبتوں کے ہاتھوں مجبور ہیں فوزیہ غزل، ام مریم، مصباح نوشین، از مائی موسٹ فیورٹ ہیں فکل ہما پلیز حنا سے چھٹی مت کیا کرو ثمینہ سحر، عمارہ حامد آپ بھی بہت اچھا لکھتی ہو عالی ناز آپ کے لفظوں میں جادو ہے جو پڑھنے والوں کو اینڈ تک اپنے سحر میں جکڑے رکھتے ہیں بہر حال حنا کی ہر لکھاری ہی بہت اچھا لکھتی ہے۔

ثمینہ شیخ کا خط ہمیں جڑانوالہ سے ملا، ثمینہ آپ کا خط مکمل تو نہیں شائع کیا جا سکتا ادارہ حنا کی طرف سے آپ کو ہر ماہ حنا بھیجا جاتا ہے کیا ملتا نہیں ہے آپ کو؟ پلیز ضرور بتائیے گا آپ کی تحریر انشا اللہ جلد شائع کریں گے جو مضمون آپ نے لکھا ہے وہ ضرور ہمیں بھیج دیں ہم شائع کریں گے شکریہ۔

ثوبیہ نور العین رائے: پیر علی سے لکھتی ہیں۔

حنا میں شائع ہونے والا ناول "محبت فاتح عالم" مجھے تا عمر نہ بھولے گا اور جتنا بھی اس ناول کو پڑھ کر روئی شاید ہی کبھی کسی تحریر کو اس طرح محسوس کیا ہو میں نے پورے تین دفعہ اس ناول کو پڑھا مصباح ویلڈن آپ یقین کرو میں آپ کے ان قیمتی لفظوں کو جو ناول کی صورت میں تھے کبھی نہ بھولوں گی، آخر میں اپنی بات کرتے ہیں ڈیئر فوزیہ کیا ہم سے کوئی ناراضگی ہے کہ ہم تقریباً دو مکمل ناول اور آٹھ افسانے بھیج چکے ہیں مگر ان کی خبر تک نہیں پلیز آپ بتا دیا کریں کہ قابل اشاعت ہیں یا نہیں مگر اس طرح خاموشی اختیار مت کیا کریں میں تقریباً جنوری کے ماہ سے کچھ نہ کچھ ضرور بھیج رہی ہوں مگر میری تحریروں کا دور دور تک نام و نشان ہی نہیں آخر میں ایک

پیاری باتیں پڑھیں، جو کہ ماہ صیام کے حوالے سے تھی، انٹرویو میں مہرین سے گپ شپ اچھی لگی۔
باقی مستقل سلسلے بھی خوب تھے، مکمل ناول تینوں کی لاجواب تھے مگر سمیرا حمید آتے ہی چھا گئی، سمیرا جی تسی گریٹ ہو، فی الحال بھی ناول پڑھے ہیں باقی ابھی زیر مطالعہ ہے۔
عشنا بھئی تمہاری محبتوں کا بہت شکریہ تمہاری تحریریں انشاءاللہ جلد شائع کریں گے شکریہ۔
فریدہ جاوید فری: لاہور سے لکھتی ہیں۔
حنا ملا ٹائٹل بے حد دلفریب لگا، حنا پڑھتی ضرور ہوں، فرحت عمران کا پہلا ہی ناول پڑھا ہے اتنا اچھا لکھنے پر فرحت عمران کو مبارک ہو تمام تحریروں سے منتی دیکھا ہے، فوزیہ غزل بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں، سمیرا حمید نے تو کمال کر دیا اتنا اچھا ناول تھا کہ مدت کے بعد اتنا اچھا پڑھنے کو ملا خوش رہو سمیرا جی، ثمینہ بٹ کا ناولٹ بھی لاجواب تھا، مبشرہ ناز کے افسانے تو ہم نے ایک اور ڈائجسٹ میں بھی پڑھے تھے اور وہ ایک بہترین رائٹر ہیں مبشرہ جی بے حد سلام دعا، آپی ناز کا افسانہ بے حد اچھا لگا خطوط میں میری کمی کو سب نے محسوس کیا مجھے بے حد خوشی ہوئی اب ریگولر لکھا کروں گی۔
فریدہ جاوید فری کیسی ہیں آپ؟ کافی بزی ہو گئی ہیں جو اتنا عرصہ آپ غائب رہیں حنا کو پسند کرنے کا شکریہ انشاءاللہ اگلے ماہ سے حنا میں آپ کو کافی تبدیلیاں نظر آئیں گی، شکریہ۔
ثمینہ شیخ: جڑانوالہ سے لکھتی ہیں۔
السلام علیکم! پیاری آپی فوزیہ شفیق آپ اور حنا کی پوری ٹیم خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیشہ خوش رہے اللہ تعالیٰ حنا کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔
آج پھر ہم نے حنا میں شرکت کرنے کی ریکوئیسٹ ہے کہ اکمل برادرز کا انٹرویو کیا جائے اور باقی حنا ہر لحاظ سے بیسٹ ہے ہمیں سوائے اس کے کہ حنا ہماری تحریروں کو جگہ نہیں دے رہا کوئی شکوہ نہیں۔
ثوبیہ نور العین رائے آپ کی کافی تحریریں ہمیں موصول ہو چکی ہیں اگر ممکن ہو تو آپ کسی روز صبح گیارہ سے سہ پہر چار تک ہم سے بات کیجئے گا آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاءاللہ جلد پورا کریں گے شکریہ۔
فرزانہ سرور افراح: میاں چنوں سے لکھتی ہیں۔
میں نے جولائی کا شمارہ پڑھا ہے جو مجھے بے حد اچھا لگا ہے اس بار تو میں بغیر بتائے حاضر ہو گئی اگر میرا خط شائع ہوا تو میں دوبارہ بھی لکھوں گی اور ایک اور بات وہ یہ ہے میں نے حنا کو پہلی بار ہی پڑھا ہے، ابھی قسط وار ناول ہی پڑھ پائی ہوں، سب سے پہلے "وہ ستارہ صبح امید کا" فوزیہ غزل بہت اچھا لکھ رہی ہے مجھے انکار انداز تحریر بے حد اچھا لگا فوزیہ غزل میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں ہمیشہ ایسا ہی لکھتی رہو اور ام مریم کا "تم آخری جزیرہ ہو" از دا بیسٹ، "منزل عشق" بھی بہت خوب تھا، یہ ناول فرحت عمران مبارک ہو بھئی ہماری طرف سے ہمیں آپ کا ناول بہت اچھا لگا۔
زرقا امین، لیاری کراچی، مجھے آپ کے شعر پسند آئے اور علیعہ طارق کے شعر بھی کافی اچھے لگے، نعمان بھائی آپ کے شعروں کے لئے تو لفظ نہیں تعریف کیا کروں خیر یونہی لکھتے رہیں،
فرزانہ سرور اس محفل میں خوش آمدید، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ، اگلے ماہ ہم آپ کی تفصیلی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆